إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصۂ اوّل دوم

مجلد دوم - از ۵ھ تا ۱۱ھ جس میں اقامتِ امن، تاسیسِ خلافت، اشاعتِ اسلام، انتظاماتِ مذہبی، تکمیلِ شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تذکرہ ہے

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مع اضافہ و تکملہ

از

سید سلیمان ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی،

در مطبع معارف شبلی آعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع دوم ۱۳۴۱ھ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصّہ اوّل دوم

مجلد دوم۔ از ۹ھ تا ۱۱ھ جس میں اقامتِ امن، تاسیس خلافت، اشاعتِ اسلام، انتظامات مذہبی، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات، شمائل واخلاق وعادات کی تفصیل اور ازواج واولاد کا مختصر تذکرہ ہے

تالیف

حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مع اضافہ وتکملہ

از

سید سلیمان ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع دوم سنہ ۱۳۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ سیرۃ نبوی مجلد دوم

سیرۃ نبوی مجلد اوّل ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) کے اواسط مین شائع ہوئی تھی، اب مجلد دوم ۱۳۳۸ھ
(۱۹۲۰ء) کے اواسط مین شائع ہوتی ہے، شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدین شائع
[ہو]تی رہین لیکن شاید اُن مشکلات کا ان کو علم نہین جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ مین پیدا کر دی
[ہ]ین، گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاً خاتمہ ہو گیا لیکن باین ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح
[کا] آغاز نہین ہوا، اور اِس خاتمۂ جنگ سے زندگی کے مشکلات مین ایک ذرہ کمی نہین ہوئی، جلد اوّل
[کی] تکلیف وہ تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع معارف مین چھپے گی، لیکن مشکل
[یہ تھ]ی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی، بڑی تلاش و جستجو سے مشین ہاتھ آئی تو کاغذ کا قحط نظر آیا، جلد اوّل مین
[جن] اصناف کے کاغذ لگ چکے تھے، اُن کا ملنا دشوار ہو گیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ ریم بھی بیک وقت
[ملے] یہ دقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی۔ لکھنؤ سے لیکر کلکتہ اور بمبئی
[ت]ک کارخانے چھان مارے گئے، مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا۔ آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنا
[ا]ختتام کو پہنچی، والحمد للہ علیٰ ذلک،

پہلی جلد نبوت کے پُر آشوب عہد غزوات پر مشتمل تھی، اور دوسری جلد نبوت کی سہ سالہ امن
[و امان] کی تاریخ ہے۔ نبوت کی بست و سہ (۲۳) سالہ زندگی مین پہلی جلد بیس سال کے کارنامون کا
[مرقع ہے]، اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے، اور اس کے بعد اخلاق و

شمائل شریفہ اور ازواج مطہرات و اولاد کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ آیا تو مجھے اس بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی، لیکن مصنف کے مسودہ مین اضافہ کی ہمت نہین ہوتی تھی، آخر کار مدت کے حیص بیص کے بعد مین نے طے کر لیا کہ لکھنا ہی چاہیے، چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی، جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ مین لکھی تھی، اُس کا عنوان "یادداشت اخیر" تھا، اُس یادداشت کو پڑھکر میری مسرت کی انتہا نہین رہی جب مین نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو مین ضروری سمجھتا تھا مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت مین انکا اضافہ ضروری قرار دیا تھا، اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا جسکو فرشتۂ غیب نے اُن کے دست و قلم سے میری تسلّی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا

حلِّ این عقدہ ہم از روے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنّف مرحوم نے تکمیل کو نہین پہنچایا تھا، بہت سے عنوانات سادہ بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آیندہ اضافہ کے لیے ناتمام بصورت بیاض چھوڑ دیا تھا، نے ان کو لکھکر بطور تکملہ کتاب مین شامل کر دیا، بہت سے ضروری حواشی بھی جا بجا بڑھائے گئے ہین۔ چنانچہ جیسا کہ جلد اوّل کے دیباچہ مین ذکر کیا گیا ہے اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتین ہلالین کے اندر کر دی گئی ہین، تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتین باہم مختلط نہونے پائین۔

جامع

سید سلیمان، ندوی

فہرست مضامین سیرۃ النبیؐ حصۂ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کی امن کی زندگی

سنہ ۹ھ سنہ ۱۰ھ و سنہ ۱۱ھ

قیامِ امن، اشاعت اسلام، تاسیس خلافت، تکمیل شریعت

قیامِ امن

(گذشتہ ابواب[1] کے پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاجِ بیان نہین رہتی کہ اس وقت تک گو (فطر)ی صلاحیت و استعداد کے رو سے عرب کا ذرّہ ذرّہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع (نہ) تھا، تمام جزیرۂ عرب ایک واحد ملک، اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی و (قو)می اتحاد کا نشان دیا، اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ مین تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا جس طرح (ہ)ر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جُدا رئیس تھے۔ جنوبی عرب مین حمیری اَذْوا، اور (ا)ن کی چھوٹی چھوٹی ریاستین تھین، شمالی عرب مین بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم (...)، بنو حنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اَوس، خزرج، ثقیف، اور قریش وغیرہ کی الگ الگ (ریاس)تین تھین، جو دن رات خانہ جنگیون مین مبتلا رہتی تھین، بکر و تغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی

---

[1] (...) ورا باب اضافہ از صفحہ ۱ تا ۱۰۔

خاتمہ ہوا تھا، کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس و خزرج لڑ لڑ کر اپنے
ایک سردار کو کھو چکے تھے، خاص حرم اور ماشہر حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا
سلسلہ جاری تھا، اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل، غارتگری اور
خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے
تھے، انتقام، ثار، اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی
نہیں بجھتی تھی، ملک کا ذریعۂ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا
ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گذرنا محال تھا، حیرۃ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں
کافی اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں آسانی نہیں
پہنچ سکتا تھا، شہور حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، باایںہمہ لڑائیوں کے جواز کے لیے وہ کبھی
بڑھا اور کبھی گھٹا دیئے جاتے تھے۔ **ابو علی قالی** نے کتاب الامالی میں لکھا ہے۔

وذلك لانهم كانوا يكرهون ان
تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم
الاغارة فيها لان معاشهم كان من
الاغارة (صفحہ ۴ - جلد ۱)

یہ اس لیے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے
متصل اُن پر غارت گری کے بغیر گذر جائیں (کیونکہ)
غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔

....

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعۂ معاش کے لیے یہی موسم، موسم بہار تھا، مکہ کے آس پاس
اسلم و غفار وغیرہ قبائل آباد تھے، جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام تھے، مکے نہایت

دنامور قبیلہ تھا، لیکن دزدان طے بھی اپنی شہرت مین ان سے کم نہ تھے[1]، سلیک ابن السلکہ اور تابط
برا، عرب کے مشہور شعرا تھے، لیکن ان کی شاعری کا تمامتر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے
فخر کارنامے تھے۔

ملک مین اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبد القیس جو بحرین کا ایک طاقتور قبیلہ تھا سفر
سے مضری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینون مین حجاز کا رخ نہین کرسکتا تھا[2]، فتح مکہ کے
بعد بھی جب ملک مین سکون شروع ہو چکا تھا۔ مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا، اور اب بھی لوگ ڈاکے
لئے رہتے تھے[3]۔ ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد تک بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے
لٹ لیے جاتے تھے[4]، یہان تک کہ کبھی کبھی خود دار الاسلام کے چراگاہون مین بھی چھاپے مارے
جاتے تھے[5]۔ آنحضرت صلعم جب لوگون کو ملک کے امن و امان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ
آئے گا جب صنعاء سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی، اور خدا کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا[6]
لوگون کو تعجب آتا تھا۔ سنہ ۹ھ مین ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوون نے لوٹ لیا۔
آپ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان کے جایا کرے گا[7]" اتنے بڑے
ملک مین صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی، جہان لوگون کو اطمینان میسر آسکتا تھا۔ خدا نے قرآن مجید مین
اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ ان کو چاہیے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوجین جس نے انکو

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [2] صحیح بخاری کتاب الایمان۔ [3] ابو داؤد کتاب الادب باب الحذر [4] طبقات ابن سعد جزء مغازی
ص ۶۲ و ۶۳ و ۶۵۔ [5] دیکھو غزوہ سویق و غزوہ غابہ۔ [6] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [7] بخاری صفحہ ۱۹۰۔)

مِنْ جُوْعٍ وَّآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (ایلاف) بھوک مین کھانا دیا اور بدامنی کو دور کرکے انکو امن بخشا

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ کیا یہ نہین دیکھتے کہ ہمنے ایک امن والا حرم اُنکے لیے بنایا

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت) باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اُسکے چارو نطرف سے آدمی اچکلیے جاتے

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت صلعم عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے اپنے امان مین لیکر صرف اتنا موقع دلا دو کہ خدا کی آواز لوگون تک پہنچا سکون لیکن کوئی حامی نہین بھرتا تھا۔ عام مسلمان عرب کی فضا مین سانس تک نہین لے سکتے تھے، تلاشِ امن کے لیے افریقہ و حبش کے ریگستانون مین مارے مارے پھرتے تھے، جو عرب مین رہ گئے تھے وہ ہدفِ مظالم گوناگون تھے، قرآن مجید مسلمانون کی اسی حالت کا ذکر ان آیتون مین کرتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ یاد کرو جب تم ملک مین تھوڑے اور کمزور تھے ڈرتے

تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (انفال) تھے کہ لوگ تم کو اُچک نہ لین۔

اسی ملکی شورش اور بدامنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک مین کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدابیر کے کامیاب نہین ہوسکتی تھی۔ سرورِ عالم کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی اور اُسکے لیے تیغ و خنجر اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی لیکن ایک طرف تو دشمن حملہ پر حملہ کرتے چلے آتے تھے، اور دوسری طرف مبلغین و دُعاۃِ اسلام کی جانین معرضِ خطر مین رہتی تھین۔ تجارت کے قافلے جن پر اصل مین ملک کی بہبود کا دار مدار تھا، غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزوات نبوی کے اسباب و الواقعات مین گذر چکے ہین۔

بیرونی خطرات

بہرحال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی، بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے، ملک کے تمام بہ-

بز صوبے، روم و فارس دو عظیم الشان طاقتون کے پنجہ مین تھے، تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی
عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے، اور اُن کے زیر اقتدار برائے نام عرب رؤساء حکمران
،، حدود عراق مین آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیون نے اندرون ملک مین بھی پیش قدمی
ع کر دی تھی، حجاز مین اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود مین سمجھتے تھے،
نہ سنہ ھ مین شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا تھا کہ "میرے غلام کو جو حجاز مین
نبوت بنا ہے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدو"

رومیون نے حدود شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ آلِ غسّان اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤساء
ن نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، ان کی ماتحتی قبول کر لی تھی، سنہ ھ کے بعد رومی
سائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی طیاریان کر رہے تھے، جس کا ظہور واقعۂ تبوک
بتہ وغیرہ کی صورت مین ہوا۔

یہودیون کی قوت

رومیون نے دوسری صدی عیسوی مین یہودیون سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت
ین لی تھی اور وہ مجبوراً حدود شام سے قلب حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے اور اپنے لیے مدینہ
شام تک متصل قلعے تعمیر کر لیے تھے، یہ مقامات اُن کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام
ریظہ، نضیر، قینقاع[1]، خیبر، فدک، تیماء، وادی القریٰ[2] وغیرہ ان کی بڑی بڑی چھاونیان تھین
مجید نے حسب ذیل آیات مین یہودیون کے انھین قلعون کی طرف اشارہ کیا ہے،

البلدان یاقوت مین ان مقامات کے حالات پڑھو [2] کتب مغازی و سیر مین ان کے حالات دیکھو بخاری
ب قتل کعب بن اشرف و رافع بن خدیج۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی	وہ قلعہ بند آبادیون یا دمدمون کے نیچے چھپ بغیرون ملکر
مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۤءِ جُدُرٍ (حشر)	مقابلہ نہین کرسکتے،
وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ	خدانے اُن یہودیون کو جنھون نے ان کی مدد کی تھی انکے
الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ (احزاب)	قلعون سے اتارا۔

زمانۂ قدیم مین مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ مین ان کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عنصر بنا دیا تھا، بعینہ یہی حال انکا عرب مین بھی تھا ان مستحکم قلعون کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر مین نہین لاتے تھے۔ آنحضرت صلعم کو متعدد لڑائیان صرف ان کی شرارت سے لڑنی پڑین، بدر مین جب مسلمانون کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخریہ کہتے تھے "بیچارہ مکہ کے قریش لڑنا کیا جانین، مسلمانون کو ہمارے قلعون سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو"

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات مین مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیے عام انسانی دست و بازو بیکار تھے، خدا کا غیر مرئی ہات محمد رسول اللہ کی آستین مین پوشیدہ تھا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى، ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششون اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کرلی، عرب کے سیاسی ضعف کا تمامتر راز نااتفاقی اور باہمی جنگ و جدال مین مضمر تھا اور اس نااتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانون اور نسلون مین منقسم تھا، تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لیے ان مین کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا، محمد رسول اللہ صلعم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، (حجرات) اور دفعۃً اس روحانی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے

تار و پود اُدھیڑ دیئے اور صرف ایک کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی برقی رو، اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے،

خدائے پاک نے قرآن مجید مین اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً	خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے
فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ	دشمن تھے. خدا نے تمھارے دلون کو جوڑ دیا، پھر اُس کے
إِخْوَانًا (آل عمران)	لطف و محبت سے تم بھائی بھائی بن گئے،

خدا نے خود آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "محمدؐ! یہ تیرا کام نہ تھا، اس مین خود خداوند مقلب القلوب کا ہات کام کر رہا تھا"

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ	وہ خدا ہی ہے جس نے محمدؐ! اپنی نصرت اور مسلمانون کے ذریعے
وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي	تجھکو قوت بخشی، اور اُسی نے مسلمانون کے دل باہم جوڑ دیئے
الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ	اور اگر تو تمام دنیا کے خزانے بھی لٹا دیتا تو بھی انکے دلونکو نہ جوڑ سکتا
اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥	لیکن خدا نے انکے دل باہم جوڑ دیئے وہ زبردست اور حکمت والا ہے

ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو مواخاۃ اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا،

قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات مین فتنہ و فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعل انسانی قرار دیا، اور اس فعل کے مرتکب کے لیے سخت سزائین مقرر کین، چوری کے لیے قطع ید کی سزا متعین کی، رہزنی کے لیے قتل، پھانسی، قطع ید، اور جلاوطنی کی تعزیرین جاری کین، سورۂ مائدہ مین خونریزی اور قتل

دسفاکی کے انسداد کے لیے قصاص کا قانون نازل ہوا،[1] ملک مین قیام امن کے لیے آنحضرت صلعم نے متعدد بار فوجین بھیجین، رہزن قبائل پر چھاپے مارے،[2] حجاز مین جن قبائل کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہوکر مسلمان ہوگئے، فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے قوانین وضع ہوئے اور جابجا عمال کا تقرر ہوا،

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا۔ وہ انسانون کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض، ایک مقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے، اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا، قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیا صلعم کا فیض تلقین اس سے پہلے فرد قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا، قانون وخوف تعزیر صرف بازارون مین اور انسان کے عام مجمعون مین جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوت اسلام کے فیضِ اثر نے دلون کو بالکل خدا کے سامنے کردیا، جو رات کی تاریکیون مین بھی دیکھتا تھا، اور مقفل دروازون کی کھڑکیون سے بھی جھانکتا تھا۔ دفعۃً اب تمام ملک مین امن وامان تھا، اور عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انھون نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی پیشینگوئی کے مطابق صنعا سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتے تھے، اور خشیۃ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ مین نہ تھا،[3] ایک یورپین مورخ جس کے قلم نے پیغمبر اسلام کی مدح کے لیے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیوتھ) وہ بھی ان الفاظ مین اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

> "محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہین رہ گیا تھا، آپ ایک سلطنت کی جس کا
> ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ نے عرب کے

[1] دیکھو غزوات نبوی پر دوبارہ نظر۔ [2] صحیح بخاری ذکر غفار و اسلم [3] صحیح بخاری

منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور
ان مین ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتون سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا[۱]"

بیرونی خطرات کے انسداد کے لیے خدا نے عجیب وغریب سامان پیدا کر دیے، قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیون نے اسلام کو پامال کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور چور تھے، سنہ ۳ھ سے لیکر سنہ ۷ھ تک متواتر لڑائیان پیش آئین اور آخر فتح خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا، رومیون نے اور حدود شام کے عیسائی عربون نے اسلام کے استیصال کا بیڑا اُٹھایا، عیسائی رؤسائے عرب مین سب سے زیادہ طاقتور اور پُرزور غسانی تھے، جو رومیون کے ہاتھ مین کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے تھے، بہرا، وائل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ عرب قبائل اُنکے ماتحت تھے، ان کے علاوہ دومۃ الجندل، ایلہ، جربا، اذرح، تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے، غسانیون کے حملہ کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اُوپر گذر چکا ہے، حارث بن عمیر جو شاہ بصرے کے دربار مین دعوت اسلام کا خط لیکر گئے تھے انکو غسانیون نے راستہ مین قتل کر دیا، آنحضرت صلعم نے تین ہزار مسلمانون کا ایک دستہ تادیب وانتقام کے لیے روانہ فرمایا، غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان مین آئے اور خبر تھی کہ رومی بھی اسیقدر فوج لیے ہوئے موقع سے قریب مواب مین پڑے ہین تاہم مُٹھی بھر مسلمان آدمیون کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانین کھو کر فوج کو میدان جنگ سے ہٹا لائے، اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے،

اس کے بعد سنہ ۹ھ مین غزوۂ تبوک پیش آیا، دم بدم خبرین آتی رہتی تھین کہ رومی حملہ آوری

[۱] لائف آف محمد مارگولیس صفحہ ۴۷۱،

کے لیے عیسائی عربون کی ایک فوج گران ترتیب دے رہے ہین اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہین۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی مین مصروف ہین اور گھوڑون کی نعلبندی کرا رہے ہین، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے تیس ہزار صحابہ کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنون کی آمد کا انتظار کرتے رہے، لیکن کوئی مقابل نہ آیا، تاہم اس پیشقدمی کا یہ فائدہ ہوا کہ غسانیون کے علاوہ تمام رؤسا نے رومیون کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی، سلہ مین زمانہ مرض الموت مین آنحضرت صلعم نے اسامہ بن زید کے زیر افسری رومیون کے مقابلہ کے لیے پھر فوجین روانہ فرمائین، لیکن اس مہم کا اختتام عہد صدیقی مین ہوا،

ایرانیون کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی ~~سنہ مین دعاتِ اسلام کے پہنچنے کے~~ ساتھ ہی بمقابلہ و جنگ یمن، عمان اور بحرین مین ان کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہو گیا،

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششون اور مافوق طاقت بشری تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک مین امن و امان قائم ہو گیا، قریش اور یہود کی سازشون کا طلسم ٹوٹ گیا، قبائل کی خانہ جنگیان مٹ گئین، تمام رہزن اور ڈاکو جتھے رام ہو گئے، بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا، اب موقع ملا کہ صلح و آشتی کے ساتھ حسب فرمانِ الٰہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے،

سلہ اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزوۂ موتہ اور تبوک کے ذکر مین گذر چکے ہین۔

تبلیغ و اشاعتِ اسلام

سرورِ کائنات ؐ کا اصلی کام تمام عالم مین دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان، بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام مین لانا تھا، اس کے لیے تیغ و خنجر اور فوج و عسکر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا، اطرافِ عالم مین پہنچ جانے پائے لیکن مکہ مین تیرہ برس تک اعداے اسلام اسی کے سدِ راہ رہے، حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور و دراز مقامات سے آتے تھے، آنحضرت صلعم ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھکو پیغام حق پہنچانے سے روکتے ہین، تم اس کا موقع دلا دو اور خود دو، لیکن قریش کے اثر سے ہزارون لاکھون مین سے ایک بھی اسکی حامی نہین بھرتا تھا،

تاہم آفتابِ حق کی کرنین، ان کثیف بادلون مین سے بھی چھن چھن کر قلوب پر گرتی تھین اور اکناف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھین، اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی، اور یہ کام خود اعداے اسلام نے انجام دیا، جب حج کا زمانہ آتا تو روساے قریش عام گذرگاہون پر خیمے لگاتے، باہر کے لوگ اُن سے ملنے آتے اور چونکہ بعثت نبوی کا چرچا پھیل چکا تھا، لوگ اسکی حقیقت دریافت کرتے، اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماتقدم کے لیے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر مین ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہے، یہان تک کہ لات و عزیٰ سب کو بُرا کہتا ہے۔"

بدعقیدہ کو عربی مین صابی" کہتے ہین، اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض، مثلاً نماز کی صورت نصابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہین، قریش نے آنحضرت صلعم کو صابی کا لقب دیا تھا، اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب مین آپ کا نام مشہور ہوگیا، صحیح بخاری کتاب المغازی مین ایک صحابی سے روایت ہے کہ "مین جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والون سے سنا کرتا تھا کہ مکہ مین ایک صابی پیدا ہوا ہے[1]"

ملک مین جب آپ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان مین سے کسی شخص نے آپ کی طرف رُخ نہین کیا، لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگون سے خالی نہین ہو سکتا تھا جنکو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ عرب مین ایسے لوگون کی خاصی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے، اور حق کے متجسس تھے بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے جنکا تذکرہ آغاز کتاب مین گذر چکا ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت صلعم کی تحقیق حال کے لیے مکہ مین آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لاکر واپس گئے، حضرت ابوموسیٰ اشعری یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی) کے خاندان مین جو اسلام پھیلا اسکی ابتدا قیام مکہ ہی کے زمانہ مین ہوئی تھی،

طفیل بن عمر کا اسلام،

(طفیل[2] بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب مین شعراء کا اثر بہت تھا، اپنی قبیلہ کو جد هر چاہتے تھے، جھونک دیتے تھے اس لیے قریش نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت صلعم کی خدمت مین نہ پہنچنے پائے لیکن ایک دفعہ جب اسنے اتفاقیہ آنحضرت صلعم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو

---

[1] کتاب المغازی صفحہ ۵۱۶۔ [2] اضافہ تا قصہ ابوذر۔

فوراً مسلمان ہوگیا[1]، اور اُس کے اثر سے اُسی زمانہ مین قبیلۂ دوس مین بھی اسلام پھیلنے لگا[2]، تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی، وہ رنجیدہ ہوکر آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی اِن پر بددعا کیجیے، آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی کہ "خدایا دوس کو ہدایت دے، اور اُن کو بھیج" اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا[3]۔

عمرو بن عبسہ کا اسلام

عمرو بن عبسہ سلمی بھی انہین بزرگون مین ہین، جنھون نے لوگون کی زبانی یہ سنکر کہ مکہ مین ایک شخص پیدا ہوا ہے، جو بہت سی باتین بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے، آنحضرت صلعم اُس وقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے، عمرو بن عبسہ کسی طرح آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہنچ گئے اور عرض کی کہ "آپ کون ہین؟" آپنے فرمایا "مین پیغمبر ہون" اُنھون نے کہا "پیغمبر کس کو کہتے ہین؟" آپ نے فرمایا "خدا نے مجھے بھیجا ہے" اُنھون نے پھر پوچھا "کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟" ارشاد فرمایا "مجھے خدا نے یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے۔ بت توڑے جائین۔ خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے" عمرو نے پوچھا اِس مذہب کے کتنے پیرو ہین؟" آپ نے فرمایا "ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)" عمرو نے کہا "مین بھی آپ کی پیروی کرتا ہون" ارشاد ہوا کہ "ابھی تو یہ ممکن نہین تم دیکھتے ہو کہ مین کس حال مین ہون اور لوگون کا کیا حال ہے، میری کامیابی کا جب حال سنو تو میرے پاس آنا" چنانچہ عمرو واپس گئے اور ہجرت کے بعد جب لوگون کی زبانی آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضرِ خدمت ہوئے[4]

---

[1] زرقانی۔ [2] صحیح مسلم کتاب الایمان سے یہ مفہوم ہوتا ہے، [3] صحیح بخاری باب قصۂ دوس۔ [4] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا۔

ضماد بن ثعلبہ کا اسلام

ضماد بن ثعلبہ، قبیلۂ ازدشنوءہ کے رئیس اور آپ کے زمانۂ جاہلیت کے دوست تھے، وہ مکہ آئے تو سنا کہ محمدؐ کو جنون ہو گیا ہے، وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے، وہ آپ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمہارا علاج کر دوں، آپ نے فرمایا الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ، من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ، واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ، ان فقروں نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا عرض کی، دوبارہ ارشاد فرمائیے، آپ نے پھر اعادہ فرمایا، ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا، اب وہ بالکل مسحور تھے، بولے کہ میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر، شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سنا یہ تو دریا کی تہ تک میں بھی اثر کر جائیگا، لائیے ہاتھ لائیے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں" آپ نے ان سے بیعت لی، پھر فرمایا، اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرو، چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لی۔

قبیلہ ازد کا اسلام

اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہو گئے ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گذر ہوا تو افسر نے پوچھا کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے، اسے حکم دیا کہ واپس کر دو[1])

حضرت ابوذر کا اسلام

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا، جب، یہاں یہ خبر پہنچی تو حضرت ابوذر جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اسکی تعلیم اور تلقین کیا۔

---

[1] صحیح مسلم باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ

انیس مکہ مین آئے اور واپس جاکر بیان کیا کہ "وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے" حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہین ہوئی، خود گئے، زاد سفر کے لیے مشک مین پانی، اور کچھ کھانے کو لے لیا، مکہ مین آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت صلعم کا نام پوچھ نہین سکتے تھے۔ حرم مین حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی، اُنھون نے گھر پر لاکر مہمان رکھا لیکن تین دن تک اُن سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہین ہوئی، بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یہان آنے کی کیا غرض ہے" اُنھون نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے، حضرت علیؓ ان کو آنحضرت صلعم کی خدمت مین لائے اور آپ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ، پھر مین جو کچھ کہلا بھیجون گا اسکی تعمیل کرنا. لیکن اُن کو اسلام کا جوش تھا، عرض کی کہ "مین تو اسلام کا اعلان کرکے رہون گا" غرض حرم مین آئے اور زور سے پکارے کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا رسول اللہ" اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چارون طرف سے دوڑ پڑے، اور ان کو مارنا شروع کیا حضرت عباسؓ نے آکر بچایا اور لوگون سے کہا "تم یہ نہین سمجھتے کہ تمھاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہوکر گذرتا ہے اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہین" اس وقت لوگون نے چھوڑ دیا۔ لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم مین جاکر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا۔ اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہوچکا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آگئے اور انھون نے جان بچائی۔[۱]

قبیلۂ غفار کا اسلام

حضرت ابوذر مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اُسیوقت

---

[۱] یہ روایت تمامتر صحیح بخاری سے ماخوذ ہے۔ صحیح مسلم مین یہ واقعہ جسطرح منقول ہے۔ اس مین بہت سی باتین اس سے الگ اور مختلف ہین۔ حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین کہ ان دونون روایتون مین تطبیق ممکن ہے۔

مسلمان ہوگیا۔ بقیہ آدمیون نے کہا کہ ہم اُس وقت اسلام کا اظہار کرین گے جب آنحضرت صلعم مدینہ مین آجائین۔ چنانچہ جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہوگئی[1]۔ غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا۔ اور دونون قبیلون مین قدیم تعلقات تھے غفار کے اثر سے انہون نے بھی اسلام قبول کرلیا[2]، (حالانکہ یہ دونون قبیلے اسلام سے پہلے چوری مین بدنام تھے[3]۔ اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے،)

قبیلۂ اسلم کا اسلام

(موسم حج مین عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہوجاتا تھا، آپ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیامگاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس و خزرج کی ایک معتدبہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اسکے بعد جب حضرت مصعب بن عمیر داعی اسلام بناکر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو انکے فیض تلقین سے چند ہی مہینون مین دوگھرانونکے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہوگئے، ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل مین جیساکہ اوپر گذرا غفار و اسلم نے اسلام قبول کرلیا، کچھ ہی دنونکے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جسمین قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانونکے ہاتھ مین قید ہوگئے، ان قیدیون کی رہائی کے لیے قریش نے مدینہ مین آمد و رفت شروع کی اس تقریب سے لوگون کو مسلمانون سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا۔ اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہوگئے،)

اوس و خزرج کا اسلام

قیام مدینہ مین اشاعت اسلام

بدر کے بعد بعض قریشیون کا اسلام

(ان مین) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ ان کے کانون مین قرآن مجید کی آواز پڑگئی اور باوجود سخت عداوت کے ان کا دل پتھر سے موم بنگیا، جبیر بن مطعم بدر مین گرفتار ہوکر آئے تھے اور قیدیون کے ساتھ اسیر تھے۔ ایک دن آنحضرت صلعم یہ آیتین پڑھ رہے تھے

[1] (صحیح مسلم اسلام ابی ذر) [2] صحیح بخاری ذکر اسلم و غفار [3] حوالہ سابق

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ۔

کیا یہ یون ہی آپ سے آپ پیدا ہوگئے، یا ان لوگون نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا یا ان لوگون نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہین ہے۔

جبیر بن مطعم کا اسلام

جبیر بن مطعم نے یہ آتین سن لین تو ان کا بیان ہے کہ مجھکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا۔ صحیح بخاری سورۂ طور مین یہ واقعہ مذکور ہے۔

پیشین گوئی روم کا اثر

(مکہ مین روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت صلعم نے جو پیشینگوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اُتری اور قرآن مجید کی پیشینگوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیون نے فارس پر فتح کلی پائی۔ اِس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا[1])

غرض اِس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ ۵ھ مین قریش، کنانہ، غطفان، اسد، اور دیگر قبائل نے متحد ہوکر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ اس معرکہ کا نام احزاب ہے جسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اِس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا۔ اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لیے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے اُن کو اظہار اسلام کی ہمت نہین ہوتی تھی اُنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین وفود بھیجنے شروع کیے۔ سب سے پہلی سفارت جو آئی وہ قبیلہ

قبیلۂ مزینہ کا اسلام

مزینہ کی تھی جس مین چار سو آدمی شریک تھے، انھون نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کرکے مدینہ مین آجائین لیکن آپ نے فرمایا "تم جہان رہو مہاجر ہو"[2]

قبیلۂ اشجع کا اسلام

اسی زمانہ مین قبیلۂ اشجع کے سفراء جنکی تعداد سو تھی مدینہ مین آئے اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ

---

[1] ترمذی تفسیر سورۂ روم [2] جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود جزء اول قسم ثانی صفحہ ۳۰۔

ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے" آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا۔ اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کرلیا[1]۔

قبیلہ جہینہ کا اسلام

(جہینہ بھی انھیں قبائل کے آس پاس آباد تھے آنحضرت صلعم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لیکر مدینہ آئے اور مسلمان ہوئے اور اس کے بعد وہ غزوات میں مسلمانوں کے شریک حال رہے[2]۔

غفار، اسلم، مزینہ، اشجع اور جہینہ کی دینی اطاعت اور سابقیت اسلام ہی کی بنا پر آپ نے انکے حق میں دعاے خیر فرمائی[3])

صلح حدیبیہ کا اثر

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لیے منکرین کو خلوت و جلوت میں مسلمانوں کی تلقینات کے سننے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا[4] کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور مہمات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفۃً بڑھ گئی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلعم صلح حدیبیہ کے

[1] جزء طبقات ابن سعد ذکر وفود صفحہ [illegible] [2] اصابہ تذکرہ [illegible] [3] بخاری جلد اول ذکر غفار و اسلم و جہینہ [4] طبری میں امام زہری کا قول ہے

فلما كانت الهدنة ووضعت الحرب اوزارها وامن الناس كلهم بعضهم بعضا فالتقوا وتفاوضوا في الحديث والمنازعة فلم يكلم احد بالاسلام يعقل شيئا الا دخل فيه فلقد دخل في تينك السنتين في الاسلام مثل ما كان في الاسلام واكثر (طبری ۱۵۴۱)

[illegible]

ال اداے حج کے ارادہ سے مدینۂ طیبہ سے نکلے تو صرف دو ہزار شخص ساتھ تھے۔ اب دو برس کے بعد
ح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانون کا لشکر جرار ساتھ تھا۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا کیونکہ اس معاہدہ مین صرف قریش اور کنانہ شریک
تھے اس لیے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے، وہ اب بھی
ینہ پر حملہ کی طیاریان کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لیے آنحضرت صلعم کو کچھ کچھ فوجین بھیجنی پڑتی
ن تاہم جن موقعون پر امن کا گمان ہوتا تھا وہان داعیان اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگون کو اسلام
طرف بلائین لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ان داعیون کے ساتھ تھوڑی بہت
جیست بھی ہوتی تھی اس لیے، ارباب سیر ان تبلیغی جماعتون کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے ہین۔

فتح مکہ کا اثر

تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا۔ اس لیے وہ انتظار کر رہے
ے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے، عمرو بن سلمۃ ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گذرگاہ عام پر
ہتے تھے ان کے یہ الفاظ صحیح بخاری مین منقول ہین۔[۱]

نت العرب تلوم باسلامھم الفتح فیقولون	عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد
لوہ وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی	صلعم کو انکی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد صلعم انپر غالب
ادق فلما کانت وقعۃ اھل الفتح بادر	آگئے تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہین۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر
قوم باسلامھم	قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی۔

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری۔ فتح مکہ۔

وانما[1] كانت العرب تربص بالاسلام امر هذا الحي من قريش وامر رسول الله صلى الله عليه وسلم وذلك ان قريشا كانوا امام الناس وهاديهم واهل البيت والحرم وصريح ولد اسمعيل بن ابراهيم عليهما السلام وقادة العرب لا ينكرون ذلك وكانت قريش هي التي نصبت لحرب رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلافه فلما افتتحت مكة ودانت له قريش ودوخها الاسلام عرفت العرب انه لا طاقة لهم بحرب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عداوته فدخلوا في دين الله كما قال الله عز وجل الخ

اور عرب اسلام کے باب مین صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یون کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کے متولی اور حضرت اسمٰعیل کی خاص اولاد اور عرب کے ہادی تھے اور صرف قریش نے آنحضرت صلعم کی مخالفت کے لیے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہوگیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام نے مکہ کو دبا لیا تو عرب کو یقین ہوگیا کہ ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہین ہے، تو وہ خدا کے دین مین داخل ہوتے جیسا کہ اللہ عز وجل نے قرآن مین کہا ہے (یعنی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ)

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے مین جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی اب جب کہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے مین دیر نہ تھی

فتح مکہ کے بعد اب دعوت اسلام کے لیے یہ خطرہ نہین رہا کہ اس کے دعاۃ جہان جائین پیغام

---

[1] سیرت ابن ہشام ذکر واقعات سنہ ۹ھ و وفود۔ ۱۱

قتل کر دیے جائین اس بنا پر آنحضرت صلعم نے تمام اطراف عرب مین دعاۃ بھیجدیے کہ لوگون کو اسلام کے فضائل و محاسن بتاکر ان کو اسلام کی ترغیب دلائین۔

دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کیے گئے،

(۱) حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کر سکین۔ حضرت خالد کو آنحضرت صلعم نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئین، چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہین کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالد سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے، اِس بنا پر آنحضرت صلعم نے اب حضرت علی کو بھیجا اُنھون نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعۃً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ ہین جنکو علامۂ طبری نے ان لفظون سے تعبیر کیا ہے۔

قد کان رسول اللہ صلعم بعث فیما حولہ مکۃ السرایا تدعو الی اللہ عزوجل ولم یامرھم لقتال،	آنحضرت صلعم نے مکہ کے اطراف مین کچھ ٹکڑیان بھیجی تھین کہ لوگون کو خدا کی طرف بلائین لیکن اُنکو لڑنے کا حکم نہین دیا تھا۔

حضرت خالد کو قبیلۂ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا لیکن جب اُنھون نے کشت و خون کیا اور آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ کھڑے ہوگئے اور قبلہ رُخ دونون ہاتھ اُٹھاکر کہا۔ خدایا! مین خالد کے فعل سے بری ہون، پھر حضرت علی کو بھیجا اُنھون نے ایک ایک مقتول کا خونبہا ادا کیا یہان تک کہ کتّون کا بھی۔

(اشاعتِ اسلام کی غرض سے جو سلح جماعت اطراف ملک میں بھیجی جاتی تھی اس میں کبھی کبھی آپ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے۔ ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے اُن کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی[۱] تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا ان لوگوں میں ایک کمسن نوجوان تھے آنحضرت صلعم اُن کے پاس آئے پوچھا تمھیں کیا یاد ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھکو سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں آپ نے فرمایا تو تمھیں ان سب کے امیر ہو۔ (ترغیب وترہیب جلد اصفحہ ۲۵۹ بروایت ترمذی)

(۲) جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لیے عمال بھیجے جاتے تھے، وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد، اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لیے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے، ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی امیہ	صنعاء یمن	حضرت ام سلمہ (زوجۂ نبوی) کے بھائی تھے۔
زیاد بن لبید	حضرموت	یہ ان صحابہ میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے
خالد بن سعید	صنعاء یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں سب سے پہلے انہی

(۱) اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ فوج اشاعت اسلام کے لیے بھیجی گئی تھی صرف یہ الفاظ ہیں:
بعث بعثا وھم ذوو عدد — یعنی آپ نے ایک بڑی جماعت بھیجی۔
تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعت اسلام تھا، کیونکہ اگر لڑائی مقصود ہوتی تو حفظ قرآن کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ آپ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے)

نام	مقام	کیفیت
		نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔
عدی بن حاتم	قبیلۂ طے (یمن)	مشہور صحابی ہین۔ حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔
علاء بن حضرمی	بحرین	
حضرت ابو موسیٰ اشعری	زبید و عدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہوگئے
		مشہور صاحب علم صحابی ہین۔
حضرت معاذ بن جبل	جند	
جریر بن عبداللہ بجلی	ذوالکلاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہین۔ ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے ایک موقع پر لاکھ آدمیون نے ان کو سجدہ کیا تھا، جریر کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی مین چار ہزار غلام آزاد کئے۔

(۳) (بعض لوگ مخصوص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہین۔

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علی بن ابی طالب	قبیلۂ ہمدان و جذیمۂ مذحج	خالد بن ولید	اطراف مکہ
مغیرہ بن شعبہ	نجران	عمرو بن العاص	عمّان

سلہ اضافہ تا ذکر اسلام ابناسے یمن۔

نام	مقام	نام	مقام
وبر بن یحنس	ابناے فارس	مہاجر بن ابی امیہ	بطرف حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن
محیصہ بن مسعود	فدک		

(۴) رؤساے قبائل بارگاہ نبوت میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے، اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے، ان اشخاص کے نام یہ ہیں۔

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلۂ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ہمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد	

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے دعاۃ اطراف مکہ میں بھیجے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ [illegible]

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ اَفْوَاجًا ، فوج در فوج خدا کے مذہب مین داخل ہو رہے ہین۔

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج مین اعلان براءۃ ہوا۔ اِس واقعہ کے بعد بلا استثناء حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کرلیا[1]۔

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس مین صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان اِدھر اُدھر نظر آتے تھے لیکن ان دیوارون کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس مین ۹ھ تا ۱۱ھ مین اسلام کا اثر ایک طرف یمن۔ بحرین۔ یمامہ۔ عمان۔ اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہوگیا، یہ عرب کے وہ صوبے ہین جہان اسلام سے پہلے عربون کی بڑی بڑی حکومتین قایم تھین اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتون کے زیر سایہ تھین۔ تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح اور امن کے سایہ مین اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائین خود بخود آنے لگین۔)

یمن (ملک عرب کے تمام صوبون مین یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے، اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتین یہین قایم ہوئی تھین، ولادت نبوی سے تقریبًا پچاس برس پہلے ۵۲۵ء مین حبشی عیسائیون نے یمن پر قبضہ کرلیا تھا۔ ولادت نبوی کے چند سال بعد اہل ایران یہان کے مالک بنگئے تھے۔ ان کی طرف سے یہان ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔

یمن مین اسلام کی تحریک کے لیے متعدد عوائق موجود تھے۔ مثلًا اختلاف جنسیت کہ یمن

---

[1] طبری واقعات ۹ھ ،

قحطانی تھے، داعی اسلام اسماعیلی، اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیشروی کو تسلیم کرتا تھا، اور تمام عرب یمن و ہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک یمن جہاں کوئی باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی چنانچہ جب یمن سے قبیلۂ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرت صلعم کو ایک عرب فرمان روا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا" ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔ نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں[1]"

یمن میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا تھا کہ وہ پولیٹکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھا اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے۔ لیکن قبول حق کے لیے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی،

یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی، یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیل بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لیے مکہ آیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کیا[2]، سنہ ۷ھ میں آنحضرت صلعم خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ مسلمان ہو کر دار الاسلام میں منتقل ہو گیا یمن کا ایک اور مشہور قبیلہ اشعر تھا، وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اسی زمانہ میں بلا تحریک خود بخود اسلام لایا۔ اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوا ابوہریرہ دوسی اور ابو موسیٰ اشعری انہیں قبائل کے

[1] (ابن حنبل۔ حدیث اشعث بن قیس و زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۰ مصر [2] ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل)

ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے تھے ،)

یمن مین ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت صلعم نے (سنہ ۸ھ کے آخر مین) اُن کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضرت خالد کو بھیجا۔ خالد چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگون نے قبول نہین کیا۔ بالآخر آنحضرت صلعم نے خالد کو بلا لیا اور حضرت علی کو بھیجا۔ حضرت علی نے ان لوگون کو جمع کرکے رسول اللہ صلعم کا نامۂ مبارک پڑھکر سنایا، اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔ حضرت علیؓ نے جب اِس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت مین دی تو آنحضرت صلعم نے سجدہ کیا اور سر اٹھاکر دو دفعہ فرمایا السّلام علی ھمدانؔ،

(بعض روایتون مین ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس کے قبول کے لیے تیار ہین۔ اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمھارے ساتھ ہین۔ عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اُس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا، اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دونون واقعے ہون۔ اور دونون کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

[1] زرقانی بسند صحیح از بیہقی (اصل واقعہ بخاری جزء غزوات مین موجود ہے۔ لیکن ہمدان کی اس مین تخصیص نہین اور نہ انکے اسلام کا اس مین ذکر ہے) اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتین ہین لیکن وہ صحیح نہین چنانچہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے ان روایتون کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگون نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن یہ راویون کا حسن ظن ہے واقعہ نہین (ایک روایت مین ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کرین اور اُن پر غارت گری کیا کرین۔ لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف مین تھے۔ یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلون کو دیا جاسکتا تھا۔)

یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے، ربیع الاول ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت صلعم نے پھر ان کو یمن کے قبیلۂ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لیے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گذاری وصول کرنے کے لیے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا، اسی اثنا میں قبیلۂ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی، حضرت علیؓ نے انکے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھکر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصود صرف مدافعت تھا، اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابۃً اسلام کا اعلان[1] کیا۔)

یمن میں فارس کے جو روسا قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ان کو ابناء کہتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے ۱۰ھ میں وبر بن یحنس کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھرانے کے بیٹوں کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی، مرکبود۔ وہب بن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کیا صنعا میں سب سے پہلے جنھوں نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطا اور وہب بن منبہ[2] تھے۔

(عام یمن میں تبلیغ اسلام کے لیے آنحضرت صلعم نے معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو نامزد

---

[1] حضرت علیؓ کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہے۔

[2] طبری صفحہ ۱۷۶۳ - (سے اضافہ تابحرین۔)

فرمایا، دونون صاحب یمن کے ایک ایک ضلع مین بھیجے گئے چلتے وقت آپ نے ان لوگون کو جو باتین تعلیم فرمائین وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہین۔ آپ نے فرمایا "سہولت سے کام کرنا۔ سخت گیری نہ کرنا" لوگون کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا۔ دونون ملکر کام کرنا تم کو ایسے لوگ ملین گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہین جب ان کے ہان پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ اس کو تسلیم کرلین تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز وشب مین پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے جب یہ بھی مان لین تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم مین جو امیر ہون انسے لیکر جو غریب ہین ان کو دیدیجائے گی، دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کرلین تو چن چن کر اچھی اچھی چیزین نہ لے لینا مظلومون کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہین" حضرت ابو موسیٰ نے پوچھا یا نبی اللہ! ہمارے ملک یمن مین جَو اور شہد کی شراب بنتی ہے کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ نے فرمایا ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے[1]")

نجران (یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب مین عیسائیت کا خاص مرکز تھا، آنحضرت صلعم نے مغیرہ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ سنہ ۶ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ دعوتِ اسلام کے لیے نجران بھیجا، عیسائیون نے قرآن پر اعتراضات شروع کیے، یہ جواب نہ دیسکے اور واپس چلے آئے[2]، اُسکے بعد آنحضرت صلعم نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط بھیجا جس مین تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو۔ اور جزیہ دو[3]۔ اہل نجران نے راہبون اور مذہبی پیشواؤن کی ایک جماعت کو دریافت

---

[1] یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات مین مذکور ہے۔ ہم نے بخاری کی مختلف روائتون کو یکجا کر لیا ہے [2] ترمذی تفسیر سورۂ مریم۔ [3] زرقانی بحوالہ بیہقی۔)

حال کے لیے مدینہ بھیجا۔ اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا،

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لیے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا ربیع الآخر سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلعم نے خالد بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لیے بھیجا حضرت خالد وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا حضرت خالد نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی[1]، ۱

یمن کے لیے دعائے خیر

اہل یمن کا بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے خلوص دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا، جو خاص رحمت الٰہی کا مستوجب نہو، جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ "کل اہل یمن آتے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں[2]" جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور ان کو غائبانہ سلامتی کی دعا دی[3] "حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا تمیم بشارت قبول کرو! بنو تمیم نے کہا "یا رسول اللہ! ہم نے بشارت تو قبول کر لی کچھ عطا بھی فرمائیے،" آپ نے منھ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھکر کیا چیز ہو سکتی تھی پھر اہل یمن کی طرف رخ کر کے فرمایا، "اے اہل یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی، تم قبول کر لو" اہل یمن بے اختیار بول اٹھے[4] "اے خدا کے رسول ہم نے قبول کیا"

پھر آپ نے عام طور سے فرمایا "ایمان یمن کا ایمان ہے، اور دانائی یمن کی دانائی ہے"

مبلغین یمن یعنی حضرت علیؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ دس دن کے موقع پر یمن سے واپس آئے

(۱؎ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۱ ۲؎ بخاری قدوم الاشعریین و اہل الیمن ۳؎ زرقانی بحوالہ بیہقی ۴؎ بخاری کتاب بدء الخلق و قدوم الاشعریین۔)

اور آنحضرت صلعم کے ساتھ حج ادا کیا، ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج و زیارت کو آئے،،

بحرین مین اسلام

بحرین سنہ ۵ھ | بحرین ایران کی حدود حکومت مین داخل تھا، عرب کے قبائل وادیون مین آباد تھے جن مین مشہور اور با اثر خاندان عبد القیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ ان مین سے عبد القیس کے قبیلہ مین سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے، راہ مین مدینہ پڑتا تھا۔ وہان ٹھہرے آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، انھون نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقرأ سیکھی، آنحضرت صلعم نے اُن کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہین کیا لیکن ان کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی، انھون نے منقذ سے دریافت کیا بحث و مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے۔ اور آنحضرت صلعم کا نامۂ مبارک لوگون کو سنایا۔ سب نے اسلام قبول کر لیا[1]۔

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) مین روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد مین ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی مین واقع ہے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین مین ابتدائی زمانہ مین اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی،

(۱) زرقانی بحوالۂ کرمانی۔ قبیلۂ عبد القیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری مین ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے، بخاری کی روایت سے بھی اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبد القیس اس سفارت سے پہلے ایمان لا چکے تھے اصابہ مین ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیس سفارت کے نام مین اختلاف ہے تاہم اس قدر روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت چھٹی ہجری سے پہلے کی ہے،،

اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگون نے چودہ[14] شخصون کی ایک سفارت آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجی جسکے افسر منذر بن الحارث تھے ان کا قافلہ کاشانۂ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اسقدر بے تاب ہوئے کہ سواریون سے کود پڑے اور آنحضرت صلعم کے ہات چومے لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا، اُنھون نے قیامگاہ پر جاکر کپڑے بدلے، پھر خدمت مین حاضر ہوکر دست بوسی[1] کی،

سنہ ۸ھ مین آنحضرت صلعم نے علاء حضرمی کو تبلیغ اسلام کے لیے بحرین بھیجا، اُس زمانہ مین یہان ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اُس نے اسلام قبول کیا اور اُس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہان مقیم تھے مسلمان ہوگئے[2]

بحرین کے علاقہ مین "ہجر" ایک مقام ہے یہان ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا آنحضرت صلعم نے اُس کے نام بھی خط بھیجا تھا، اور اُس نے بھی اسلام قبول کیا[3]

عمّان مین اسلام

عمان سنہ ۸ھ اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا، اور عبید و جعفر یہان کے رئیس تھے سنہ ۸ھ مین آنحضرت صلعم نے ابو زید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے اور عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا دونون رئیسون نے اسلام قبول کیا اور وہان کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے[4].

حدود شام مین اسلام

عرب شام سنہ ۹ھ شام کے اطراف مین جو عرب آباد تھے اُن مین متعدد ریاستین تھین، ان مین معان اور اُس کے اضلاع فروۃ بن عمرو کے زیر حکومت تھے لیکن وہ قیصر روم کی جانب سے گویا گورنر تھے اُنھون نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہوگئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت مین اظہار اسلام کے ساتھ ایک سفید خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا (ہدیہ بالٰی) رومیون کو اُن کے اسلام کا

(۱) زرقانی بروایت بیہقی بسند جید، (۲) فتوح البلدان (۳) فتوح البلدان (۴) فتوح البلدان ذکر فتح عمان

حال معلوم ہوا تو اُن کو گرفتار کر کے سُولی دیدی اُس وقت یہ شعر اُن کی زبان[1] پر تھا،

بلغ سراة المسلمین باننی (مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔

سلم لربی اعظمی ومقامی کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کی نام پر نثار ہے)

(شام اور عرب کے درمیان عذرہ، بلی، جذام وغیرہ قبائل آباد تھے، قبیلۂ بلی مین حضرت عمرو بن العاص رضی کا ننہال تھا اِس لیے ایک جماعت کے ساتھ اُن اطراف مین بھیجے گئے۔ جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو اُن کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت مین اطلاع کی۔ وہان سے حضرت ابو عبیدہ رضی کی ماتحتی مین بغرض حفاظت کچھ فوج بھیجدی گئی اسی کو اہل سیر کی اصطلاح مین غزوہ ذات السلاسل کہتے ہین)

---

[1] ابن ہشام۔ اسلام فروہ۔ ذکر فروہ۔

وفودِ عرب

(جن لوگون نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کرلینے کے بعد خود بارگاہ نبوت مین جاکر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا، ارباب سیر "وفود" کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہین۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ ابن سعد مین ستتر وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاطی، مغلطائی، زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہین لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے۔ اور ایک سو چار وفود کے حالات بہم پہنچائے ہین۔ اگرچہ ان مین کہین کہین ضعیف روایتون سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہین تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہین زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان مین سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے۔)

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلۂ اخیر کا انتظار کر رہا تھا، مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا۔ اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دار الاسلام مین جاکر کوئی فیصلہ کرے۔ اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ مین سرکشی نہین کر سکتے لیکن خیبر وغیرہ کی نظیرون سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہین ہین۔ بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کرکے ان کی سابق حالت قایم رہ سکتی ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتین آنی شروع ہوگئین اور بجز چند کے باقی جسقدر سفارتین آئین انھون نے بارگاہ نبوت مین پہنچکر دیکھا کہ اگر وہ ایمان کی دولت سے

مالا مال آئے

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد، اور طے تھے، ان تمام قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں، ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جنکا مقصد صرف یہ تھا کہ بہ حیثیت فاتح کے آنحضرت صلعم کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اُس کے حلقہ میں آجائیں۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد سنہ ۸ھ و ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند وفود کا ذکر کرنا بھی موزون ہوگا۔

مزینہ | یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضر تک پہنچکر قریش کے خاندان سے ملجاتا ہے۔ نعمان بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ مین قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے، اسی قبیلہ سے تھے۔ اصفہان انہی نے فتح کیا تھا۔ سنہ ۵ھ مین اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بنکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے، اور اسلام لائے[1]۔ عراقی نے سیرت منظوم مین لکھا ہے۔

اوّل وفد وفد المدینه	سب سے پہلا وفد جو مدینہ مین آیا وہ
سنة خمس وفدوا مزينه	مزینہ کا قبیلہ تھا جو سنہ ۵ھ مین آیا،

بنو تمیم | بنو تمیم کے وفود بڑی شوکت و شان سے آئے، قبیلہ کے تمام بڑے بڑے روسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید سب اِس سفارت مین شامل تھے۔ عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا،

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ، (ترجمہ نعمان بن مقرن وابن سعد جزء وفود صفحہ ۳۸)

یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے، تاہم عربی فخر و غرور کا نشہ ان میں اب تک باقی تھا، دربار نبوت یعنی مسجد نبوی میں پہنچے تو آنحضرت صلعم گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانہ اقدس پر جاکر پکارے کہ محمد (صلعم) باہر آؤ۔ آنحضرت صلعم باہر تشریف لائے، تو بولے کہ محمد (صلعم) ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں، آپ نے اجازت دی عطارد بن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیروان کے دربار سے حسن تقریر کے سلسلہ میں کمخواب کا خلعت[1] حاصل کیا تھا اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پُر زور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا

"خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج و تخت، خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں۔ ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے، ہماری ہمسری کا جسکو دعویٰ ہو وہ یہ فضائل او مفاخر گنائے جو ہم نے گنائے ہیں"

عطارد خطبہ دیکر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلعم نے ثابت بن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا، انھوں نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا۔

اُس خدا کی تعریف جس نے زمین اور آسمان بنائے، اُس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا، جو سب سے زیادہ شریف النسب سب سے زیادہ راست گفتار سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا وہ تمام عالم کا انتخاب تھا اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی۔ اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور انکے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ ہم لوگ انصار الٰہی او وزراے رسالت ہیں

[illegible] میں ہوچکیں تو اشعار کی باری آئی تمیم کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ۔

قصیدہ پڑھا

نحن الکرام فلا حیّ یعادلنا | ہم شرفاے قوم ہیں، کوئی قبیلہ ہمارا ہمسرنہیں ہوسکتا
منّا الملوک وفینا تنصب البیع | ہم ہین تخت نشین ہیں اور ہم کلیساؤن کے بانی ہین۔

روایتون مین آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ مین آکر خطبہ دیا تو اُسکی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنادیا اس وقت آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ان من البیان لسحر یعنی بعض تقریرون مین جادو ہوتا ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کرچکے۔ آنحضرت صلعم نے دربار رسالت کے شاعر یعنی حسّان بن ثابتؓ کی طرف دیکھا۔ انھون نے برجستہ کہا،

ان الذوائب من فهر واخوتهم | شرفائے قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگون کو
قد بیّنوا سُنّۃً للناس یتبعوا | وہ راستہ بنادیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہین۔

ارکان سفارت مین اقرع بن حابس عرب کا مشہور حَکَم تھا یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اُس کے پاس جاتا تھا اور اُس کے فیصلون پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا اُسکو یہ دعوی تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت مین آیا تو آنحضرت صلعم سے کہا[1]

ان حمدی لزین وان | مین جس کی تعریف کردون وہ چمک جاتا ہے
ذمّی لشین، | اور جسکو برا کہدون اسکو داغ لگ جاتا ہے

نظم ونثر کی معرکہ آرائی ہوچکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دونون

[1] اصابہ تذکرہ اقرع بن حابس۔

ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہین، پھر سب نے اسلام قبول کیا۔

بنوسعد | بنوسعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ جس طرح آنحضرت صلعم کے دربار مین آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اُس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزادروی کا اندازہ ہوسکتا ہے صحیح بخاری مین متعدد موقعون پر اس کا ذکر ہے، کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے

حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ ہم لوگ دربار رسالت مین حاضر تھے ایک شخص ناقہ پر سوار آیا، اور صحن مسجد مین آکر ناقہ سے اترا، پھر حاضرین سے پوچھا "محمد (صلعم) کس کا نام ہے؟" لوگون نے آنحضرت صلعم کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہین" پاس آکر کہا "اے عبدالمطلب کے بیٹے!" آپ نے فرمایا "مین جواب دیچکا" بولا کہ "مین تم سے کچھ باتین پوچھونگا، لیکن سختی سے پوچھون گا اُس پر ناراض نہونا!" ارشاد ہوا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو" بولا کہ "اپنے خدا کی قسم کھاکر کہو، کیا تمکو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے" آپ نے فرمایا "ہان" پھر قسم دلاکر پوچھا کہ "کیا تمکو خدا نے پنجوقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟" اسی طرح زکوۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر "ہان" فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سُن لیے تو کہا کہ "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھکو میری قوم نے بھیجا ہے۔ مین جاتا ہون اور جو تمنے بتایا ہے مین اُس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کرون گا نہ کم" وہ جاچکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر یہ سچ کہتا ہے تو اُسنے فلاح پائی"[1]

ضمام نے واپس جاکر اپنی قوم سے کہا کہ "لات و عزّیٰ کوئی چیز نہین" لوگون نے کہا کیا کہتے ہو۔ تمکو جنون یا جذام نہو جائے" انھون نے کہا، خدا کی قسم وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہین نہ ضرر

[1] یہ روایت صحیح بخاری مین مختلف ابواب مین منقول ہے۔

مین توخدا اور محمد صلعم پر ایمان لاتا ہون" اُنکی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہین ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد بچے سب مسلمان تھے[1]۔

اشعریین ۷ھ | یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابوموسےٰ اشعری اسی قبیلہ سے ہین ان لوگون نے جب آنحضرت صلعم کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصون نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا اسی قافلہ مین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے، یہ لوگ جہاز مین سوار ہوکر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش مین پہنچا دیا۔ وہان حضرت جعفر طیار موجود تھے، وہ اپنے ساتھ لیکر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ مین خیبر فتح ہوچکا تھا اور آنحضرت صلعم یہین تشریف فرماتھے چنانچہ یہین لوگون نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے۔ صحیح بخاری مین ہے کہ جب اشعریون کا وفد آیا تو آنحضرت صلعم نے صحابہ سے فرمایا کہ تمھارے ہان یمن کے لوگ آتے ہین جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہین۔

مسند احمد بن حنبل مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے۔

غدا نلقی الاحبۃ	(کل ہم دوستون سے ملین گے یعنی
محمدا و حزبہ	محمدؐ اور پیروان محمدؐ سے،)

(بارگاہِ نبوت مین پہنچے تو عرض کی" یا رسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہین کہ اپنے

[1] ابن ہشام۔

مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں۔ آپ نے فرمایا "سب سے پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس کا تخت پانی پر تھا"[1])

دوس ۷ھ | دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے حضرت ابوہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کے پاس نہ جائیں لیکن اتفاقاً ایک دفعہ حرم میں سے آنحضرت صلعم نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سنکر متاثر ہوئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ آپ مجھکو اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے۔ وطن جاکر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہوجائیں گے اس لئے لوگوں نے تامل کیا طفیل نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی۔ آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا دوس کو ہدایت دے پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ جاکر نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ غرض دعائے نبوی کی برکت اور طفیل کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے ہجرت کرکے مدینہ میں چلے آئے[2]

بنو حرث بن کعب ۱۰ھ | یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا آنحضرت صلعم نے حضرت خالدؓ کو انکے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا یہ لوگ نہایت خلوص سے ساتھ اسلام لائے آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبدالمدان وغیرہ آنحضرت صلعم کی خدمت

[1] صحیح بخاری باب بدء الخلق [2] اصابہ و زاد المعاد و ابن سعد وفود۔

مین حاضر ہوئے۔ چونکہ اکثر معرکون مین قبائل عرب پر غالب رہتے تھے آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمھارے غلبے کے کیا اسباب تھے، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق ہوکر لڑتے تھے، اور کسی پر ظلم نہین کرتے تھے آپ نے قیس کو اُن کا رئیس مقرر کیا۔[1]

قبیلۂ طے سنہ ۹ھ | یمن مین طے نہایت نامور قبیلہ تھا، اس قبیلے کے رؤسا دو تھے زید الخیل، و عدی بن حاتم طائی تھے اور اُن کے حدود حکومت الگ تھے۔

زید۔ زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض بہادر تھے ۹ھ مین یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اُنھون نے مع اپنے ساتھیون کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ زید اسی کی وجہ سے زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے آنحضرت صلعم نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا[2]

عدی بن حاتم سنہ ۹ھ | عدی، مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلۂ طے کے سردار، اور مذہباً عیسائی تھے سلاطین عرب کی طرح انکو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جس زمانہ مین اسلامی فوجین یمن گئین، یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہوکر مدینہ مین آئین۔ آنحضرت صلعم نے ان کو بڑی عزت و حرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گئین، اور کہا کہ جسقدر جلد ہوسکے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو۔ وہ پیغمبر ہون یا بادشاہ ہر حال مین اُن کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے، آنحضرت صلعم مسجد مین تھے۔ عدی نے مسجد مین جاکر سلام کیا آپ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا۔ پھر اُنکو لیکر گھر کی طرف چلے۔ اسی اثنا مین ایک بڑھیا آگئی اُسنے آپ کو روک لیا، اور دیر تک آپ سے

---

[1] اصابہ و زاد المعاد۔ [2] ایضاً۔

کسی کام کے متعلق باتین کرتی رہی، عدی خود رئیس تھے۔ شام مین رومیون کا دربار دیکھا تھا اُن کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہین ہے۔ آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لائے، چمڑے کا ایک گدا تھا، اس کو عدی کی طرف بڑھایا، یہ اصرار کے بعد اُس پر بیٹھے۔ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "کیون عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے، لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) مین جائز نہین ہے[1]،

پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے کہ نہین، پھر پوچھا کہ خدا سے کوئی بڑا ہے؟ بولے کہ نہین، آپ نے فرمایا کہ یہودیون پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے، اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہین"[2]

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردہ کے زمانہ مین بھی اُن پر کچھ اثر نہین پڑا،

باپ کی سخاوت کا اثر ان مین بھی تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپیے طلب کیے، بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو، بخدا ہرگز نہ دون گا[3]،

وفد ثقیف (یاد ہوگا کہ) جب آنحضرت صلعم طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق مین بد دعا فرمائین، آپ نے جن لفظون مین دعا فرمائی تھی یہ تھی

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم — اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور انکو میرے پاس بھیج،

یہ دعا کرشمہ ربانی کا ایک اعجاز تھی، وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہوا، صداقت کے جلال نے آستانۂ اسلام پر اس کی گردن جھکا دی۔

---

[1] ابن ہشام اسلام عدی بن حاتم [2] مسند امام احمد حدیث عدی و ترمذی تفسیر فاتحہ [3] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عدی۔

طائف دو رئیسون کے قبضہ مین تھا جن مین ایک عروۃ بن مسعود تھے جنکی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی اترتا تو ان پر اترتا۔ عروۃ اگرچہ اب تک اسلام نہین لائے تھے، لیکن مادۂ قابل رکھتے تھے، حُدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت صلعم جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے اِن کو اسلام کی توفیق دی، آنحضرت صلعم مدینہ نہین پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے اور اسلام لاکر واپس گئے۔ واپس جاکر اُنھون نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگون کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگون نے اُن کو بہت برا بھلا کہا، صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیرون کا مینھ برسا، یہانتک کہ وہ شہید ہوگئے، مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف مین جو مسلمان شہید ہوچکے ہین اُنھی کے پہلو مین دفن کیے جائین۔

(عروہ کا خون رائگان نہین جاسکتا تھا) صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سنکر کہ آنحضرت صلعم طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہین، کچھ سوار لیکر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اُس وقت پہنچا جب آپ طایف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طایف آنحضرت صلعم کی اطاعت قبول نہ کرلین گے، مین قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑونگا۔ آخر اہلِ طایف نے اطاعت قبول کرلی، صخر نے خدمتِ نبوی مین اطلاع کی تو آپ نے مسجد نبوی مین تمام لوگون کو جمع کیا، اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی[1] چند روز کے بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لاچکا، اب ہم اکیلے کیا کرسکتے ہین۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجے جائین۔

---

[1] (ابوداؤد باب اقطاع الارضین)

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت صلعم کو جا کر خبر کریں، راہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے، ان کو معلوم ہوا تو مغیرہ کو قسم دلائی کہ یہ خوشخبری پہلے مجھ کو پہنچانے دو۔

مغیرہ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا لیکن یہ لوگ اپنی قدیم دستور کے موافق آداب بجا لائے۔

عبد یالیل، طائف کا مشہور رئیس، امیر الوفد تھا، آنحضرت صلعم [illegible] اس لئے اس وقت تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی میں اتارا (کہ مسلمانوں کی عبادت و استغراق کو دیکھ کر اثر ہو) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمے نصب کرا کر ٹھہرائے گئے نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے لیکن خود شریک نہیں ہوتے تھے، آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ خطبہ میں اپنا نام بھی لیتے تھے، ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار کراتے ہیں لیکن خطبوں میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت صلعم نے سنا تو فرمایا کہ میں [illegible] شہادت دیتا ہوں [illegible]

[illegible] عثمان بن ابی العاص [illegible] تو ان کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

سلہ ابو داؤد باب ما جاء فی خبر الطائف

آنحضرت صلعم ہمیشہ ان لوگون کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نماز عشا کے بعد ان کے پاس تشریف لیجاتے اور کھڑے کھڑے اُن سے باتین کرتے، زیادہ تر مکہ مین قریش کے ہاتھ سے جو اذیتین اُٹھائی تھین اُنکو بیان فرماتے۔ مدینہ مین آکر جو لڑائیان پیش آئین اُنکا بھی تذکرہ فرماتے۔[۱]) بالآخر اُن لوگون نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطین پیش کین۔

۱ زنا ہمارے لیے جائز رکھی جائے۔ کیونکہ ہم مین سے اکثر مجرّد رہتے ہین۔ اور اس لیے اُنکو اس سے چارہ نہین۔

۲- ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعۂ معاش سود ہی، اس لیے سود خواری جائز رکھی جاے

۳- شراب سے نہ روکا جائے۔ ہمارے شہر مین کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے، اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینون درخواستین نامنظور ہوئین۔ بالآخر ان لوگون نے کہا اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہین، لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت جسکا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا، یہ سنکر اُن کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص اُن کے خدائے اعظم کو ہات بھی لگا سکتا ہے! بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دیگا۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو، منات صرف ایک پتھر ہے۔ ان لوگون نے کہا عمر! ہم تمہارے پاس نہین آئے۔ یہ کہکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کی کہ ہم منات کو ہات نہین لگا سکتے۔ آپ جو چاہین کرین لیکن ہمکو اس

---

[۱] (ابو داؤد، باب تحزیب القرآن)

جرأت سے معاف رکھا جائے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی۔[1]

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ، اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی، نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے! لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے، اور جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر واجب نہیں اور واجب بھی ہو تو اسکے خاص مواقع ہیں روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کرلیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائیگی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لاچکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔[2] (چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جسنے اسلام نہ قبول کرلیا ہو[3])

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت صلعم نے ابوسفیانؓ اور مغیرۃ بن شعبۃ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جاکر توڑ آئیں مغیرۃ نے طائف پہنچکر بتکدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔[4]

الا ابکین دفاع	(لوگوں پر رو، کہ بت پرستوں
اسلمها الرضاع	نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے
لم یحسنو المصاع	سپرد کردیا۔ اور ٹھیک طور سے لڑ نہ سکے)

---

[1] زادالمعاد بحوالہ مغازی موسیٰ بن عقبہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی خبر الطائف، [3] اصابہ ترجمہ جبیر بن حیہ ثقفی [4] تاریخ طبری۔

(عربون مین کثیر الازواجی کی عام عادت تھی، قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی دس بیویان تھین جب وہ مسلمان ہوا احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویون سے اُسکو مفارقت کرنی پڑی[1]۔)

وفد نجران ۹ھ

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہی۔ جہان عیسائی عرب آباد تھے یہان عیسائیون کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا۔ جسکو وہ کعبہ کہتے تھے، اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اس مین بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے جنکا لقب سید اور عاقب تھا عرب مین عیسائیون کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا، اعشیٰ اسی کی شان مین کہتا ہے۔

وکعبۃ نجران حتم علیک ۔۔۔ حتی تناخی بابوابہا

نزور یزید او عبدالمسیح ۔۔۔ وقیسا ہم خیر اربابہا

یہ کعبہ تین سو کھالون سے گنبد کی شکل مین بنایا گیا تھا۔ جو شخص اُسکے حدود مین آجاتا تھا وہ مامون ہوجاتا تھا۔ اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی[2]۔

آنحضرت صلعم نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اُس کعبہ کے محافظ اور ائمۂ مذہب ساٹھ آدمیون کے ساتھ مدینہ مین آئے۔ آنحضرت صلعم نے انکو مسجد مین اتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگون نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا لیکن آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگون نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز ادا کی۔ ابوحارثہ جو لارڈ بشپ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا۔ قیصر روم نے اسکو یہ منصب عطا کیا تھا اور اُس کے لیے گرجے

---

[1] (جامع ترمذی و ابو داؤد کتاب النکاح) [2] یہ تمام تفصیل معجم البلدان مین ہی پہلا فقرہ فتح الباری سے ماخوذ ہی جہان وفد نجران کا ذکر ہے۔

اور مشیع بنیو اسد سنہ ۹ ھ [1]

ان لوگون نے آنحضرت صلعم سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپ نے وحی کی روسے ان کا جواب دیا۔

ان کے زمانۂ قیام مین سورۂ آل عمران کی ابتدا کی اسّی آیتین اترین۔ ان آیتون مین اُنکے سوالات کا جواب تھا جس آیت مین دعوتِ اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ‎(آل عمران)

کہدے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم تم دونون مین مشترک ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرین اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنائین اور ہم مین کوئی کسیکو خدا کے سوا رب نہ قرار دے پھر اگر یہ لوگ نہ مانین تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہین۔

آنحضرت صلعم نے جب انکو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگون نے کہا ہم تو پہلے سے مسلمان ہین، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو، بیٹے کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکر مسلمان ہوسکتے ہو؟ جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلعم نے وحی کے مطابق ان سے کہا کہ اچھا مباہلہ کرو، یعنی ہم تم دونون اپنے اہل وعیال کو لیکر آئین اور دعا کرین کہ جو شخص جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو،

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ — تو جو شخص تجھسے علم آنے کے بعد جھگڑا کرتا ہے اُس سے

---

[1] زاد المعاد ابن قیم۔

مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝ (آل عمران)

کہدے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتون کو اور خود اپنے آپ کو بلائین، پھر مباہلہ کرین اور خدا سے دعا کرین کہ ہم مین سے جو جھوٹا ہو، اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت صلعم حضرت فاطمۂ زہراؓ اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لیے نکلے، تو خود اُنکی جماعت مین سے ایک شخص نے راے دی کہ مباہلہ نہین کرنا چاہیے، اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائین گے، غرض ان لوگون نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

| بنو اسد، ۹ھ | یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیون مین قریش کا دست و بازو تھا، طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی قبیلہ سے تھا۔ سنہ ۹ھ مین یہ لوگ بھی اسلام لائے، اور سفارت بھیجی لیکن اب تک اُن کے دماغ مین فخر کا نشہ باقی تھا، سفراء دربارِ رسالت مین آئے تو احسان کے لہجہ مین کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہین بھیجی بلکہ ہمنے خود اسلام قبول کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ (سورۂ حجرات)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہین کہ ہم اسلام لائے، کہدو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو۔ بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تمکو ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

بنو فزارہ سنہ ۹ھ | یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا، عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے، اس قبیلہ نے رمضان سنہ ۹ھ مین جب آنحضرت صلعم تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا، اور اسلام قبول کیا۔[1]

کندہ سنہ ۱۰ھ | یہ حضر موت (یمن) کے اضلاع مین سے ایک شہر تھا، یہان کندی خاندان کی سلطنت تھی۔ اس زمانہ مین اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے، یہ سنہ ۱۰ھ مین اسی سوارون کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے، حیرۃ کی چادرین جنکے سنجاف حریر کے تھے کاندھون پر ڈالے بارگاہ نبوی مین حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت صلعم نے انکو دیکھکر فرمایا "کیا تم اسلام نہین لا چکے ہو؟" بولے "ہان" آپ نے فرمایا کہ "پھر یہ حریر کیسا؟" ان لوگون نے فوراً چادرین پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دین۔[2]

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اپنی بہن (ام فروہ) سے انکی شادی کر دی تھی۔ نکاح ہو چکا تو فوراً اُٹھکر اونٹون کے بازار مین پہنچے، اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے اُسکی کوچین اُڑا دین، تھوڑی دیر مین بیسون اونٹ زمین پر پڑے تھے۔ لوگون کو حیرت ہوئی، انہون نے کہا، مین اپنی دار الریاست مین ہوتا تو اور ہی سر و سامان ہوتا۔ یہ کہکر اونٹون کے دام دے دیئے۔ اور لوگون سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے۔[3]

یہ جنگ قادسیہ و یرموک مین شریک تھے، اور صفین مین حضرت علیؓ کے ساتھ تھے،

عبد القیس | یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، بحرین کا باشندہ تھا۔ یہان اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی سنہ ۸ھ مین یا اس سے آگے پیچھے زمانہ مین خدمت نبوی مین حاضر ہوئے

---

[1] زرقانی [2] ابن ہشام وفد کندہ [3] اصابہ۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہین فرمایا "مرحبا لاخزایا ولا ندامی"، پھر ان لوگون نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارا ملک بہت دُور ہے (بحرین) اور بیچ مین کفار مضر کی آبادیان ہین، ہم اشہرِ حرم کے سوا اور مہینون مین نہین آسکتے چند ایسی باتین تلقین فرمائیے، جنپر ہمیشہ عمل کرین، اور اپنے اہل وطن کو بھی انکی تعلیم دین۔ ارشاد ہوا کہ مین تمکو چار باتون کا حکم دیتا ہون۔ خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور خمس دو، اور چار چیزون سے منع کرتا ہون، دُبّا، حنتم، نقیر، مزفّت،

دُبّا، حنتم، نقیر، مزفّت، یہ عرب مین چار قسم کے برتن ہوتے تھے، جنمین رکھکر شراب بنائی جاتی تھی۔ آنحضرت صلعم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ مین جو مخصوص عیوب ہوتے تھے، اُن کے پند و موعظت مین انھین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگون کو تعجب تھا کہ حضور نے ان ظروف کا کیون مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انہون نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟" ارشاد فرمایا "ہان کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کے تم اس مین پانی ڈالتے ہو، جب اُبال کم ہوجاتا ہے تو اُس کو پی کر اپنے بھائیون پر تلوار چلاتے ہو"، اتفاق یہ کہ وفد مین ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گذرا تھا۔ انکی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا۔ اور اُسکو وہ شرم سے چھپائے[1] تھے۔

بعض روایتون مین ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا[2] تھا کہ یا رسول اللہ! ہمکو کیا پینا چاہیے؟ اسکے جواب مین آپ نے ان چارون چیزون کا ذکر فرمایا[3]۔

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایمان۔ [2] صحیح مسلم باب الایمان [3] بخاری مسلم اور دیگر کتب صحاح مین (دیکھیے حاشیہ صفحۂ آیندہ)

بنو عامر بن صعصعہ
سنہ ۹ھ

(بنو عامر[۱] کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا، بنو عامر مین اُسوقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل اربد بن قیس، اور جبّار بن سلمےٰ، عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہان تھے، یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنون کا باعث ہو چکا تھا، اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا۔ جبار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچکر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبار اور مشہور صحابی کعب بن مالک مین پہلے کے مراسم تھے، اس لیے وہ تیرہ آدمیون کے ساتھ انھین کے گھر مہمان اترے اور اسی تقریب سے کعب انکو لیکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلۂ کلام مین آنحضرت صلعم سے خطاب کرکے کہا "انت سیّدنا" حضور ہمارے آقا ہین۔ آپ نے فرمایا "السیّد اللہ" آقا خدا ہے، انھون نے پھر عرض کی حضور ہم مین سب سے افضل اور سب سے بڑھکر فیاض ہین۔ ارشاد ہوا، بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو بہکا نہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے[۲]۔

عامر بن طفیل نے کہا، محمدؐ! تین باتین ہین، اہل بادیہ پر تم حکومت کرو، اور شہر میرے قبضہ مین ہون۔ اگر یہ نہین تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو مین غطفان کو لے کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) بنو عبدالقیس کے اسی وفد کا ذکر ہے، ابن مندہ ودولابی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس مین ۴۰ آدمی شریک تھے، اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیے ہین، پہلا غالباً سنہ ۵ھ مین اور دوسرا سنہ ۱۰ھ مین، حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی مین بعینہ یہی تحقیق کی ہے لیکن کتاب الایمان کی شرح مین دونون روایتون کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ [۱] اضافہ (سنہ ۱۲ھ)۔ [۲] مشکوٰۃ باب المفاخرت بحوالہ ابوداؤد۔

چڑھ آؤنگا"۔ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ مین ادھر محمدؐ کو باتون مین لگاؤن گا، اُدھر تم ان کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے جو دیکھا تو اربد مین جنبش تک نہ تھی، نبوت کے غیر مرئی جاہ وجلال نے اُسکی آنکھین خیرہ کر دی تھین، دونون اٹھکر چلے آئے، آنحضرت صلعم نے فرمایا "خدایا ان کے شر سے بچانا" عامر کو طاعون ہوگیا۔ عرب مین صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی، عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اُسی پر اُسنے دم توڑا[1]

جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالامال ہوکر دارالاسلام سے واپس آئے[1]

حمیر وغیرہ کی سفارت حمیر مین مستقل سلطنت نہین رہی تھی، سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کولی تھین۔ اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے، عربی مین انکا لقب قیل تھا۔ یہ لوگ خود نہین آئے، لیکن قاصد بھیجے کہ ہمنے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ مین بہرا، نبو بکار، وغیرہ کی سفارتین بھی آئین۔

---

[1] یہ تمام واقعات ابن اسحاق و زرقانی سے ماخوذ ہین۔ عامر کی تقریر اور اسکی موت کا واقعہ صحیح بخاری مین مذکور ہے۔

تاسیسِ حکومتِ الٰہی

استخلاف فی الارض

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

تیرہ و تار راتوں کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، گھنگھور گھٹائیں جب پھٹ جاتی ہیں تو خورشیدِ تابان ضیاگستری کرتا ہے، دنیا گنہگاریوں اور ظلم و ستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعۃً صبح سعادت نے ظہور کیا، اور حق و صداقت کا آفتاب پرتوفگن ہوا عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا۔ اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔

خداے پاک نے وعدہ فرمایا تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	خدا نے تم میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہی
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	کہ انکو بے شبہہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کریگا
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ	جسطرح کہ گذشتہ امتوں کو اُسنے اپنی خلافت عطا کی تھی،
لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	اور اُنکے اس مذہب کو جسکو اسنے انکے لیے پسند کیا ہی یقیناً
مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ	قوت بخشے گا اور انکی بے امنی کو امن سے بدل دیگا کہ مجکو
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (نور)	پوجیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔

حکومت الٰہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں لیکن جب دعوتِ الٰہی سیاستِ ملکی کی دیواروں سے آکر ٹکراتی ہے، یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی و انتشار

حال کے کانٹون مین الجھ جاتا ہے تو پیغمبر، ابراہیمؑ[1] اور موسیٰؑ کے قالب مین آگے بڑھتا ہے اور قوم و ملک کو نمارده و فراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے پیغمبرون مین عیسیٰؑ اور یحییٰؑ بھی گزرے ہین جنکو حکومت کا کوئی حصہ نہین ملا تھا، اور موسیٰؑ اور داؤد و سلیمانؑ بھی، جو قومون اور ملکون کی قسمت کے مالک تھے لیکن محمدؐ رسول اللہ عیسیٰؑ و یحییٰؑ بھی تھے، اور موسیٰؑ و داؤدؑ بھی، عرب کے خزانے دست تصرف مین تھے لیکن کاشانۂ نبوت مین نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذاے لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا، نہ جیب و آستین مین درہم و دینار، عین اسوقت جب اُس پر **کسریٰ و قیصر** کا دھوکا ہوتا تھا، وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا،

اسلام کی حکومت کی غرض و غایت جسکو خدا نے خود اپنے الفاظ مین ظاہر فرمایا ہی یہ تھی،

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا	مسلمان جن سے (بلاسبب) جنگ کیجاتی ہی، اب انکو بھی
وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ٥	جنگ کی اجازت دیگئی کہ وہ مظلوم ہین، اور خدا انکی مدد پر
اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ	قادر ہی، وہ جو ناحق اپنے گھرون سے نکال دیئے گئے، سوا اس کے
حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَ	انکا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار
لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ	ہی ہمارا خدا ہی۔ اگر دنیا مین ایک قوم کو دوسری قوم سے
لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ	بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہین، کلیسے، عبادت گاہین
وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا	مسجدین جنمین اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، برباد کردی جائین۔

---

[1] حضرت ابراہیم اپنے قبیلہ کے شیخ تھے، چارسو غلامونکی فوج ساتھ رہتی تھی، شام و اطراف بابل کے کئی بادشاہون سے انکو لڑنا پڑا اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ انکی اولاد کو ارض مقدس کی حکومت عطا کریگا۔ (توراة۔ سفر تکوین)

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

(سورۃ الحج)

جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اسکی مدد کرتا ہے۔ خدا طاقتور اور غالب ہے۔ (مسلمان وہ ہین) جنکو اگر خدا زمین مین قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کرین۔ مستحقین کی مالی اعانت کرین (زکوۃ) لوگون کو نیکیون کی تاکید کرین برائیون سے روکین۔ انجام کار خدا ہی کے ہاتھ مین ہے۔

ان آیتون مین بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام مین غزوات کی ابتدا کیون، اور کیونکر ہوئی؟ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے، اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہین؟ اور دنیا کی عام حکومتون سے وہ کن امور مین ممتاز ہے؟ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصون مین آئیگا۔ یہان عرب کے نظم و نسق کے متعلق عام اور جزئی باتین بیان کرنی منظور ہین۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب مین امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے ملک کے ہر گوشہ مین دعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہین۔ قبائل دور دراز صوبون سے بارگاہ نبوت کا رخ کر رہے ہین، فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا، جو رمضان سنہ ۸ھ کا واقعہ ہے۔ اسی کے بعد آنحضرت صلعم نے قبائل مین عاملین زکوۃ کا تقرر فرمایا لیکن اصل خلافت الٰہی کے تمام اجزا اواخر سنہ ۱۰ھ مین زمانہ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پائے۔

یورپ کی ناآشنا نگاہ مین اگرچہ آپ کی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز منظر تھا لیکن آشنایان حقیقت کو شہنشاہ عرب پیوند لگے کپڑون مین، مدینہ کی گلیون

کے اندر غلامون اور مسکینون کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج و تخت سے بے نیاز، قصر و ایوان سے مستغنی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال و زر سے خالی، خدم و حشم کے بغیر دلون پر حکومت کر رہا تھا، نہ اُسکی حکومت مین پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد ارباب مناصب نہ وزراے مشورہ، نہ امراے سیاست، نہ الگ الگ حکام و قضاۃ، وہ ایک ہی ذات تھی، جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی، لیکن با این ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانون سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ مستحق نہین سمجھتا تھا[1]، اُس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہ جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر تھے[2]،

آنحضرت صلعم کی بعثت کا اصل مقصد دعوتِ مذہب، اصلاحِ اخلاق، اور تزکیہ نفوس تھا، اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے، اس بنا پر انتظامات ملکی آپ نے اُسی حد تک قائم کیے جہان تک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے، تاہم یہ کام بھی کچھ کم اہم نہ تھا۔)

انتظام ملکی | (عمر شریف اسوقت ساٹھ برس کی تھی، اس عمر مین اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے، ولاۃ، اور عمال کا تقرر، موذنین اور ائمہ کا تعین، محصلین زکوۃ و جزیہ کی نامزدگی، غیر قومون سے مصالحت، مسلمان قبائل مین جائدادون کی تقسیم، فوجون کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیون کا انسداد، وفود کے لیے تعین وظائف، اجراے فرامین۔ نومسلمون کے انتظامات، مسائل شرعیہ مین افتا، جرائم کے لیے اجراے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوۃ القاعد [2] صحیح بخاری کتاب الحدود۔

انتظامات، عہدہ داروں کی خبرگیری اور احتساب، دُور کے صوبوں مین متعدد صحابہ گورنر اور والی بنا کر بھیجدیئے گئے تھے لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے۔

خلافت الٰہی کے اِن فرائض واعمال نے آپ کے دل و دماغ پر جو بار عظیم ڈالا، اُسنے آپ کے نظام جسمانی کو چور چور کر دیا، عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی مین تہجد کی نماز بیٹھکر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا اقتضا تھا لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا اسکا جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے سننا چاہیے، جن سے بڑھکر آپ کے اعمال زندگی کا کوئی ۱
ترجمان نہین ہو سکتا۔

عن عبد اللہ بن شقیق قال سألت	عبداللہ بن شقیق کہتے ہین کہ مین نے حضرت عائشہ سے پوچھا
عائشۃ افکان یصلی قاعدًا قالت	کہ کیا آنحضرت صلعم بیٹھکر نماز پڑھتے تھے؟ انہون نے کہا ہان
حین حطمہ الناس[1])	لیکن اس وقت جب لوگون نے آپکو چور چور کر دیا تھا)

امیر العسکری (چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہ ہوتے تھے لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے انکی قیادت خود آپ بنفس نفیس فرماتے تھے، چنانچہ بدر، اُحد، خیبر، فتح مکہ تبوک، مین خود آپ ہی امیر العسکر تھے، اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا، اور آخری فتح وظفر حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا، چنانچہ آپ نے مجاہدین اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیون پر گرفت فرمائی ہے۔ وہ احادیث مین بتصریح مذکور ہین۔ اور اسلام کا قانون جنگ اسی دار و گیر کے ذریعہ سے وجود مین آیا ہے)

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلاۃ۔

افتا (آپ کے عہد مبارک مین اگرچہ متعدد صحابہ بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے، فتویٰ دینے کے لیے آپ نے کوئی خاص وقت مقرر نہین فرمایا تھا، بلکہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے، آپ ان کا جواب دیتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے کتاب العلم مین، ان فتاوی کو اس قسم کے متعدد ابواب مین تقسیم کر دیا ہے، خلافت کا یہی فرض تھا جسکو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل صیغہ قائم کر دیا۔)

فصل قضایا (اگرچہ آپ کے عہد مبارک مین عہدۂ قضاوت قائم ہوچکا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اُس کے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے، اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

باب ماذکران النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لہ بوّاب، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دربان نہ تھا۔

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ اطمینان و سکون کے ساتھ نہین بیٹھ سکتے تھے، عورتون کے معاملات عموماً زنانخانہ ہی مین پیش ہوتے تھے، احادیث کی کتابون مین آپ کے فیصلون کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر انکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، عموماً احادیث کی کتاب البیوع مین دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ مین فوجداری کے مقدمات مذکور ہین۔)

توقیعات و فرامین (یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک مین اگرچہ اور صیغون کا کوئی مستقل دفتر نہین

قائم ہوا تھا، تاہم توقیعات و فرامین کے لیے اسکی ابتدائی شکل قائم ہوچکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابتؓ، اور آخر مین معاویہ بھی مامور ہوئے، ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے، آپ نے سلاطین و ملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قومون کے ساتھ جو معاہدے کئے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کیے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہؓ کو جو جاگیرین لکھوائین، وہ سب اسی سلسلہ مین داخل ہین، زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام و فرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے،)

مہمانداری (منصب نبوت کے بعد آپ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہوگئی تھی اس لیے آپ کی خدمت مین جو لوگ حاضر ہوتے تھے انکا تعلق بھی خلافت الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور آپ اسی حیثیت سے ان کی مہمانداری فرماتے تھے، مہمانون کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیے آتی تھی جنکی مہمانداری کے لیے آپ نے ابتداء نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو مامور فرما دیا تھا، چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا اور آپ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض لیکر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے جب آپکے پاس کہین سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعہ سے وہ قرض ادا کیا جاتا، یہان تک کہ اگر کوئی شخص آپ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ مین صرف کیا جاتا[1]، کبھی کبھی اس غرض کے لیے آپ تمام صحابہ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے، اور جو رقم وصول ہوتی وہ ان مفلوک الحال مہاجرین

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

کی اعانت مین صرف ہوتی، چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا برہنہ تن جماعت آپ کی خدمت مین حاضر ہوئی، ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے مین ایک تلوار حمائل تھی، آپ نے اُن کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا، فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ مین تمام صحابہؓ کو ان لوگون کی اعانت کی ترغیب دی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری اُٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ اُن سے بمشکل اُٹھ سکتا تھا، لاکر آپ کے آگے ڈال دیا، اِس سے تمام لوگون مین اور بھی جوش پیدا ہوا۔ تھوڑی دیر مین اِن بے سروسامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا۔[1]

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے، آپ بہ نفس نفیس انکی خاطر مدارات کرتے تھے، اور ان کے لیے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے، قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا، آپ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے، کہ وفات کے وقت آپ نے جو آخری وصیتین فرمائی تھین، ان مین ایک یہ بھی تھا،

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اُجیزھم[2] جسطرح مین وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسیطرح دیا کرنا۔

(وفود کے حالات آگے آتے ہین،)

عیادت مرضیٰ (مریضون کی عیادت اور انکی تجہیز و تکفین مین شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اسکی ابتدا بھی ہوئی، چنانچہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دم نزع، میت کے اعزہ آپ کو اطلاع دیتے، آپ اُن کے پاس آکر اُن کے

[1] مسند امام احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۵۸ - [2] صحیح بخاری جلد اول باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔

لیے دعاے مغفرت کرتے، لیکن بعض حیثیتون سے اسکا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہوگیا تھا، کیونکہ بعض صحابہ اس حالت مین اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے، اور آنحضرت صلعم اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے، جن لوگون پر قرض آتا تھا، آپ اُن کے جنازہ مین شریک نہین ہوتے تھے، اس لیے اُن کے ورثہ یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا، اور اس طرح بعض معاملات ونزاعات کا فیصلہ ہوجاتا تھا، چنانچہ احادیث مین اس قسم کی متعدد مثالین موجود ہین۔)

احتساب (تمدن اسلام کے دور ترقی مین محکمۂ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق وعادات، بیع وشرا، اور معاملات داد وستد کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین یہ محکمہ قائم نہین ہوا تھا، بلکہ خود ہی آپ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کے جزئیات اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپ وقتاً فوقتاً دار وگیر فرماتے رہتے تھے، تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے، عرب مین تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی، اور مدینہ مین آنے کے ساتھ ہی آپ نے ان اصلاحات کو جاری کردیا، لیکن تمام لوگون سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغۂ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگون سے ان پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہین آتے تھے انکو سزائین دلاتے تھے، صحیح بخاری کتاب البیوع مین ہے،

لقد رأیت الناس فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یبتاعون جزافا یعنی الطعام	حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ مین نے آنحضرت صلعم کے عہد مین دیکھا کہ جو لوگ تخمینا غلہ خریدتے تھے

سلہ مسند جلد ۳ صفحہ ۶۶۔

یضربون ان یبیعوہ فی مکانھم حتی یووہ الی رحالھم،

انکو اس بات پر سزا دیجاتی تھی کہ اپنے گھرون مین منتقل کرنے سے پہلے اسکو خود اُسی جگہ بیچ ڈالین جہان اسکو خریدا تھا

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیے آپ خود بازار تشریف لے جاتے، ایک بار آپ بازار مین گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہات ڈالا تو نمی محسوس ہوئی، دوکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، ارشاد ہوا کہ "پھر اس کو اوپر کیون نہین کرلیا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے جو لوگ فریب دیتے ہین، وہ ہم مین سے نہین ہین[1]"

فرایض احتساب مین آپ کا سب سے بڑا فرض عمّال کا محاسبہ تھا یعنی جب عمّال زکوۃ اور صدقہ وصول کرکے آتے تھے تو آپ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہون نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہین اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے **ابن اللتبیہ** کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دیکر واپس آئے اور آپ نے ان کا جائزہ لیا۔ تو انہون نے کہا یہ مال مسلمانون کا ہے اور یہ مجھکو ہدیۃً ملا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیون نہین ملا" اس کے بعد آپ نے ایک عام خطبہ دیا جس مین اس کی سخت ممانعت فرمائی[2]"

اصلاح بین الناس اسلام تمام دنیا کے تفرقون کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا، اور جب آپ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی، تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرایض پر مقدم رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲ کتاب الایمان [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۸ کتاب الاحکام۔

ساتھ اُن مین مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، آپ کو اس معاملہ مین دیر ہوئی اور نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال رضؓ نے اذان دی، لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہین لائے، تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد اُنھون نے حضرت ابوبکرؓ کو امام بناکر نماز شروع کردی، آپ اسی حالت مین تشریف لائے اور صفون کو چیرتے ہوئے اگلی صف مین جا کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز مین اِدھر اُدھر نہین دیکھتے تھے لیکن جب لوگون نے زور زور سے تالیان بجانی شروع کین تو انھون نے پیچھے مڑکر دیکھا کہ آنحضرت صلعم کھڑے ہین، آپ نے اگرچہ ہات سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہین لیکن آپکی موجودگی مین انھون نے امامت کرنا سوءِ ادب خیال کیا اس لیے پیچھے ہٹ آئے، اور آنحضرت صلعم آگے بڑھکر انکی جگہ کھڑے ہوگئے[1]۔

ایک بار اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی، اور نوبت یہان تک پہنچی کہ لوگون نے باہم سنگ اندازی کی۔ آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ صحابہ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے[2]، بخاری کی دوسری روایتون مین ہے کہ آپ اتنی دور پیدل گئے تھے،

ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالک کا کچھ قرض تھا، انھون نے مسجد مین تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے، بات زیادہ بڑھی اور شور وغل ہوا تو آپ گھر کے اندر سے نکل آئے، اور کعب کو پکارا، کعب نے لبیک کہا، تو آپ نے فرمایا کہ "نصف معاف کردو" وہ راضی ہوگئے تو آپ نے حدرد سے کہا کہ "جاؤ اور بقیہ حصہ اداکردو"

اس قسم کے سیکڑون جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

[1] بخاری جلد اصفحہ ۹۳ کتاب الصلح۔ [2] بخاری کتاب الصلح۔

مدینہ مین اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیے اکابر صحابہ اور ارباب استعداد کو مختلف عہدون پر نصب فرمایا، کتابت وحی، نامہ وپیام، اجرائے احکام و فرامین کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدۂ انشا اور کتابت کی تھی، اسلام سے پہلے عرب مین عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لیے رحمتون کا جو خزانہ لایا تھا، اس مین ایک یہ شے بھی تھی۔

اسیران بدر مین نادار لوگون کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچون کو لکھنا سکھا دینا حضرت زید بن ثابت نے جن کے متعلق کتابت وحی کی مقدس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی، ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دیجاتی تھی اس کا ایک جز کتابت کی تعلیم بھی تھی۔)

کتاب (عہدۂ انشا، گویا آنحضرت صلعم کی ایک حیثیت سے نیابت تھی، اس لیے مختلف اوقات مین بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے، جن مین شرحبیل بن حسنہ کندی سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے، یہ نہایت قدیم الاسلام تھے، مکہ مین انہی نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا، قریش مین سب سے پہلے کاتب عبداللہ بن سعد ابی سرح تھے، مدینہ مین اسکی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب رض کو حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض، حضرت علی رض، حضرت عثمان رض، حضرت زبیر رض، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ثابت بن قیس بن شماس حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ حضرت خالد بن ولید۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص۔ حضرت علاء بن حضرمی۔ حضرت حذیفہ بن الیمان۔ حضرت

معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت مختلف اوقات مین اس منصب پر مامور ہوئے،

اگرچہ تمام بزرگون کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی، چنانچہ صلحنامۂ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہات سے لکھا تھا، امراء اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ لکھتے تھے، اور امرائے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا، وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا، قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہِ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا، لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے متعلق تھی، اور صحابہ کے گروہ مین ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایان[1] ہے،

حضرت زید بن ثابت نے آنحضرت صلعم کے ارشاد سے ان تمام بزرگون پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا، کہ عبرانی زبان سیکھی جبکی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ مین آنحضرت صلعم کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا، جنکی مذہبی زبان عبرانی تھی، اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور انھون نے پندرہ دن مین اس مین مہارت حاصل کر لی۔)

حکام اور ولاۃ | (فصل قضایا، اقامت عدل بسط امن، رفع نزاع کے لیے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی، اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا، چنانچہ انکے نامون کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باذان بن ساسان، بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم مین سب سے پہلے مشرف با سلام ہوئے اس کے بعد آنحضرت صلعم نے اُن کو

[1] ان بزرگون کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲ مین مذکور ہین۔

یمن کا والی مقرر فرمایا،

شہر بن باذان،	باذان بن ساسان کے بعد آنحضرت صلعم نے اُن کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا،
خالد بن سعید بن العاص۔	شہر بن باذان مارے گئے تو اُن کے بعد آپ نے اُن کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا،
مہاجر بن امیۃ المخزومی،	آپ نے ان کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاری،	حضرموت کے والی تھے،
ابوموسےٰ اشعری،	زبید، عدن، رمع، وغیرہ کے والی تھے،
معاذ بن جبل،	والیٔ جند،
عمرو بن حزم،	والیٔ نجران،
یزید بن ابی سفیان،	والیٔ تیماء،
عتاب بن اسید	والیٔ مکہ،
علی بن ابی طالب،	متولی اخماس یمن،
عمرو بن العاص،	والیٔ عمان،
علاء بن حضرمی،	والیٔ بحرین۔

اِن ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا،

آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے، ان مین یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا، اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا، اس بنا پر آنحضرت صلعم نے اس کو پانچ حصون مین منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے خالد بن سعید کو صنعا پر، مہاجر بن ابی امیہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید کو حضرموت پر، معاذ بن جبل کو جند پر، ابوموسیٰ اشعری کو زبید، زمعہ، عدن اور سواحل پر[1]۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہین کا عامل مقرر فرماتے تھے، تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے[2]، ملکی انتظام فصل مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی۔ اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے استیعاب، تذکرہ معاذ بن جبل مین ہے،

وبعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاضیا الی الجند من الیمن یعلم الناس القرآن وشرائع الاسلام ویقضی بینھم وجعل الیہ قبض الصدقات من العمال الذین بالیمن،	آنحضرت صلعم نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگون کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دین اور جو عمال یمن مین تھے اُن کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی اُن سے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت صلعم ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے، معاذ

[1] استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل [2] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۰۶۔

بن جبل کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی۔

انک تاتی قوما من اهل الکتاب فادعهم	تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے اُنکو کلمہ توحید کی دعوت
الی شهادة ان لا اله الا الله وانی رسول	دو، اگر وہ اسکو قبول کرلین تو اُن کو بتاؤ کہ خدانے رات
الله فان هم اطاعوا لذلک فاعلمهم ان	اور دن مین اُن پر پانچ نمازین فرض کی ہین، اگر وہ اسکو
الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم	بھی مان لین تو انکو بتاؤ کہ خدانے اُن پر صدقہ فرض کیا
ولیلة فان هم اطاعوا لذلک فاعلمهم	ہے، جو اُن کے امرا سے لیکر ان کے غربا پر تقسیم کردیا جائے
ان الله افترض علیهم صدقة توخذ من	گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلین تو ان کے بہترین
اغنیاءهم وترد الی فقرائهم فان هم اطاعوا	مال سے احتراز کرنا، اور مظلوم کی بد دعا
لذلک فایاک وکرائم اموالهم واتق	سے بچنا، کیون کہ اس مین اور خدا کے درمیان
دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین الله حجاب،	کوئی پردہ نہین ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپ اُن لوگون کے تبحر علمی اور طرز عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا، ترمذی مین ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لمعاذ	رسول اللہ صلعم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو
بن جبل حین وجهه الی الیمن بم تقضی قال	فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کروگے، انھون نے کہا
بما فی کتاب الله قال فان لم تجد بما	قرآن مجید سے، آپ نے فرمایا اگر اس مین وہ فیصلہ تمکو نہ ملے
فی سنة رسول الله قال فان لم تجد	انھون نے کہا احادیث سے، پھر آپ نے فرمایا اگر احادیث مین بھی آسکے

قال اجتہد رائی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یحب رسول اللہ،

تعلق، ابت نہ ملے، تو انہون نے کہا مین اپنی رائے اجتہاد کرونگا، اسپر آپنے فرمایا اُس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خدا اس کا رسول پسند فرماتا ہے۔

لیکن اہل عرب کے دلون کے مسخر کرنے کے لیے ان تمام چیزون سے زیادہ رفق و ملاطفت، نرمی اور خوشخوئی کی ضرورت تھی، جنکی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ ساتھ بیانا ممکن ہو جاتی ہے، اسلیے آنحضرت صلعم گورنرون کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے، چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونون کو عام طور سے وصیت فرمائی،

یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا وتطاوعا ولا تختلفا۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۳ کتاب الایمان)

آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا، لوگون کو بشارت دینا، اور انکو وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکاب مین پانون ڈال چکے، تو اُن سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے،

احسن خلقک للناس (ابن حنبل ذکر معاذ بن جبل)

لوگون کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا،

اگرچہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحمدل کیون نہ ہو، لیکن ابتدا مین جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار مین لاتی ہے تو سرکش لوگون کے زیر کرنے کے لیے اس کو مجبوراً سختیان کرنی پڑتی ہین تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا لیکن آنحضرت صلعم کی اسی مقدس تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی ولاۃ کے مظالم سے تنگ گران نہ دیا، یہان تک کہ اخیر زمانہ مین جب

صحابہ عمال حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت اضطراب ہوتا تھا، اور وہ آنحضرت صلعم کی تلقینات کے ذریعہ سے اُن کو روکتے تھے، چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ مین کھڑے کئے گئے ہین، اُنھون نے لوگون سے اسکی وجہ پوچھی، لوگون نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگون کے ساتھ یہ سختی کی جارہی ہے، اُنھون نے یہ سنکر کہا،

اشھد لسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ
وسلم یقول ان اللہ یعذب الذین یعذبون	علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا اُن لوگون کو عذاب دیگا
الناس فی الدنیا،[1]	جو لوگون کو دنیا مین عذاب دیتے ہین۔

محصلین زکوۃ وجزیہ (عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود اُن کو صدقہ و زکوۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کردیتا تھا، چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین خود پیش کرتا اور آپ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک، اور ایک وسیع حکومت کے لیے یہ طریقہ کافی نہ تھا۔ اس لیے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم سنہ ۹ھ کو آنحضرت صلعم نے صدقہ و زکوۃ کے وصول کرنے کے لیے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کرکے لوگون سے زکوۃ اور خراج وصول کرکے آپ کی خدمت مبارک مین پیش کرتے تھے۔ عموماً خود روسائے قبائل اپنے اپنے قبیلون کے محصل ہوتے تھے، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً انکا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہر حال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہرون مین متعین فرمایا،[2]

---

[1] مسلم باب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق۔ [2] اس فہرست کے نام اکثر ابن سعد جزو مغازی صفحہ ۱۱۵ مین مذکور ہین۔ عمر فاروق اور عبیدہ بن جراح کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابو داؤد کتاب الخراج مین ہے۔ بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین و امراے نبوی اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ	بنو لیث
صفوان بن صفوان[1]	بنی عمرو	ایک ہذیلی	بنو ہذیل
مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ	عمر فاروق رض	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار و اسلم	عبیدہ بن جراح	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی	جہینہ	زیاد بن لبید	حضرموت
زبرقان بن بدر	بنو سعد	ابوموسیٰ اشعری	سوبہ یمن
قیس بن عاصم	"	خالد رض	"
عمرو بن عاص	بنو فزارہ	ابان بن سعید	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنو کلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیمار
بسر بن سفیان الکعبی	بنو کعب	محمیہ بن جزء الاسدی	تحصیل خمس
عبداللہ بن اللتبیہ	بنو ذبیان	عیینہ بن حصن فزاری	بنو تمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

(۱) ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوۃ کی کیا مقدار ہے؟ بہ حفاظت کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی عام حکم تھا کہ ایاک وکرائم

[1] اصابہ باب صفوان

اموال الصدقہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سرمو تجاوز جائز نہین رکھتے تھے، بعض لوگون نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہون نے قبول نہین کیا، سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت صلعم کا محصل آیا، مین جاکر اس کے پاس بیٹھا تو اُس نے پہلے جانورون کے اُن اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان مین اجازت نہ تھی، چنانچہ اُسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لیکر حاضر ہوا، اور اُسکی خدمت مین پیش کیا، لیکن اُسنے انکار کر دیا[1] اسیطرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اُس نے کہا کہ ہمکو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے[2]۔

(۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریون کے ریوڑ اور اونٹون کے گلے تک محدود تھی، جو جنگلون مین، بیابانون مین، پہاڑون کے دامنون مین چرتے رہتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتون کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لاکر محصلین کے سامنے پیش کرتے، محصلون کو خود اِن درون مین جاکر زکوٰۃ وصول کرنا پڑتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ مین پہاڑ کے ایک درہ مین بکریان چرا رہا تھا، کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہوکر آئے اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلعم کے قاصد ہین۔ یہان تمہاری بکریون کا صدقہ وصول کرنے کے لیے آئے ہین، مین نے ایک بچہ والی شیردار بکری پیش کی، لیکن انھون نے کہا کہ ہمکو اس کے لینے کا حکم نہین، مین نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہون نے اسکو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے[3]،

(۳) اگرچہ صحابہؓ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بناپر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز

[1] نسائی صفحہ ۳۹۰ - [2] نسائی صفحہ ۳۹۳، [3] نسائی صفحہ ۳۹۳ -

کرتے تھے، چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے انکو رشوت دینی چاہی تو اونہوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ "اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو" لیکن باایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ صلعم خود اُن کا محاسبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار آپ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور آپ نے اُن کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے، یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے یہ کیوں نہیں ملا اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا، اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔[۲]

(۴) چونکہ آنحضرت صلعم نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا، اس لیے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا ایک بار عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے، آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہمارا نکاح کے قابل ہو گیا ہے تمام لوگوں کی طرح ہمکو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے تاکہ اُس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیے سرمایہ مہیا کریں لیکن آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمد کے لیے جائز نہیں ہے، وہ لوگوں کا میل ہے۔[۳]

(۵) عمال کا انتخاب خود رسول اللہ صلعم فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۳۱ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ [۳] ایضاً کتاب الصدقات

انھون نے کہا کہ مجکو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہین آپ نے ان دونون کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہین ہم ان کو عامل مقرر نہین کرتے لیکن اُسیوقت حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کرکے روانہ فرمایا[1]

(۶) عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ نے عام منادی فرما دی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے، بقدر ضرورت کی تصریح خود آپ نے فرما دی تھی[2]

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ فان	جو شخص ہمارا عامل ہو اسکو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے
لم یکن لہ خادم فلیکتسب خادما وان	اگر اُس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا۔ اگر مکان نہ ہو تو گھر
لم یکن لہ مسکن فلیکتسب مسکنا ومن	کا، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا، تو وہ خائن
اتخذ غیر ذلک، فھو غال،	ہوگا،

آپ کے زمانہ مین حضرت عمر فاروق کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملتا تھا، چنانچہ اُنکے عہد خلافت مین جب صحابہ نے زہد و تقویٰ کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انھون نے آنحضرت صلعم کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا،)

قضاۃ (ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے، مثلاً فصل مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمن بن عوف، ابی بن کعب، معاذ بن جبل،)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۹، [2] ابوداؤد جلد ۲ باب ارزاق العمال مین دونون حدیثین ہین۔

پولیس (اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ مین بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہین ہوا، اور اسکی ابتدا بنوامیہ کی سلطنت مین ہوئی[1]، تاہم آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہوچکا تھا، چنانچہ آپ کے عہد مبارک مین قیس بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے، اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے[2]،)

جلاد (مجرمون کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت، ضحاک بن سفیان کلابی کے سپرد تھی[3]،)

غیر قومون سے معاہدے (عرب مین اب کفر اور شرک کا بالکل وجود نہ تھا، کہین کہین صرف مجوس نصاریٰ اور یہود کی آبادیان تھین، ان مین سے معتدبہ افراد نے گو نور ایمان سے قلوب کو روشن کرلیا تھا، لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی مین تھے، تاہم خلافت الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کرسکے، حجاز کے یہودیون کے، وا عرب کی تمام قومون نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی، اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان و مال عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور اس کے مقابلہ مین جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی، اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت مین ادا ہونا ضروری نہ تھا، بلکہ عموماً جہان جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی، یا جو چیز بنتی تھی، وہی چیز جزیہ قرار پائی[4]

غیر قومون مین سب سے پہلے آنحضرت صلعم نے ۷ھ مین خیبر، فدک، وادی القرےٰ اور تیماء کے یہودیون سے مصالحت فرمائی، اسوقت تک آیت جزیہ کا نزول نہین ہوا تھا، اس بنا پر

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۶ – [2] بخاری کتاب الاحکام۔ [3] زاد المعاد ابن قیم۔ [4] زاد المعاد ابن قیم جلد اول فصل جزیہ۔

باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے، وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے[1]، اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کرین گے، اور پیداوار کا نصف حصّہ خود لین گے اور نصف مالکون کو ادا کرین[2] گے،

سنہ ۹ ہجری مین جزیہ کی آیت نازل ہوئی، اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے، نجران کے عیسائیون نے مدینہ مین آکر مصالحت کی درخواست کی جسکو آپ نے منظور فرمایا شرائط صلح یہ تھے کہ "وہ مسلمانون کو سالانہ دو ہزار کپڑے دین گے، اوران کو دو قسط مین یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب مین ادا کرین گے، اگر یمن مین کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہین تیس گھوڑے تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتیار دین گے اور مسلمان انکی واپسی کے ضامن ہونگے اس کے معاوضہ مین جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کرین گے، نہ اُن کے گرجے ڈھائے جائین گے، نہ اُن کے پادری نکالے جائین گے۔ نہ اُنکو اُن کے مذہب سے برگشتہ کیا جائیگا"[3]

حدود شام مین بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤن مین آباد تھے۔ رجب سنہ ۹ھ مین غزوۂ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا، جرباء، اذرح، تبالہ، اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہین لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا، انہین سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا، اور مسلمان جب اِدھر سے گذرین تو انکی ضیافت بھی اُن پر لازمی قرار دی گئی[4]۔

یمن کے جن یہودیون نے اسلام قبول نہین کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کی گئی۔

---

[1] زاد المعاد ابن قیم جلد اول، [2] بخاری و مسلم و ابو داؤد، ذکر خیبر و فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک و وادی القریٰ و تیماء
[3] ابو داؤد کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ [4] فتوح البلدان، بلاذری۔

ان کو ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کرسکین تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کرین[1]۔ بحرین کے مجوسیون سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی،[2]

اصناف محاصل و مخارج (مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام مین آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے، غنیمت، فی، زکوۃ، جزیہ، خراج، اوّل کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ عرب مین قاعدہ تھا کہ رئیسِ فوج غنیمت کا چوتھا حصّہ خود لیتا تھا جسکو اصطلاح مین مرباع کہتے تھے، اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا، تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا، غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا۔ جس مین خمس یعنی پانچوان حصّہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح و اغراض کے لیے مخصوص فرمایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ، (انفال)

اے پیغمبر لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہین کہدے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیون کی شخصی ملکیت نہین ہے، بلکہ مصالح کی بنا پر صاحب خلافت جسطرح مناسب سمجھے اس کو صرف کرسکتا ہے۔ اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (انفال)

مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ہاتھ آئے اُسکا پانچوان حصّہ خدا، رسول، اہل قرابت، اور یتیمون اور مسکینون کا ہے۔

---

[1] ابوداؤد باب اخذ الجزیہ [2] ابوداؤد اخذ الجزیۃ من المجوس و تاریخ بلاذری ذکر بحرین۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس مین آنحضرت صلعم نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلمون کو عنایت فرمایا، ہمیشہ آپکا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبّہ سپاہیون پر برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوارون کو تین حصّے اور پیادہ کو ایک حصّہ، بعض روایتون مین ہے کہ سوارون کو صرف دو حصّے ملتے تھے[1]، خمس کا بھی عموماً بہت کم حصّہ ذاتی مصرف مین آتا تھا، آیت بالا مین جن ارباب استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر ان ہی پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ۔ صرف مسلمانون پر فرض تھی، اور وہ چار مدون سے وصول ہوتی تھی، نقد[1] روپیہ، پھل[2] اور پیداوار، مویشی[3]، (بجز گھوڑا) اسباب تجارت[4]، دوسو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ ہو۔

سونا اور چاندی کا چالیسوان حصّہ وصول کیا جاتا تھا، مویشیون کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابون مین مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمین کی گئین، ایک وہ جسکی سیرابی صرف بارش کے پانی سے کیجاتی تھی، اس قسم کی اراضی کی پیداوار مین دسوان حصّہ (عشر) وصول ہوتا تھا، اور جسکو آب پاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا اس مین نصف عشر یعنی بیسوان حصّہ لیا جاتا تھا[3]۔ سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی[4]۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے، جنکی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی۔ فقرا[1]، مساکین[2]، نومسلم[3]، غلام[4]

---

[1] ابوداؤد حکم ارض خیبر بروایت مجمع، [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ۔ [3] ترمذی کتاب الزکوٰۃ، [4] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔

جنکو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروضؔ، مسافرؔ، محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ، دیگر کار خیرؔ، عموماً جہان سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی، وہین کے مستحقین پر صرف کردی جاتی تھی، صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام مین بھیجا، جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا، انھون نے جواب مین کہا کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا[1]، معاذ بن جبل جب عامل بنا کر یمن بھیجے گئے، تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا وصدقۃ توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم،

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ مین لیا جاتا تھا اسکی مقدار متعین نہ تھی، آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ مین ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتین اس مین داخل نہ تھین، ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی، عہد نبوی مین جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی،

خراج، غیر مسلم کاشتکارون سے حق مالکانہ کے معاوضہ مین زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہو، اس کا نام خراج ہے، خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیمار وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا، پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا، آنحضرت صلعم کسی صحابی کو بھیجدیتے تھے، وہ باغون اور کھیتون کو دیکھکر تخمینہ لگاتے تھے، رفع اشتباہ کے لیے تخمینہ مین سے ثلث کم کر دیا جاتا[2] تھا، بقیہ پر حسب شرائط خراج وصول کیا جاتا، خیبر وغیرہ مین آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی-

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیون کی تنخواہ اور جنگی مصارف مین صرف ہوتی تھی، تمام صحابہ ضرورت

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ تحمل من بلد الی بلد [2] ابوداؤد باب فی الخرص،

کے وقت والنٹیر سپاہی تھے، جو کچھ وصول ہو کر آتا، آنحضرت صلعم سب کو اُسی وقت تقسیم فرما دیتے، اوّل آپ اُن لوگون کو عطا فرماتے تھے، جو پہلے غلام رہ چکے تھے، ایک رجسٹر پر لوگون کے نام لکھے ہوتے تھے اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے، جو لوگ، صاحب اہل و عیال ہوتے تھے اُن کو دُو حصے اور مجرّد لوگون کو ایک[1] حصّہ ملتا تھا،)

جاگیرین اور افتادہ زمینون کی آبادی

(ملک عرب کا اکثر حصّہ ریگستانی، پتھریلا، شور، اور بنجر تھا، جو سرسبز قطعات تھے اُن پر بیرونی قومین قابض تھین، بقیہ افتادہ زمینین تھین، مدینہ اور طائف مین البتہ کاشتکاری ہوتی تھی . بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے، عربون کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا، کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے، اس بنا پر قیام امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے، حجاز مین غیر قومون کے انخلا کے سبب سے یون بھی بہت سی زمینین خالی ہوگئین تھین جنکا انتظام ضروری تھا،

آنحضرت صلعم نے پہلے عام طور پر صحابہ کو اسکی ترغیب دی۔

من احیا ارضا میتة فهی له — جس شخص نے افتادہ زمینون کو آباد کیا وہ اسکی ملک ہے[1]

من احاط حائطا علی ارض فهی له — جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اسکی ملک ہے

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے، بنو نضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے، اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار مین تقسیم فرما دیا، خیبر کی زمین کچھ خاصہ رہی - اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار مین تقسیم فرما دی جو حدیبیہ مین شریک

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی،

تھے، لیکن عملاً یہودیون کے ساتھ ان کا بندوبست رہا، پیداوار کا نصف حصّہ وہ خود لیتے تھے، اور نصف مالکون کو ادا کرتے تھے، اور جو زمینین آباد تھین ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ مین رہنے دیا، چنانچہ عک، ذوخیوان، اور ایلہ، اذرح، نجران وغیرہ مین اسی طرح معاملات طے پائے، افتادہ زمینین بھی صحابہ کو بطور جاگیر عطا فرمادین، حضرت وایل کو حضرموت مین ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا، بلال بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا، اور کانین مرحمت فرمائین، حضرت زبیر کو مدینہ کے پاس، اور حضرت عمر کو خیبر مین جاگیرین عطا کین، بنو رفاعہ کو دومتہ الجندل کے پاس زمین عنایت کی،

یہ جاگیرین اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھین کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا، ایک بار آپ نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ جہان تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر مین داخل ہوگی، چنانچہ اُنھون نے گھوڑا دوڑایا، جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچکر رُک گیا تو اُنھون نے اپنا کوڑا پھینکا، اور وہ جس نقطے پر گرا، وہی انکی جاگیر کا رقبہ قرار پایا، عرب کی خشک زمین مین سب سے زیادہ ضرورت چشمہاے آب کی تھی، چنانچہ ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا، من سبق الی ماء لم یسبقہ الیہ مسلم فھو لہ، یعنی "جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کر لے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہین کیا ہے" تو وہ اس کا ہے، تو تمام لوگون نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشمون کے حدود مقرر کر لیے،

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگون نے دور دور سے آکر آنحضرت صلعم سے جاگیرون کی درخواست کرنا شروع کی، ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک مین حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جسکو آپ نے منظور فرمالیا، لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے اونکو جو کچھ جاگیر مین عطا فرمائی ہے وہ

پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے، چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپ نے اس کو واپس لے لیا۔

یہ تمام فیاضیاں صرف اُنھیں چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہوسکتا تھا، لیکن جو چیزیں رفاہِ عام کے کام میں آسکتی تھیں ان کو آپ نے اُسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا، عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہ متعین کر لیتے تھے، جنکو حمیٰ کہتے تھے، عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، لیکن ابیض ابن حمال نے جب اس کو اپنے حمیٰ میں داخل کرنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا، لاحمی فی الاراک،

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیے روساء اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے، اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے، چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی اس لیے اس طریقہ کو بھی روک [1] دیا،

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے، جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا، اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے، حریث بن حسان نے بکر بن وایل کے لیے اس زمین کی درخواست کی، آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا، اتفاق سے اسوقت ایک تمیمیہ موجود تھی، آپ نے اسکی طرف دیکھا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ اونٹوں، اور بکریوں کی چراگاہ ہے، اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا "بیچاری سچ کہتی ہے، فرمان نہ لکھو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہوسکتا ہے"

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الخراج کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔

مذہبی انتظامات

ملک مین امن وامان قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری ملکی انتظامات سرانجام پائے تھے، اُن سے زیادہ ضروری مسلمانون کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا، یہودیون مین مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا، اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجاآوری کا حق حاصل نہین ہوسکتا تھا، عیسائیون مین گو خاندان کی تخصیص نہ تھی، لیکن ان مین ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا تھا جسنے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا، ہندوؤن مین غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہین، دنیا کی دوسری قومون کا بھی یہی حال تھا، لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ صلعم نے دنیا مین قائم کی اس مین مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان، اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا تھا،)

دعاۃ اور معلّمین اسلام ایک مشہور مغربی مورخ[1] نے لکھا ہے کہ "مدینہ مین آکر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بنگیا تھا، اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خدا پر ایمان لایا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمد (صلعم) کی حکومت تسلیم کرلی جائے" اسلام کا مقصد وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید مین بیان کیا ہے،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

(وہ لوگ جنکو ہم زمین مین اگر طاقت دین تو نماز قائم کرین۔ زکوۃ دین، اچھی باتون کا حکم دین،

[1] دیکھو ولیہوسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر، انسائیکلوپیڈیا،

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (حج) اور بُری باتون سے روکین"

اِس بنا پر ہر مسلمان، واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی مذہب بھی اور ماہر شریعت بھی، یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب مین اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا مین لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا، یا ایک ایک گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کا دار العلم بنگیا، تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہین ملسکتا تھا، اس لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ مین کچھ ایسے لوگ موجود رہین جو تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دے سکین، اسی بنا پر قرآن مجید مین حکم آیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ٥ (توبہ۔ رکوع آخر)

اور سب کے سب مسلمان توسفر کرکے (مدینہ) نہین آسکتے اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے تاکہ وہ شریعت اور دین مین تفقہ حاصل کرین، اور تاکہ واپس جاکر اپنی قوم کو ڈرائین، شاید لوگ بُری باتون سے بچین۔

ان کی تعلیم و تربیت چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت طیار کی جاے جو نہ صرف شریعت کے اوامر ونواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت صلعم کی خدمت مین رہنے سے تمامتر اسلامی رنگ مین ڈوب جائے جسکی گفتار، کردار، بات چیت، نشست برخاست، قول و عمل ایک ایک چیز تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہوجائے، تاکہ وہ تمام ملک کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی، اور آپ کی خدمت مین رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔

كان ينطلق من كل حي من العرب عصابة — عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلعم کے پاس

فیاتون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیسألونہ عما یریدون من امر دینھم و یتفقھوا فی دینھم[1]

جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا، اور دین مین تفقہ حاصل کرتا تھا،

داعیانِ اسلام جو اطراف عرب مین بھیجے جاتے تھے اُن کو ہدایت کی جاتی تھی، کہ لوگون کو اس بات پر آمادہ کرین کہ وطن چھوڑ کر مدینہ مین آجائین، اور یہین بود و باش اختیار کرین، اس کا نام **ہجرت** تھا، اِس بنا پر بیعت کی دو قسمین کردی گئی تھین، بیعتِ اعرابی اور بیعت ہجرت، بیعت اعرابی، صرف اُن بدوؤن کے لیے جنکو مدینہ مین رکھکر تعلیم دینا مقصود ہوتا تھا، مختصر مشکل الآثار مین روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت صلعم نے اُن سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت ہجرت، اس کے بعد مصنف لکھتا ہے،

ان البیعۃ من المھاجر توجب الاقامۃ عندہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصرف فیما یصرفہ فیہ من امور الاسلام بخلاف البیعۃ الاعرابیۃ،

ہجرت کی بیعت کرنے سے یہ لازم ہوجاتا ہے، کہ آنحضرت صلعم کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت صلعم ان کو اسلامی امور مین لگائین اور بیعت اعرابی مین یہ ضرور نہین۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھرون سے ہجرت کرکے مدینہ مین چلے آئے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری آئے تو اسی شخصون کو لیکر آئے، اور مدینہ مین آباد ہوئے خلاصۃ الوفا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدین تھین، یہ

---

[1] تفسیر خازن سورۂ توبہ آیت وما کان المومنون لینفروا کافۃ،

وہی قبائل تھے جو ہجرت کرکے مدینہ مین آگئے تھے، اور چونکہ مسجد نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی اس لیے الگ الگ مسجدین بنگئی تھین۔

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے،

ایک یہ کہ دس بیس دن، یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل مین واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے، مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لیکر آئے تو بیس دن تک قیام کیا، اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی جب چلنے لگے تو آپ نے فرمایا۔

ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم ومروھم وصلوا کما رایتمونی اصلی (بخاری باب رحمۃ البھائم)

اپنے خاندان مین واپس جاؤ ان مین رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجکو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو۔

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ مین رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے، اُن کے لیے صفّہ کا خاص درسگاہ تھا، اور اس مین زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام (دنیاوی) تعلقات سے آزاد ہوکر شب و روز، زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمتِ علم مین مصروف رہتے تھے،

مشکوٰۃ کتاب العلم مین روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین تشریف لے گئے اس وقت مسجد مین دو حلقے تھے، حلقۂ ذکر، اور حلقۂ درس۔ آنحضرت صلعم حلقۂ درس مین جاکر بیٹھ گئے، اُسوقت کی اصطلاح مین ان طالبانِ علم کو قُرّاء کہتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ مین ہر جگہ

یہی نام آتا ہے، عرینہ مین جو لوگ تعلیم و ارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درسگاہ کے تربیت یافتہ تھے، اور کتب حدیث مین انکا نام اسی لقب (قُرّاء) کے ساتھ آیا ہے، ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگون مین سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل آتا تھا، اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے،

اصحاب صفہ، اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہین ہوتا تھا، جسکو گردن سے باندھ کر گھٹنون تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونون کا کام دیتا تھا تاہم یہ لوگ پانون توڑ کر نہین بیٹھتے تھے، بلکہ جنگل مین جا کر لکڑیان چن[1] لاتے تھے، اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اخوان طریقت مین تقسیم ہوتا تھا، اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا، بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین مین سے حضرت عبادہ بن الصامت بھی تھے، جو مشہور صاحب علم تھے اور جنکو حضرت عمرؓ نے زمانۂ خلافت مین تعلیم فقہ و قرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا، ابو داؤد مین حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے،

علّمت ناسًا من اھل الصفۃ القرآن والکتاب فاھدی الیّ رجل منھم قوسًا	مین نے اصحاب صفہ مین سے چند لوگون کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی، اس کے صلہ مین مجکو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ مین دی۔
(صفحہ ۱۲۹، جلد دوم)	

ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے عبادہ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بیر معونہ،

نہین دی۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہان اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔مسند امام ابن حنبل مین ہی:

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جنھم اللیل انطلقوا الی معلم لھم بالمدینۃ فیدرسون اللیل حتی یصبحوا۔(مسند جلد ۳ صفحہ ۱۳۷)	حضرت انسؓ کہتے ہین کہ اصحاب صفہ مین سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس مین مشغول رہتے تھے،

عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا،لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لیکر آیا،سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی،اس بنا پر آنحضرت صلعم نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی،جنگ بدر کے ذکر مین گزرچکا ہے کہ اسیران جنگ مین سے جو لوگ فدیہ نہین ادا کرسکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ مین رہ کر لوگون کو لکھنا سکھا دین،ابو داؤد کی مذکورۂ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہی کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس مین لکھنا بھی داخل تھا،چنانچہ حضرت عبادہ قرآن مجید کے ساتھ،لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے،

مساجد کی تعمیر (آنحضرت صلعم[1] اگرچہ ترفہ و جاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے،اوراس لیے اینٹ اور مٹی پر صرفِ زر ناپسند فرماتے تھے) تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیسِ الٰہی تھا،اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی،ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدین صرف نماز ہی پڑھنے کے کام مین نہین آتی تھین،بلکہ درحقیقت یہ تمام اہلِ قریہ یا اہل محلہ کو دن مین پانچ بار ایک جگہ جمع کرکے ان کے اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز زیادہ ترقی دینے

---

[1] اضافہ تا ختم باب "سوز نین"۔

کا ذریعہ بنتی تھین، اس لیے آپ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے،

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے، ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا، اور ہر محلہ مین ایک ایک مسجد تھی،

ابوداؤد نے کتاب المراسیل مین بہ سند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ کے زمانہ مین ۹ مسجدین تھین، جہان الگ الگ جماعتین ہوتی تھین، ان کے نام یہ ہین، [1] مسجد بنی عمرو، [2] مسجد بنی ساعدہ، [3] مسجد بنی عبید، [4] مسجد بنی سلمۃ، [5] مسجد بنی رابح، [6] مسجد بنی زریق، [7] مسجد غفار، [8] مسجد اسلم، [9] مسجد جہینہ، ان کے علاوہ متفرق روایات مین مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدون کا اور پتہ لگتا ہے، [1] مسجد بنی حذرہ، [11] مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) [12] مسجد بنی بیاضہ، [13] مسجد بنی الحبلی، [14] مسجد بنی عصیہ، [15] مسجد ابی فیصلی، [16] مسجد بنی دینار، [17] مسجد ابی بن کعب، [18] مسجد النابغہ، [19] مسجد ابن عدی، [20] مسجد الحارث بن خزرج، [21] مسجد بنی حطمہ، [22] مسجد الفضیح، [23] مسجد بنی حارثہ، [24] مسجد بنی ظفر، [25] مسجد بنی عبد الاشہل، [26] مسجد واقم، [27] مسجد بنی معاویہ، [28] مسجد عاتکہ، [29] مسجد بنی قریظہ، [30] مسجد بنی وایل، [31] مسجد الشجرۃ[1])

(روایتون سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ مین مسجدین بنتی جاتی تھین جہان دن مین پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا، آنحضرت صلعم نے غزوات مین معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے، صبح کو جہان سے اذان کی آواز آتی وہان حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفر جہاد مین آپ کے کانون مین ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا "یہ تو فطری شہادت ہے" اس کے بعد آپ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کی آواز سنی تو فرمایا "آگ سے نجات ہوگی" صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے

[1] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری جلد ۱ ص ۲۴۸ سے ماخوذ ہے،

چرواہے کی آواز[1] ہے، تمام مجاہدینِ اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی،

اذا رأیتم مسجدا او سمعتم	اگر تم مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو
صوتا فلا تقتلوا احدا[2]	تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

ان روایتون سے ایک طرف تو عہدِ نبوت مین اشاعت اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہون نے الگ الگ مسجدین تعمیر کر لی تھین اور ان مین پنجوقتہ غلغلۂ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا،

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدین تعمیر ہوئی تھین وہ ایک زمانۂ ممتد تک قائم نہین رہ سکتی تھین، اس لیے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اور اُن کے ساتھ انکا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی، تاہم جو مسجدین مدتون قائم رہین ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگارون سے خالی نہ تھا،[3]

عرب کے عام قبائل سے پہلے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا، اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام مین مسجدِ نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد مین ادا کی گئی، بخاری کتاب الجمعہ مین ہے۔

عن ابن عباس انہ قال ان اول جمعۃ	حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم جلد اول کتاب الاذان باب الامساک عن الاغارۃ علی قوم فی دار الکفر اذا سمع فیھم الاذان [2] ابوداود کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین [3] نسائی کتاب المساجد صفحہ ۱۱۸،

جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلعم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین،	مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبد القیس کی مسجد مین پڑھا گیا جو بحرین کے ایک گانون جواثی نامی مین، واقع تھی،

اہلِ طایف جب اسلام لائے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائین جہان انکا بت نصب[1] تھا، حضرت مطلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور ہمنے عرض کی کہ ہمارے ملک مین ایک گرجا ہے تو آپ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالوا ور وہان یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو، چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی[2]،

اِس قسم کی مسجدین اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ مین تعمیر ہوئی ہون گی لیکن عموماً احادیث کی کتابون سے صرف ان مسجدون کا حال معلوم ہوسکتا ہے، جو مدینہ اور حوالی مدینہ مین تعمیر ہوئین، صحیح مسلم مین ہے کہ حوالی مدینہ مین انصار کے جو گانون آباد تھے، عاشورا کے دن آنحضرت صلعم نے ایک دن اُن مین منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہین وہ اپنے روزے کو پورا کرلین اور جو لوگ افطار کر چکے ہین وہ بقیہ دن روزہ رکھین، اِس اعلان کے بعد صحابہؓ نے اسپر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچون سے روزے رکھواتے تھے، یہان تک کہ انکو گھر سے باہر مسجد مین لیجا کر رکھتے تھے، اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے، تو ان کو اُون کے

---

[1] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۵۸۴، بروایت ابو داؤد الطیالسی،
[2] سنن نسائی، کتاب المساجد،

بنے ہوئے کھلونوں سے بہلاتے تھے[1]

امام بخاری نے صحیح بخاری مین ایک مستقل باب باندھا ہے کہ "مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے یا نہین"؟ اور اِس باب کے تحت مین جو حدیث لائے ہین، اس مین بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے، حضرت انس بن مالک، آنحضرت صلعم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھکر اپنے محلہ مین آتے تھے، یہان لوگ مسجد مین منتظر رہتے تھے، وہ آکر کہتے تھے کہ مسجد نبوی مین نماز ہوچکی تب لوگ یہان نماز پڑھتے تھے[2]، ان روایتون سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدین الگ الگ تھین، صحاح کی روایتون سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنی قوم کی امامت کرکے آتے تھے، اور پھر دوبارہ آنحضرت صلعم کے ساتھ شریک جماعت ہوجاتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کا اسی پر عمل تھا، مدینہ مین جو قبائل آباد تھے، اُن کے علاوہ جو قبائل ہجرت کرکے آتے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کرلیتے تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد مین ہے،

ولجهينة مسجد بالمدينة[3] — مدینہ مین جہینہ کی ایک مسجد ہے،

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدون کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلعم راہ مین جہان کہین نماز پڑھتے تھے وہان صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کرلیتے تھے، امام بخاری نے صحیح بخاری مین مستقل باب باندھا ہے جسکا عنوان یہ ہے، باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی صلی الله علیه وسلم، یعنی وہ مسجدین جو مدینہ کے راستون اور اُن مقامات

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام، باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیة یومہ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۴۲،
[3] طبقات ابن سعد جزء رابع صفحہ ۷۱،

مین واقع ہین جہان آپ نے نماز پڑھی ہے، اور اس کے تحت مین اس قسم کی متعدد مسجدون کا نام لیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہین،

مسجد قبا، مسجد الفضیخ، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد البغلہ، مسجد بنی معاویہ مسجد الفتح، مسجد القبلتین، حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے[1] کہ مدینہ اور اطراف مدینہ مین جو مسجدین منقش پتھرون سے تعمیر ہوئی ہین اُن سب مین آنحضرت صلعم نے نماز ادا فرمائی ہے، کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کرلی تھی[2]

ائمہ نماز کا تعین

(مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیے الگ الگ امام مقرر کردیے جائین، عموماً عادت شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہوجاتا اس مین جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کردیا جاتا، اور اس شرف مین چھوٹے بڑے، غلام آقا سب برابر تھے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ مین جو مہاجرین آچکے تھے اُن کے امام حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ تھے، جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جرمی اسوقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچہ تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ مین قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لیے وہی امام قرار پائے،

امامت کے انتخاب کے لیے آنحضرت صلعم نے چند اصول مقرر فرما دیے تھے،

عن ابی مسعود الانصاری، قال قال رسول اللہ صلعم یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان	ابو مسعود انصاری سے مروی ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ

---

[1] فتح الباری جلد اول صفحہ ۴۷۱، [2] ایضاً،

كانوا في القراءة سواء فاعلمهم بالسنة فان كانوا في السنة سواء فاقدمهم هجرة فان كانوا في الهجرة سواء فاقدمهم سنا، (مسلم)

پڑھا ہو، اگر اس مین سب برابر ہون تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس مین بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی، اور اس مین بھی سب برابر ہون تو جسکی عمر زیادہ ہو،

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس مین حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم مین سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے، چنانچہ اہل طایف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے، اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا، تم مین جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے، مالک بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے تو آنحضرت صلعم نے یہی ارشاد فرمایا،

مدینہ مین، مدینہ سے باہر اطراف مین، عرب کے مختلف صوبون مین جہان جہان مسجدین تعمیر ہوئی تھین، ظاہر ہے کہ وہان ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہون گے، جن قبائل مین عمّال مقرر ہوتے تھے وہی اُن کے امام بھی ہوتے تھے[1]، بڑے بڑے مقامات مین یہ دونون عہدے الگ الگ ہوتے تھے، عمان مین حضرت عمرو بن العاص عامل تھے، اور ابو زید انصاری امام[2]، لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابون مین نام بنام انکی مستقل تفصیل مذکور نہین ہے، ضمنی واقعات مین جہانتک سراغ لگ سکا ہے وہ حسب ذیل ہے،

---

[1] مسند ابن حنبل، جلد ۴ صفحہ ۲۱۸،

[2] فتوح البلدان بلاذری،

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعبؓ بن عمیرؓ	مدینۂ منوّرہ	ہجرت نبوی سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ)
سالم مولی ابی حذیفہؓ	"	آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے، (بخاری و ابوداؤد)
ابن ام مکتومؓ	"	جب آپ مدینہ سے باہر غزوات مین تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ بھی ہمرکاب ہوتے، لیکن چونکہ یہ آنکھون سے معذور تھے اس لیے مدینہ ہی مین رہتے تھے اس سبب سے اس موقع پر انہین کو آپ امام مقرر فرما جاتے (ابوداؤد)
ابوبکرؓ صدیق،	"	آنحضرت صلعم کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی مین امام ہوتے تھے، (صحیح بخاری)
عتبانؓ بن مالک	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے، (ابوداؤد و نسائی)
معاذؓ بن جبل	بنو سلمہ	" (بخاری وغیرہ)
ایک انصاری	مسجد قبا	" (بخاری)
عمروؓ بن سلمہ	بنو جرم	" (ابوداؤد، و نسائی)
اسیدؓ بن حضیر	"	" (ابوداؤد)

نام	مقام تقرر	کیفیت
انس رضؓ بن مالک (یا کوئی دوسرے صحابی)	بنو نجار	اپنے قبیلہ کے امام تھے، امام کا نام مشکوک ہے، (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)
مالک رضؓ بن حویرث	•	" (ابوداؤد)
عتاب رضؓ بن اسید	مکہ معظمہ	" (نسائی[1])
عثمان رضؓ بن ابی العاص	طائف	" (ذکر وفد طائف)
ابوزید انصاری	عمان	" (بلاذری ذکر عمان)

مؤذنین (عام طور پر اذان کے لیے کوئی خاص شخص منتخب نہین کیا جاتا تھا، تاہم چند مثالون سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدون مین یہ عہدہ الگ آپ نے قائم فرمایا تھا، چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ مین اس عہدہ پر آنحضرت صلعم نے ان صاحبون کو ممتاز فرمایا تھا،

بلال بن رباح	مدینہ منورہ	مؤذن مسجد نبوی
عمرو بن ام مکتوم قرشی	"	"
سعد القرظ	عوالی مدینہ	مؤذن مسجد قباء
ابو محذورہ[2] جمحی قرشی	مکہ مکرمہ	مؤذن مسجد حرام)

---

[1] کتب مذکورہ کی کتاب الصلوۃ سے یہ نام ملتقط ہین۔ [2] نسائی صفحہ ۱۸۰،

تاسیس و تکمیل شریعت

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج ہمنے تمہارا مذہب کامل کردیا، اور اپنی نعمت تمپر تمام کردی، اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب بنایا

(یہ تمام انتظامات اور نظم ونسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا، بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک مین امن وامان پیدا ہو، اور ایک منتظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو، تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکین، صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے کسی نے اِس آیت کے معنی پوچھے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ — ان کافرون سے جہاد کرو، یہانتک کہ فتنہ

وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ، — نہ رہے، اور مذہب تمامتر خدا کے لیے ہوجائے،

انھون نے فرمایا کہ "یہ آنحضرت صلعم کے زمانہ مین تھا، جب اسلام کم تھا، آدمی اپنے مذہب کی بناپر فتنہ مین مبتلا ہوجاتا تھا، لوگ اس کو قتل کردیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کرگیا تو کوئی فتنہ نہین رہا[1]")

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمامتر (انھین فتنون کی دار وگیر، مخالفین کی شورشون اور ہنگامون کی مدافعت اور ملک مین امن وامان قائم کرنے مین گزرا، اسی لیے) آٹھ برس کی وسیع مدت مین فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایان نظر آتی ہے، وہ صرف جہاد ہی

---

(1) بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۷۰ تفسیر سورۂ انفال،)

یہی وجہ ہے کہ تاریخ مین ایک ایک غزوہ کی تفصیل سیکڑون صفحے مین ہے، لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار چار سطرون سے زیادہ واقعات نہین ہین، وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھدیتے ہین کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتین دو سے چار ہوگئین۔

اِس کی وجہ یہ نہین کہ خدانخواستہ اربابِ سیَر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہین رکھتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر مین فرض ہوئے، اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے انکی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ مین ہوتی رہی جسکے لیل ونہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باران کے روکنے مین بسر ہوگئے؛

(جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا، وہ اس وجہ سے نازل نہ ہوسکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا، خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اُسی زمانہ مین نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے اُن کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے، وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے، سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول مین یہ تھا کہ اُن سے مقصود محض عربون کو انکا بتا دینا نہین تھا بلکہ عملاً انکی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا، اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج، ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا، اِسی نکتہ کو حضرت عایشہ رضہ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ "پہلے عذاب و ثواب کی آیتین نازل ہوئین جب دلون مین استعداد اور رقت پیدا ہوگئی تو احکام نازل ہوئے، ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیوؐ، تو کون مانتا؟"[1]

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اوسوقت تکمیل کو پہنچے

---

[1] صحیح بخاری باب تالیف القرآن۔

جب تمام ملک مین امن وامان قائم ہوگیا،) مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے، سے فرض نہین ہوا، مدینہ منورہ مین روزے فرض ہوئے، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی، اسکی وجہ یہی تھی، رات دن کی معرکہ آرائیون سے مالی حالت اِس حد تک پہنچنے کہان پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے، فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس مین قدم نہین رکھ سکتے تھے، اس لیے اسوقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے، اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا، لیکن اسکی تکمیل تدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی، ۵ شنہ ہجری تک نماز مین بات چیت کرنا جائز تھا، اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز مین جواب دیتے تھے، جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ مین متعدد روائتین مذکور ہین[1]۔

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک مین امن وامان قائم ہوگیا، تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا، احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع ہی نہین ہوئے تھے، مثلاً زکوٰۃ، حج، حرمت ربا، وغیرہ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہوگئے تھے، لیکن تکمیل نہین ہوئی تھی[2]۔

---

[1] ابوداؤد باب رد السلام فی الصلوٰۃ، (۲) اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت مین بھی ضمناً گزر چکی ہے، ناظرین ایک دو جگہ احکام کی تاریخ اور سنین مین یہان سے اختلاف پائین گے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول مین عام مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہان احادیث اور کتب شان نزول سے استقرا کرکے جو امر محقق نظر آیا ہے، اسکی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخین کتب حدیث مین بالتصریح مذکور نہین ہین، محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہین اور اسی بنا پر باہم ان مین اختلافات ہین۔ ہم نے کوشش کی ہے، کہ صحیح اور معتبر دلائل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کرین۔ والامر بید اللہ، س

عقائد اور اسلام کے اصول اوّلین

(اسلام کے فرائضِ اوّلین عقائد ہین یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر وغیرہ پر ایمان لانا، آنحضرت صلعم پر اوّل اوّل جو وحی نازل ہوئی یعنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، اس مین خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی، لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی[1]،

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (مدثر) — اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ، لوگون کو ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی کر، اور بتون کو چھوڑ دے،

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ مین جس قدر آیتین نازل ہوئین وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھین، شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سمان اور جنت و دوزخ کا پراثر بیان، رسالت کے خواص اور اسکی ضرورت کے دلائل، مکہ مین تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے[2]،

غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغاز اسلام ہی مین لوگون کو سنائے جا چکے تھے، لیکن مکی آیتون کے استقصا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان اب تک الگ الگ ہوتا تھا، عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ، اور سورۂ نسا مین ہے، اور یہ دونون سورتین مدینہ مین نازل ہوئین، مکی سورتون مین زیادہ تر زور، توحید، قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے، لیکن مدینہ آکر اسلام کے تمام عقائد اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے،

ایمان اور اسلام کے اصول اولین کے متعلق سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے،

---

[1] اضافہ تا ختم باب "تیمم"، [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مدثر، [3] صحیح بخاری باب تالیف القرآن،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ	جو بن دیکھے ایمان لاتے ہین، نماز کھڑی کرتے ہین، ہمنے
الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ،	جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہین اور جو اُن باتون
وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ	پر ایمان رکھتے ہین جو (اے محمدؐ) تجھ پر اتاری گئین اور جو تجھ سے پہلے
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ،	نازل ہوئین، اور ان کو آخرت پر بھی یقین ہے،

وسط سورہ مین یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہین،

لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتون
وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ،	پر کتاب پر، پیغمبرون پر ایمان لائے، [1]

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہین، یہ آیتین تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ سلسہ ہجری مین نازل ہوئین،

اِسی کی تفصیل سورہ کے آخر مین کی گئی ہے، یہ آیتین ہجرت کے چند سال بعد غالباً نازل ہوئی ہین، جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی روایتون سے ثابت ہے،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ	پیغمبر اُس پر ایمان لایا جو اس پر اترا، اور تمام مسلمان خدا
وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ	پر، خدا کے فرشتون پر، اسکی کتابون پر، اور اُس کے پیغمبرون
وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ،	پر سب ایمان لائے،

سورۂ نسا کی آیت یہ ہے جس مین بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوچکے ہین اُنکے کیا عقائد ہونے چاہئین،

---

[1] صحیح بخاری تفسیر یمحق اللہ الربوا، [2] اسباب النزول سیوطی، بحوالہ صحیح مسلم و مسند احمد،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر، اسکے رسول پر
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ	اور اس کتاب پر جو اسنے اپنے رسول پر اُتاری، اور اس کتاب
الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ	پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اس کے
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	فرشتون کا اور اسکی کتابونکا، اسکے پیغمبرونکا، اور روزِ آخرت کا
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ،	انکار کریگا وہ سخت گمراہ ہوا ،

احادیث کتاب الایمان مین بہت سے ایسے واقعات مذکور ہین جنمین لوگون نے آپ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہین، اور آپ نے سائل کی، یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیے ہین، آپ نے فرمایا کہ "مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ مین اسوقت تک لڑون جب تک لوگ یہ گواہی نہ دین کہ خدا ایک ہی، محمد خدا کا پیغمبر ہے، نمازین پڑھین اور زکوٰۃ دین"

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا، اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہی؟ آپ نے تین چیزین بتائین "رات دن مین پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ عبد القیس کے وفد نے سنہ ہجری مین حاضر ہوکر عرض کی کہ ہم دشمنون کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہین حاضر ہوسکتے اسلیے ایسے احکام بتا دیے جائین جو ان لوگون کو بھی سنا دیے جائین، جو شرف حضوری حاصل نہین کرسکتے آپ نے فرمایا،

شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ، وان محمدًا	اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہی ہے محمد خدا کے پیغمبر ہین
رسول اللّٰہ، واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ	نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اور مال غنیمت مین سے پانچوان
وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس ،	حصّہ دینا ،

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع مین تشریف فرماتھے، اِس اثنا مین ایک شخص نے آکر سوال کیا، ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتون پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبرون پر اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر یقین ہو" اُس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو" اس نے پھر دریافت کیا کہ "احسان کسکو کہتے ہین؟" ارشاد ہوا کہ "خدا کی اسطرح عبادت کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہین دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔

یہ اصول اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے، غالباً یہ سوال وجواب فتح مکہ یعنی ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ اس مین حج کا ذکر نہین ہے، تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہوچکا تھا کہ تکمیل عبادت کے لیے خضوع وخشوع کی قید بھی اضافہ کیجا سکی، اصولِ اسلام کا آخری اعلان یہ ہی،

بنی الاسلام علے خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان،	اسلام کی بنا پانچ باتون پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہین، محمد اسکا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا،

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہوچکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی، آپ نے فرمایا "کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخین ہین، ان مین ایک شاخ حیا ہے" ایک دفعہ فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اسکی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے" ایک اور صاحب کے جواب مین فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجون کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو" یہ بھی فرمایا کہ "اسوقت تک تم مومن نہین جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو"

جو تم اپنے لیے[۱] پسند کرتے ہو"۔

غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچی گئی، اور آخر ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا[۲]،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ، (آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی،)

عبادات

(اوپر یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے، ان میں سے توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ، عبادات میں داخل ہیں، انمیں سب سے اول شے نماز ہی، نماز کی صحت کے لیے متعدد شرطیں ہیں، سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہی)

طہارت (طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس، ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو، طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے، اُس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا،

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، (مدثر) اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ، اور ڈرا، اور اپنے کپڑے پاک کر، اور ناپاکی کو چھوڑ دے،

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے "دل کی طہارت" اور "ناپاکی" سے "بت پرستی" مراد لی ہے، تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہی، نماز سے پہلے

---

[۱] یہ تمام حدیثیں صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہیں [۲] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

وضو کرنا فرض ہے، اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے، تاریخ و سیر اور بعض روایات حدیث مین ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی مین حضرت جبریل نے آپ کو سکھایا[1] تھا، حاکم نے مستدرک مین حضرت ابن عباس سے ایک روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے بھی وضو فرماتے[2] تھے، لیکن قرآن مین وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ مین نازل ہوا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ	مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو منھ اور کہنیون تک
فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ	ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو، اور گھٹنون تک پانون
فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ،	دھو ڈالو،

یہ آیت سورۂ مائدہ مین ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتین ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہین، اس آیت کے متعلق بخاری مین تصریح ہے کہ وہ آیت تیمم کے ساتھ اتری ہے، آیت تیمم ۶ھ مین نازل ہوئی اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن مین اسکی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے، کچھ حصہ بھیگتا تھا، کچھ نہین بھیگتا تھا، ۸ھ مین یا اس کے بعد کسی سفر مین آپ مکہ سے واپس آرہے تھے، کچھ لوگ چھچھلے تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منھ دھولیا، ایڑیان کچھ بھیگین کچھ خشک رہین، آپ نے فرمایا[3]،

وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ	ان ایڑیون پر دوزخ کی پھٹکار ہو، وضو کو کامل کرو،

---

[1] ابن ہشام و فتح الباری، بحوالہ مغازی ابن لہیعہ و امام احمد و ابن ماجہ، [2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ و طبرانی فی الاوسط، [3] صحیح مسلم باب وجوب غسل الرجلین،

اس وقت سے "اِسباغ وضو" یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار پاگیا، اسباغ وضو کے فضائل آپ نے بیان فرمائے، ابتداءً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، ہرنماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے لیکن آخر عام مسلمانون پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری[1] نہ رہا، اور اسکا اعلان آپ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا[2]۔)

تیمم (وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہی لیکن ہر وقت سفر مین اسکا ملنا مشکل ہی، نیز بیماری کی حالت مین پانی کا استعمال کبھی مضر ہے اس لیے سنہ ۵ھ مین تیمم کی آیت نازل ہوئی،

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ	اگر تم بیمار ہو یا سفر مین ہو، یا تم مین سے کوئی جائے ضرور
أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ	سے آئے، یا تمنے عورتون سے مقاربت کی ہو، اور پانی
فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا	میسر نہ آئے تو طاہر مٹی لیکر اُس سے تیمم یعنی منھ اور ہاتھون
فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ، مَا	کا اُس سے مسح کرلو، اللہ تمپر کسی طرح کی تنگی کرنا نہین چاہتا
يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ	بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمکو پاک وصاف کردے، اور
يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ	اپنا احسان تمپر پورا کردے، تاکہ تم شکر
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥ (مائدہ)	گزار ہو،

اِس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق (سنہ ۵ھ) سے آپ واپس آرہے تھے، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھین، مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المؤمنینؓ کا ہار کہین گرگیا، سارا قافلہ وہین اُترپڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہ پریشان خاطر تھے، آنحضرت صلعم

---

[1] فتح الباری بحوالہ ابوداؤد واحمد، [2] صحیح مسلم،

کو خبر ہوئی، اتنے مین یہ آیت نازل ہوئی، مسلمانون کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی، اسید بن حضیر ایک صحابی نے کہا "اے آل ابی بکر تم لوگون کے لیے سرمایۂ برکت ہو"

نماز | نماز آنحضرت صلعم کی بعثت کے ساتھ فرض [۱] ہوئی، (چنانچہ دوسری ہی وحی مین حکم ہوا،

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (مدثر) — اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر،

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا، دن مین کوئی نماز فرض نہین ہوئی، چنانچہ سورۂ مزمل مین جو ابتدائی سورتون مین سے ہے یہ حکم بتصریح مذکور ہی،

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ — اے کملی اوڑھ کر سونے والے! رات کو تھوڑی دیر کے علاوہ
أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ — ساری رات اٹھکے نماز پڑھا کر، آدھی رات تک یا اس سے
الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا — بھی کچھ کم کر، یا اس سے بھی کچھ بڑھا دے، اور قرآن ٹھہر
ثَقِيلًا إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا — ٹھہر کر پڑھ، ہم تجھپر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے

---

[۱] نماز کے بیان تاریخ مین محدثین مختلف الرائے ہین، ابن حجر نے فتح الباری (جلد اول صفحہ ۳۹۳) مین جو خلاصۂ مباحث نقل کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہی "ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی، حربی کی رائے ہے کہ صبح و شام دو دو رکعتین فرض تھین، امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی، بعد ازین فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی، اس کے بعد نماز پنجگانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا"، ہم نے نماز کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ انھین چند سطرون کی تفصیل ہے جسکی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتون سے کر دی گئی ہے، اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید مین اوقات نماز کے مختلف بیانات کیون ہین (س

وَاَقْوَمُ قِيْلًا، اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ
تَبْتِيْلًا ؕ)

ہین، رات کا اُٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہی اور یہ وقت دعا کے لینا
بھی بارہ ہی، دنکو تجکو زیادہ شغل رہتا ہی اپنے پروردگار کا نام لے اسب
ٹوٹ کر اسی کا ہو رہ۔)

اس کے بعد صبح و شام کی دو دو رکعتین اور فرض ہوئین۔

(وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَمِنَ
اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا (دھر)

صبح و شام خدا کا نام لیا کر، اور رات کے وقت دیر تک
اسکو سجدہ کیا کر اور اسکی تسبیح بیان کر،

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا، ایک سال تک قائم رہا، چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہین کہ آپکا اور اکثر صحابہ کا ایک سال تک اسی حکم پر عمل رہا، نماز پڑھتے پڑھتے انکے پانون سوج جاتے تھے ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ[۱] ہو گئی، اور حکم ہوا،

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ
اللَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ
مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ
اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا
تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ
مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ،

تیرا پروردگار جانتا ہے کہ دو تہائی رات سے کم، اور آدھی رات
اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہی اور کچھ لوگ و تیرے ساتھ
خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہی اُسنے جان لیا کہ تم اسکو
گن نہین سکتے، تپر اُسنے مہربانی کی، اب جتنا ہو سکے اُتنا ہی
قرآن نماز مین پڑھو، اُسنے جان لیا کہ تم مین بیمار بھی ہونگے
مسافر بھی ہونگے، جو خدا کی روزی ڈھونڈھنے کو سفر کرینگے
اور لوگ خدا کی راہ مین سفر جہاد کرین گے پس اب جتنا
ہو سکے اتنا ہی پڑھو،

---

[۱] ابو داؤد باب فی صلوۃ اللیل و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۵۴،

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد، فجر، مغرب، اور عشاء، تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں،

أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ، (هود)	دن کے دونوں (ابتدائی اور انتہائی) کنارے دن میں (یعنی فجر و مغرب) اور تھوڑی رات گذرنے کے بعد نماز پڑھا کرو،

معراج میں جو نبوت کے پانچویں سال ہوئی[1] پانچ وقت کی نمازیں فرض[2] ہوئیں، (اور سورۂ اسراء میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے یہ آیت اتری،

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ، إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا، وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ،)	نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لیکر ظلمت شب تک ہیں، (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں، اور رات کو تہجد پڑھ، یہ تیرے لیے مزید ہے۔)

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں، مدینہ منورہ میں آکر جب نسبتہً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہوگئیں[3]،

بایں ہمہ نماز میں خضوع و خشوع اور تمکین و وقار کے لیے جو ارکان ضروری ہیں اُن کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا، اس لیے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے، بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی، پہلے لوگ نماز میں آنکھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، بالآخر آنحضرت صلعم نے فرمایا،

---

(۱) ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نویں سال ہوئی، (۲) فتح الباری مصری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ (۳) صحیح بخاری باب الہجرۃ

مَا بَالُ اقوام یرفعون البصر الی السماء فی صلواتہم[1]، — یہ کیسے لوگ ہین کہ نماز مین آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا کرتے ہین۔

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے مین کوئی کام یاد آجاتا تو کسی سے کہدیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی مین جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز مین باہم باتین کیا کرتے جب مہاجرین حبش سنہ ۲ھ مین واپس آکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو آنحضرت صلعم نماز مین مشغول تھے، معمول کے موافق لوگون نے سلام کیا، لیکن جواب نہین ملا، نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز مین باتین نہ کرو[2]" اُس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہوگیا،

معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین نے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو چھینک آئی مین نے یرحمک اللہ کہا، لوگون نے تیز نگاہون سے میری طرف دیکھا مین نے کہا "آپ لوگ کیا دیکھتے ہین؟" لوگون نے زانو پر ہات مارے، اُس وقت مین سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہین، مین چپ ہوگیا، آنحضرت صلعم نے نماز سے فارغ ہوکر (خلق احمدی سے) مجھکو نہ سزا دی نہ ڈانٹا، نہ بُرا کہا، صرف یہ فرمایا کہ "نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت کا نام ہے، اس مین بات چیت جائز نہین[3]"

تشہد کا جو طریقہ اب ہے پہلے نہ تھا، بلکہ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے، السلام علی فلان و فلان، بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز مین معمول بہا ہین[4]۔

حدیثون مین آیا ہے کہ آنحضرت صلعم چھوٹے بچون کو نماز مین کندھے پر چڑھا لیتے، سجدہ مین جاتے وقت اُتار دیتے، دوسری رکعت مین کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہ باہر سے آتین اور

---

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ، [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ، [3] ایضاً، [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشہد

دروازہ کھٹکھٹاتین، آنحضرت صلعم نماز پڑھتے ہوئے، عین اسی حالت مین جاکر دروازہ کھول دیتے[1]، ان حدیثون کی بناپر بہت سے فقہا کی یہ رائے ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل مین جائز ہین، نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازون مین آنحضرت صلعم نے افعال کیے وہ فرض نہ تھین، بلکہ نفل تھین، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہین، ایک حدیث مین صاف موجود ہے کہ آنحضرت صلعم امامہ بنت ابوالعاص کو کاندھے پر چڑھائے مسجد مین آئے، اور نماز ادا کی[2]، ہمارے نزدیک یہ تمام روایتین اُسی زمانہ کی ہین جبکہ نماز مین بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہین قرار پائے تھے،

رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمامتر خضوع وخشوع و مراقبہ و محویت بنگئی،

قرآن مجید مین آیت اُتری قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ۔، یعنی فلاح پانے والے مسلمان، وہ مسلمان ہین جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہین" اس بناپر نماز مین اِدھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہوگیا، نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا، یہان تک کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم کے سامنے نماز ادا کی، اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہین ادا کیئے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ "تم نے نماز نہین پڑھی، جاکر پھر پڑھو" اُس نے دوبارہ اِسی طرح ادا کی، آپ نے پھر فرمایا کہ "نماز نہین ہوئی" تیسری دفعہ اُسنے پوچھا کہ کیون کر پڑھون، آپ نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیے جائین، چنانچہ صحیح بخاری[3] وغیرہ مین یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ [2] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ، [3] صحیح بخاری باب امر النبی صلعم من لایتم الصلوٰۃ بالاعادۃ،

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا، دس بارہ آدمیون کے سوا جسقدر لوگ نماز مین شریک تھے، اُٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے اس پر یہ آیت اُتری[1]،

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا اِنْفَضُّوْٓا	اور جب لوگ تجارت، یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہین تو ٹوٹ کر
اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ	اُس پر گرتے ہین اور تجھکو کھڑا چھوڑ دیتے ہین، کہدے کہ جو کچھ
خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۵	خدا کے ہان ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے،

اور یا آنحضرت صلعم کی تربیت و تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ (ایک انصاری نماز کی حالت مین تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہین لیکن نماز نہین توڑتے کیونکہ جو سورہ اُنھون نے شروع کیا تھا اُسکی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی، اس سے بڑھ کر یہ) کہ حضرت عمر فاروق نماز مین زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہین، یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہین دیکھتا، کیونکہ خشیت الٰہی اور محویت کا عالم جو دلون پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ نہین ہونے دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین مکہ مین چار شخصون کا یکجا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا، اِس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے) لیکن مدینہ منورہ مین انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی، اور کوئی شخص ادائے نماز مین خلل انداز نہین ہو سکتا تھا، اس لیے آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آچکے تھے، اسعد بن زرارہ کی تحریک سے بنی ساعدہ کے محلہ مین اُنھون نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز[3] ادا کی، مصعب بن عمیر امام[4] تھے، اور کل چالیس مسلمان نمازی[5] تھے، اس کے بعد آنحضرت صلعم جب

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع و تفسیر آیت مذکور، [2] ابو داؤد و ابن ماجہ و دار قطنی کتاب الجمعہ نیز عبد الرزاق و احمد و خزیمہ حسب الفتح الباری،
[3] ابن ماجہ
[4] ابو داؤد و ابن ماجہ
[5] وغیرہ کتب حدیث

مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا مین قیام فرمایا، یہان سے روانگی کے لیے آپ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا، بنی سالم کے محلہ مین پہنچے تو نماز کا وقت آگیا، چنانچہ آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہین ادا فرمائی، یہ اواخر ربیع الاوّل سلہ کا واقعہ[1] ہے، مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصون مین مسلمانون کی یکجا تعداد سب سے زیادہ جواثی مین تھی، جو بحرین مین واقع تھا، حضرت ابن عباس کی روایت ہی کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہین قائم ہوئی،[2]

لیکن بظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانون مین پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیے، ابھی اوپر گذر چکا ہی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے، اور ایک روایت مین ہی کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آگئے، سب لوگ اٹھکر ادھر چلے گئے، جماعت مین صرف بارہ[3] آدمی، اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی[4] رہ گئے، اس پر یہ آیتین نازل ہوئین،

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ	ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے تو یاد الٰہی
مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہِ	کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے
وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	لیے بہتر ہی، اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے
فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ	تو زمین مین چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو، اور خدا
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللہِ وَاذْکُرُوا اللہَ	کو اکثر یاد کیا کرو، تاکہ فلاح پاؤ، جب لوگ تجارت اور
کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً	کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہین تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہین،
اَوْ لَھْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا،	اور تجھکو اے پیغمبر! کھڑا چھوڑ دیتے ہین، کہدے، کہ

[1] طبری صفحہ ۱۳۵۶ - [2] صحیح بخاری باب الجمعہ، [3] صحیح بخاری باب الجمعہ [4] دارقطنی کتاب الجمعہ،

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ وَاللّٰہُ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ ۵ (جمعہ)

جو کچھ خدا کے پاس ہو وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی اُن کے آگے ہیچ ہوگیا خدا نے انکی مدح فرمائی،

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ،

یہ وہ لوگ ہین جنکو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہین کرتی،

عید کی نماز بھی مدینہ ہی مین آکر قائم ہوئی، لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہین ہوئی، بلکہ ۲ھ مین مسنون ہوئی[1] جسکی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز، روزۂ رمضان کے تابع ہی، اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے،)

صلوٰۃ خوف (نماز کسی حالت مین قضا نہین کی جاسکتی، خوف کی حالت مین مثلاً جنگ مین یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کردیے جائین، پہلے ایک جماعت تمام ہتیارون سے مسلح ہوکر امام کے پیچھے کھڑی ہو، اور قصر نماز ادا کرے، پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ مین تھی وہ پیچھے ہٹے، اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے، امام اپنی جگہ پر قیام کرے، راویون مین اختلاف ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے، یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے، یا صرف ایک ہی رکعت اِس حالت مین فرض ہی، ابو داؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتین بروایت صحابہ الگ الگ لکھدی ہین، ہمارے نزدیک ان مین کوئی اختلاف نہین ہی،

[1] طبری صفحہ ۱۲۸۱۔ یورپ۔

یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہی، امام جسوقت جو مناسب سمجھے کرے، اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو، تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا، سورۂ نسا مین صلوٰۃ الخوف کی صورت بہ تفصیل مذکور ہے

صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوۃ الرقاع ۵ھ مین نازل ہوا، اسی غزوہ کا نام بعض راویون نے غزوۂ نجد بتایا ہے، ابو داؤد مین ابو عباس زرقی کی ایک روایت ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر بمقام عسفان مین نازل ہوئی یعنی ۶ھ مین لیکن زیادہ تر رواۃِ حدیث اور اہلِ سیر غزوۃ الرقاع ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہین[۱]،)

روزہ اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے، (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا[۲]) آنحضرت صلعم بھی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، اور عجب نہین کہ آپ کی تبعیت مین دوسرے صحابہ بھی روزہ رکھتے ہون، ۵ نبوی مین یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفر نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس مین روزہ کا ذکر بھی موجود ہے، وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا، اس کے بعد جب آنحضرت صلعم مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہین، آپنے لوگون سے وجہ پوچھی، لوگون نے بیان کیا کہ حضرت موسےٰؑ نے اسی روز فرعون کے ہات سے نجات پائی تھی، آپنے فرمایا "تو ہم کو موسےٰ کی تقلید کا زیادہ حق ہے"، چنانچہ آپ نے (یہان بھی) عاشورا کا روزہ رکھا، (اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیا) پھر ۲ھ مین رمضان کے روزے فرض ہوئے، تو عاشورا کا روزہ مستحب ہوگیا، یعنی جسکا جی چاہتا تھا، رکھتا تھا، اور جو نہین چاہتا تھا نہین رکھتا تھا[۳] لیکن آپنے بنفس نفیس اس دن کا

(۱؎ دیکھو کتب احادیث صلوٰۃ الخوف اور طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۵۴، ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۳) (۲؎ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ معجم کبیر طبرانی) ۳؎ ابو داؤد کتاب الصوم،

روزہ برابر رکھا، سلہ ھ مین لوگون نے عرض کی یارسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہین فرمایا کہ آیندہ سال ۱۰ کے بجائے ۹ کو روزہ رکھون گا، لیکن افسوس کہ آپ نے اسی سال وفات پائی[1]،

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشا کے بعد پھر نہین کھاتے تھے، اور اس کو حرام سمجھتے تھے، عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی، ابتدائے اسلام مین مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے، لیکن اسلام کے تمام احکام مین سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے،

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ) — خدا تمہارے حق مین آسانی چاہتا ہے، سختی نہین چاہتا،

لا صرورة فی الاسلام (ابو داؤد و احمد) — اسلام مین جوگی پن نہین ہے،

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی،

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۔۔۔ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ) — روزے کی راتون مین تمہارے لیے عورتون سے لطف اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے، (جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی سیاہ لکیر سے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو،)

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے، اوّل اوّل روزہ ان پر شاق ہوا[3]، اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی، اول اول آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے تو سال مین تین روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے

(سلہ یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ابو داؤد کتاب الصوم مین بہ تفصیل مذکور ہین) سلہ ابو داؤد کتاب الصوم، باب مبدء فرض الصیام و اسباب النزول للسیوطی صفحہ ۲۷، سلہ صحیح بخاری مین ہے نزل رمضان فشق علیھم،

اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے، رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری،

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ   جو رمضان کا مہینہ پائے، وہ ضرور روزہ رکھے،

اب بالتعیین روزہ فرض ہوگیا، اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی، البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر مین ہو، اُس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اُسوقت روزہ توڑ دے، اور اُن کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے، چونکہ اور تمام قومون مین خصوصًا عیسائیون مین رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اِس لیے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزہ مین زیادہ سختی برداشت کرتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم سفر مین تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی تھی اور اس پر لوگون نے سایہ کر رکھا ہے، سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ سخت گرمی مین اِس شخص نے روزہ رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ "سفر مین روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہین[۲]"

بعض لوگون نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھین بیچ مین افطار نہ کرین آپنے اِس سے منع فرمایا،

روزہ کا مقصد عام طور پر صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف مین ڈالنا ثواب کی بات ہے، اِس لیے آنحضرت صلعم نے ہر طرح کی آسانیون کا حکم دیا، سفر اور بیماری مین روزہ رکھنا فرض نہ تھا،

راتون کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی، سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے، تاکہ دن بھر قوت باقی رہے،

---

[۱] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان، [۲] صحیح بخاری کتاب الصوم،

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کفِ نفس تھا، اور روزہ اس کا معین تھا، اِس لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جو شخص روزہ مین جھوٹ فریب نہین چھوڑتا، خدا کو اسکی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہین[1]"

زکوٰۃ | خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام مین ابتدا ہی سے معمول بہ تھی، مکہ مین جو سورتین اتری ہین ان مین زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے، اور خیرات نہ دینے والون پر نہایت عتاب ہی،

اَرَاَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ؕ	تُنے اُس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہی، یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی لوگون کو ترغیب نہین کرتا،

مدینہ منورہ مین زیادہ تاکیدی آیتین نازل ہوئین، سنہ ۲ ہجری مین عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار پایا[2]، ہجرت کے ابتدائی زمانہ مین عام مسلمان اور خصوصًا مہاجرین سخت فقر و فاقہ مین مبتلا تھے، حدیثون مین صحابہ کے فقر و تنگ دستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہین، اِسی زمانہ کے ہین، اِس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے، ورنہ عذاب ہوگا، چنانچہ خاص آیت نازل[3] ہوئی،

وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَهَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ	جو سونا چاندی جمع کرتے ہین، اور خدا کی راہ مین خیرات نہین کرتے،

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہی،

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ	لوگ تجھسے پوچھتے ہین کہ کیا خیرات دین کہدے کہ جو کچھ مصارف ضروری سے بچ رہے

---

[1] ایضاً بحوالۂ بالا، [2] طبری مطبوعۂ یورپ صفحہ ۱۲۸۱، [3] صحیح بخاری مقولۂ حضرت عبداللہ بن عمر،

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے، بے کار، یا ردی چیزین خیرات مین دیتے تھے، اُس پر حکم ہوا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۝

مسلمانو! اپنی کمائی مین سے اور اُس چیز مین سے جو ہمنے تمہارے لیے زمین مین پیدا کیا، اچھا حصّہ خیرات دو۔

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا اس کو ثواب نہ ملے گا،

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۝

تم لوگ ثواب نہین پا سکتے جبتک کہ وہ چیز خیرات نکرو جو تمکو عزیز ہے،

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لیے بازار مین جاکر مزدوری کرتے اور کندھون پر بوجھ لادکر لوگون کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کرین[1]

بااین ہمہ سنہ ۸ھ تک زکوۃ فرض نہین ہوئی، فتح مکہ کے بعد اسکی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آنحضرت صلعم نے تمام ممالک مقبوضہ مین زکوۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم سنہ ۹ھ مین) محصّلین مقرر کیے[2]، زکوۃ کے مصارف حسب ذیل تھے،

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ)

زکوٰۃ ان مصارف کے لیے ہے، فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے وصول کرنے والے، مولفۃ القلوب، غلام، جنکو آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر، اور خدا کی راہ مین، یہ خدا کا فرض ہے۔ اور خدا علیم و حکیم ہے۔

---

۱ بخاری کتاب الزکوٰۃ، ۲ طبری مطبوعہ یورپ جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۲ (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۱۵)

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامین نبوی مین منقول ہی، فقہ مین کتاب الزکوٰۃ انھین فرامین سے ماخوذ ہے،

حج دنیا مین سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خداپرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہان آکر عبادت کرنے کی دعوت دی،

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا	اور جب کہ ہمنے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ ہمارے
تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ	ساتھ کسی کو شریک نہ کرا اور ہمارے گھر کو طواف کرنیوالون
الْقَآىٕمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ	اور قیام اور رکوع اور سجود کرنے والون کے لیے پاک و
بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ	صاف رکھ اور حج کی منادی کر دے تو لوگ ہر طرف سے
یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ	دوڑے آئین گے کچھ پیدل اور کچھ دبلی اونٹیون پر
لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ	سوار، تاکہ فائدہ اٹھائین، اور تاکہ ایام معترہ
مَّعْلُوْمٰتٍ ۝، (حج)	مین خدا کا ذکر کرین۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا، اور ہر سال عرب کے دور و دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے، لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا، کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا وہ تین سو ساٹھ بتون کا تماشاگاہ بنگیا، دوسری طرف اِس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہان سے نکلنے پر مجبور ہوا، اور پورے آٹھ برس تک اِدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا،

بالآخر ظہور حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا، اور جانشین ابراہیم اور اُن کے متبعین کو موقع ملا کہ شعار ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے، چنانچہ ۹ھ مین حج فرض ہوا[1]، تاہم آنحضرت صلعم نے اِس سال یہ فرض

[1] زادالمعاد جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ ۱۲

اوانہین کیا کہ عرب ننگے ہوکر طوافِ کعبہ کرتے تھے، اور آنحضرت صلعم ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہین فرما سکتے تھے، اِس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایامِ حج مین روانہ کیے گئے کہ کعبہ مین جاکر منادی کردین کہ آیندہ سے کوئی شخص عریان ہوکر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے[۱] گا۔

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسئی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ مین آگیا تھا، چنانچہ ۹ھ کا حج اسی مہینہ مین ادا ہوا، لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا، اس لیے آنحضرت صلعم نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اسوقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آگیا[۲]،

حج کے اصلاحات حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اسکی صورت بالکل بدل دی تھی، اور اس مین اس قدر بدعات اضافہ کردیے تھے کہ وہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا، سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے، لیکن اہلِ عرب جب حج مین جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجاے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے، اس بنا پر یہ آیت اُتری،

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ — پھر جب حج کے ارکان پورے پورے کرو تو خدا کا ذکر کرو،

کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ۵ (بقرہ) — جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اُس سے بڑھکر،

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مناۃ جو بت تھا اس کا طواف کرتے تھے، اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہین کرتے تھے، حالانکہ حج کے مقاصد مین سے[۳]

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الحج باب لایحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان، [۲] آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے خطبہ مین یہ الفاظ فرمائے تھے، الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض السنۃ اثنا عشر شہرًا منہا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان،، اس سے اسی طرف اشارہ تھا، [۳] اسباب النزول للواحدی،

ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگارین قائم رکھی جائین، اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار رہے۔ اسی بنا پر یہ آیت اتری،

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ — صفا اور مروہ خدا کی یادگارین ہین اس لیے جو شخص
فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ — حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونون مقامون کا بھی
أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، — طواف کرنا چاہیے۔[1]

ایک طریقہ یہ جاری ہوگیا تھا کہ اکثر لوگ (آجکل کی طرح) جن کے پاس زاد سفر نہین ہوتا تھا، یون ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہین، ان لوگون کو اکثر راہ مین گداگری اور دوستون کی دستگیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا، اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ[2] — اور گھر سے زاد سفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زاد سفر تقوی ہے

احرام حج مین سر کے بالون کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس مین اہل جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی یہانتک کہ بعض صاحبون کے بالون مین اس قدر جوئین پڑ گئین کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہوگیا، تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے، اسلام مین چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اسکی عبادات اور احکام تکلیف مالایطاق نہ بنجائین اس لیے حکم ہوا،

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ — تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر مین کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال
فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ، — منڈلے) تو فدیہ ادا کرے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی،

---

۱ قرآن مجید مین جناح کا جو لفظ ہے اس کا عام ترجمہ "ہرج" یا "نقصان" ہے اس بنا پر ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ صفا اور مروہ کے طواف مین کچھ ہرج نہین، لیکن جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنون مین بھی آیا ہے۔ ۲ بخاری کتاب الحج باب "تزودوا فان خیر زاد التقوی"۔

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لیکر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،[1]

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤءُهَا وَلٰكِنْ	خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہین پہنچتا، بلکہ تمہاری
يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ،	پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت مین صرف اس فعل سے نہین روکا گیا، بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قربانی خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین بلکہ اصل چیز جسکو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے،

رسوم حج مین ایک بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی، یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا نہین جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہین، ہم حدود حرم سے باہر نہین جا سکتے، یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے، اس لیے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے، باقی تمام عرب عرفات مین جمع ہوتے تھے اور وہان سے چلکر مزدلفہ اور منیٰ مین آتے تھے، چونکہ اسلام کا اصولِ اصلی مساوات عامہ ہے، اور عبادت مین سب یکسان ہین، اسلیے حکم آیا کہ[2]

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ	پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ	خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اُس نے تمکو ہدایت کی ہے
وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۤلِّيْنَ ثُمَّ	اور اس سے پہلے بیشک تم گمراہ تھے، پھر وہین سے چلو جہان
اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ	سے اور لوگ چلتے ہین۔ اور خدا سے معافی مانگو

[1] تفسیر بیضاوی (یہ رسم یہودیون سے آئی تھی، لاویین ۱۷-۶ تاریخ دوم ۲۹-۲۲) [2] صحیح بخاری جلد ا کتاب الحج صفحہ ۲۲۶،

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وہ غفور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے، اس لیے اُس پر سوار نہین ہوتے تھے، اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے، یہ رسم اسلام کے زمانہ تک قائم رہی، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے ایک صاحب کو سفر حج مین دیکھا کہ قربانی کے اونٹ ساتھ ہین لیکن خود پیدل جا رہے ہین، آپ نے اُن سے فرمایا کہ "سوار ہولو"، بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہین" آپ نے دوبارہ فرمایا، انھون نے دوبارہ وہی عذر کیا، آپ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو"[۱]

ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا جسکو حجِ مُصْمِتْ کہتے تھے، یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغازِ حج سے اخیر تک منہ سے کچھ بولتا نہ تھا، اسلام نے اِس تکلیف مالایطاق سے منع کیا، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے قریش کی ایک عورت کو جسکا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہین کرتی، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مُصْمِتْ کی نیت کی ہے، حضرت ابوبکر نے اس سے کہا کہ "یہ جائز نہین، یہ زمانۂ جاہلیت کی بات ہے"[۲]۔

[۳] (سب سے بڑی بیحیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حُمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، حدود حرم مین آکر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اُتار ڈالتے تھے اور عاریۃً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے، اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے، عورتین بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھین اور یہ شعر گاتی جاتی تھین،

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهٗ اَوْ كُلُّهٗ ۔۔۔ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحِلُّهٗ

آج کچھ حفقہ اوس کا یا پورا کھلے گا ۔۔۔ اور جو کھلا ہے اسکو مین حلال نہین کرتی

[۱] بخاری
[۲] سنن بیہقی
[۳] بخاری جلد ا صفحہ ۲۲۴

اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]،

یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ — اے آدم کے بیٹو مسجدون مین کپڑے پہن لیا کرو،

(اس بناء پر ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر صدیق کو بھیجا، انہون نے عین موسم حج مین اعلان کیا کہ آیندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا[2]،)

معاملات

شریعت کی تکمیل مین جو تدریج ملحوظ رہی اس کے لحاظ سے (وراثت نکاح وطلاق) وقصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام بعثت سے بہت بعد آئے (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجراء کے لیے ایک نافذالامر قوت کی ضرورت تھی، جو اب تک اسلام کو حاصل نہین ہوئی تھی، غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشو ونما شروع ہوا) ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال مین جو احکام نازل ہوئے وہ تحویل قبلہ، فرضیت روزہ، زکوٰۃ فطر، نماز عید اور قربانی تھی، تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید مین نازل ہوا،

وراثت | مسلمان جب ابتداءً مدینہ آئے ہین تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے، ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے، اس حالت مین اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہو سکتا تھا، اس لیے) آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار مین مواخاۃ (برادری) قائم کردی جسکے رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا، کہ کوئی انصاری مرتا تو اسکی وراثت مہاجرین

[1] (یہ پورا واقعہ اور شان نزول نسائی، کتاب مناسک الحج مین ہے [2] صحیح مسلم وصحیح بخاری اور تمام حدیث کی کتابون مین باب لایطوف بالبیت عریان مین مذکور ہے ۔)

کو[1]ملتی، عرب مین پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس مین عہد کر لیتے کہ ہم دونون آپس مین ایک دوسرے کے وارث ہون گے، ان مین سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا لیکن (سنہ ۳ہجری مین قرآن کی اِس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (انفال) قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہین،

اس کے روسے مواخاۃ کی بنا پر وراثت موقوف ہوگئی، اور خاندان اور ذوی الارحام مین وراثت محدود ہوگئی،

(آیت توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا، یعنی مرنے والا اپنے مال و جائداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس مین سے اتنا اُس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے، مرنے کے بعد اُسی طریقہ سے اسکی جائداد تقسیم کر دی جاتی، مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاِۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ، (بقرہ) مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم مین سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ دارون کے لیے بطریق مناسب وصیت کر جائے، متقی لوگون پر یہ فرض ہے،

جو لوگ حالت مسافرت مین مرجاتے، اُن کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن مین مقرر کیا گیا، گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ مین اسکی پوری تفصیل ہے، غزوۂ بدر کے بعد مسلمانون کی تعداد مین کافی ترقی ہوتی گئی خاندان کے خاندان مسلمان ہوگئے، اس لیے وراثت

---

[1] یہ مفسرین کا بیان ہے، لیکن صحیح بخاری وغیرہ مین حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہوا وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ، (نساء) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور،

کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی، پھر وصیت کے قاعدہ مین بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا، مثلاً جہاد مین سیکڑون مسلمان شریک ہوئے، اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی، اِس حالت مین وصیّت نہ کرجانے سے رشتہ دارون مین جسکا قابو چل جاتا وہ جائداد پر قبضہ کرلیتا، چنانچہ غزوۂ اُحد مین یہی موقع پیش آیا، سعد بن الرّبیع جو بہت دولتمند صحابی تھے، (اِس جنگ مین) شہید ہوئے، انکی بیوی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئین، کہ سعد آپ کی خدمت مین شہید ہوئے، انھون نے دو لڑکیان چھوڑی ہین لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائداد پر قبضہ کرلیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "خدا فیصلہ کرے گا" پھر (غالباً سنہ ۳ ھ مین) یہ آیت نازل ہوئی[1] جس مین وراثت کے تمام احکام مذکور ہین،

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ الخ،

خدا تمکو تمھاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیون کی برابر حصّہ ملے (آخر تک)

آنحضرت صلعم نے سعد کے بھائی کو بلاکر فرمایا کہ سعد کے متروکہ مین سے دو تہائی انکی بیٹیون اور آٹھوان حصّہ انکی بیوی کو دو، اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمھارا حق ہے،

([1] آیت میراث کے شان نزول مین احادیث مین تین واقعے مروی ہین، اول یہ کہ حضرت جابر سنہ ۸ ھ مین بیمار پڑے تو آیت اتری یہ روایت تمام صحاح ستہ مین ہے لیکن درحقیقت اس روایت مین راوین سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے کیونکہ وراثت سنہ ۸ ھ سے پہلے جاری ہوچکی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت جابر اس وقت تک لاولد تھے اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت یعنی (کلالہ) سے متعلق ہے، جیساکہ مسلم کی دوسری روایتون مین (کتاب الفرائض) اسکی تصریح ہے، دوسرا شان نزول یہ بیان کیاجاتا ہے کہ حضرت حسان کے بھائی عبدالرحمن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کجہ کی فریاد پر یہ آیت اتری، یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہون، تیسرا شانِ نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے، جو ابوداؤد، ترمذی، حاکم اور مسند احمد مین مذکور ہے۔) س،

اہلِ عرب عورتون کو وراثت سے محروم رکھتے تھے، اور کہتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہی جو تلوار چلائے، دنیا کی اور اکثر قومون مین بھی یہی دستور تھا، یہ پہلا دِن ہے کہ اِس صنفِ ضعیف کی دادرسی کی گئی،

وصیّت | احکام وراثت کے بعد بھی وصیّت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقّین وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اِس لیے وصیّت کی تحدید کی ضرورت تھی، سنہ ہجری مین حضرت سعد (عامر کے والد) بیمار ہوئے، آنحضرت صلعم اُن کی عیادت کو گئے، انھون نے عرض کی کہ مین مر رہا ہون اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے، چاہتا ہون کہ دو تہائی مال خیرات کر دون، آنحضرت صلعم نے اجازت نہین دی، اُنھون نے کہا تو نصف، آپ نے اس کو بھی قبول نہین کیا، اُنھون نے کہا ایک تہائی، آپ نے فرمایا یہ بھی بہت ہے "وارثون کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھّا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھرین[1]" تاہم یہ مقدار آپنے جائز رکھی، اُسوقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی،

وقف | (وقف شریعت کا بہت بڑا مسئلہ ہے، اسلام نے اِس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا، اُس کا دوسرے مذاہب کے قوانین مین شائبہ تک موجود نہین ہی، اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے، اسلام مین وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہی آنحضرت صلعم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ مین مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین مین رکھی تھی وہ دو یتیمون کی ملکیت تھی، آپ نے قیمت دینی چاہی لیکن انھون نے کہا،

لَا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ، — نہین ہم خدا کی قسم قیمت نہ لینگے، ہم اسکی قیمت خدا ہی سے لینگے،

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا، اور نہایت سادہ صورت مین تھا، چنانچہ امام بخاری اِس حدیث کو

---

[1] بخاری جلد ا کتاب الوصایا،

وقفِ مشاع (پبلک وقف) کے ثبوت مین لائے ہین، اس کے بعد ۸ھ یا ۹ھ مین جب یہ آیت نازل ہوئی،

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۵ — تم نیکی اسوقت تک نہین پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ مین نہ دیدو جو تم کو سب سے محبوب ہی،

تو ابوطلحہ صحابی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلعم بیرحا[1] مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے، مین اسکو خدا کی راہ مین صدقہ کرتا ہون، اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہون، آپ جس مصرف مین چاہین اسکو رکھین"، چنانچہ آپ کے مشورہ سے انھون نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا،

اب تک وقف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ "وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت مین دیدیا گیا" لیکن ۷ھ مین غزوۂ خیبر کے بعد اسکی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی، خیبر مین حضرت عمر کو ایک زمین ملی تھی، حضرت عمر نے اس کو وقف کرنا چاہا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے آپ نے فرمایا،

ان شئت حبست اصلها و تصدقت بها — اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کر دو،

چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائداد وقف ہوئی[2]،

انہ لا يباع اصلها و لا يوهب و لا يورث — (اصل جائداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کیجائے اور نہ وراثت مین بانٹی جائے)

نکاح و طلاق | نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیل اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی، یہان اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین کئی قسم کے نکاح کے طریقہ جاری تھے

---

[1] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ مین واقع تھی، [2] یہ تمام حدیثین بخاری باب الوقف مین ہین۔

جن مین سے ایک کے سوا سب زنا کے مشابہ تھے، سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا، متعہ[1] جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا، بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا، یہان تک کہ ۷ھ غزوۂ خیبر مین قطعاً حرام ہوگیا، اگرچہ اسپر بھی اسکی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت مین منبر پر کہا کہ "مین متعہ کو حرام کرتا ہون، یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک مین شائع نہین ہوسکی مین آج اسکا اعلان کرتا ہون"

(نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرّمات شرعی کا بیان، منھ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرت ازدواج کی تحدید، تعداد طلاق کی تعیین، زمانۂ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقۂ طلاق جس مین اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے، اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچّائی اور دوسرے کی دروغگوئی کا دعوی کرنا، یہ تمام تفصیلین اصلاحات کے تحت مین آئین گی، یہان صرف اسقدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید مین مذکور ہین، اور ان کے نزول کا زمانہ ۲ھ اور ۷ھ ہجری ہے،)

حدود و تعزیرات

(دنیا[2] کے مادّی خزانہ مین انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہین، حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین، ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی مین اتر چکا تھا، معراج کے سلسلہ مین جو اخلاقی احکام بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوئے ان مین سے ایک یہ بھی تھا،

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ	خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اسکو ناحق نہ مارو، اور جو
وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ	ناحق مارا جائے تو اسکے وارث کو ہمنے اختیار دیا، چاہئے کہ

(1) محدود الوقت نکاح) (2) (اضافہ تا ختم باب حلال وحرام)

سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (بنی اسرائیل)

وہ قصاص مین زیادتی نہ کرے، اس کی مدد کی جائے،

عرب مین اسلام سے پہلے بھی قتل وقصاص کے کچھ قوانین موجود تھے، یہود جو اس ملک مین ممتاز حیثیت رکھتے تھے، تورات کے حدود و تعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب مین چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی، اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہین کرسکتے تھے، مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصل مقدمات کے لیے بارگاہ نبوت کی طرف رجوع کیا، آپ انکے مقدمات عموماً توراۃ کے احکام کے مطابق فیصل کردیتے تھے،

عرب مین ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا اس لیے غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤن مین حاکمانہ زور آچلا تھا، قصاص کا حکم نازل ہوا، یاد ہوگا کہ اطراف مدینہ مین بنو قریظہ اور بنو نضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے، ان دونون مین بنو نضیر معزز سمجھے جاتے تھے، اسلیے کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرڈالتا تو اس کو بنو نضیر مار ڈالتے تھے، اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہوجاتا تو چھوہارون کے سَو وسق خونبہا دیدیتے، مدینہ مین آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، لوگون نے اس کا مرافعہ آپ کی خدمت مین پیش کیا، اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتین اترین، ان مین سے ایک آیت[1] یہ ہے،

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ

ہمنے انکو تورات مین حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان،

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات، .

وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۵ — اور زخمون کے بدلے ویسے ہی زخم،

یہ حکم گو یہودیون کے لیے تھا، لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کردیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الخ — مسلمانو! تم پر مقتولین مین مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے،

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلّے کو دنیا مین ہمیشہ کے لیے برابر کردیا،

یہودیون مین خون بہا (دیت) کا قانون نہ تھا، لیکن عرب مین یہ قانون تھا، اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا،

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۵ (بقرہ) — اسکے بھائی (یعنی اولیاے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کردیا جائے تو اسکی پابندی خوبی کیساتھ کرنا اور بطور احسن اسکو ادا کردینا چاہیے

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) مین کوئی تفریق نہ تھی، ۶ھ مین ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، ایک اور مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا، آنحضرت صلعم نے مقتول کے بھائی کو خونبہا دیکر راضی کرلیا، اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا، اور غداری سے اس انصاری کو قتل کرکے قریش مین جاکر مل گیا، ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً — کسی مسلمان کو سزاوار نہین کہ کسی دوسرے مسلمان کو مارڈالے، لیکن غلطی سے اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

۱؎ صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ کتب علیکم القصاص،

مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا
أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ
لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ،
وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ
فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ، فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا، وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

کیا، تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خونبہا اسکے وارثون کو ادا کرنا چاہئے
لیکن یہ کہ وہ معاف کرین تو خیر، اگر مقتول خود مسلمان ہو، ہو وہ
کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرو، اور اگر ایسی قوم
سے ہو جس سے تم سے معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اور ایک
غلام آزاد کرنا چاہیے، اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے درپے
دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئین کہ خدا اس کی طرف
رجوع ہو، خدا علم اور حکمت والا ہے، اور جو کسی مومن
کو جان بوجھکر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے ہمیشہ
اس مین رہے گا، خدا اسپر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور
اُس کے لیے بڑا عذاب اُسنے مہیا کیا ہے،

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ قصاص و قتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم تھا، حفاظت جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا، جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ "زمانۂ جاہلیت کے تمام خون میرے دونون پاؤن کے نیچے ہین"، اس کے بعد قتل خطا شابہ بہ قتل عمد کے خونبہا کی تحدید فرمائی[1]، قتل خطا کا خونبہا اہل قریہ کے لیے ۴۰۰ دینار مقرر کیا[2]،

سنہ ۶ھ تک رہزنون کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی، سنہ ۶ھ مین عکل و عرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے، یہان کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی، آنحضرت صلعم نے شہر سے باہر چراگاہ مین

[1] ابوداؤد کتاب الدیات، باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد، [2] ابوداؤد، دیات الاعضاء،

ان کو قیام کی اجازت دی، ایک دن موقع پاکر مسلمان چرواہون کو طرح طرح سے عذاب دیکر بڑی بیرحمی سے مارڈالا، اور مویشی لوٹ کرلے گئے، وہ گرفتار ہوکر آئے تو آنحضرت صلعم نے بھی انکو اُسی طرح عذاب کے کے ساتھ قتل کا حکم دیا، گویہ برابر کا انتقام تھا، تاہم اس مین کسی قدر بیرحمی تھی، اس لیے خداے پاک کی طرف سے عتاب ہوا، اور ڈاکوؤن کے لیے علیحدہ احکام نازل ہوئے،

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	ان لوگون کی سزا جو خدا اور اُس کے رسول سے لڑائی
وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا، اَنْ يُّقَتَّلُوْا	لڑتے ہین اور ملک مین فساد مچاتے ہین یہ ہی کہ قتل کیے جائین
اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ	یا پھانسی دیے جائین، یا اُن کے اِدھر کے ہاتھ اور اُدھر
مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ،	کے پاؤن کاٹ ڈالے جائین، یا ملک سے الگ کر دیے جائین،
(مائدہ)	(یعنی قید ہون یا جلاوطن کیے جائین)

جان کے بعد مال کا درجہ ہے، اسلام سے پہلے عرب مین چورون کے لیے قطع ید کی سزا جاری تھی، اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا، اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا، ۸ھ مین فتح مکہ کے موقع پر قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا، چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی، اس لیے مسلمانون مین بڑا اضطراب پیدا ہوا، حضرت اسامہ بن زید آنحضرت صلعم کے بہت چہیتے تھے اُن سے سفارش کرائی گئی، آپ بہت برہم ہوئے اور لوگون کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا، جس مین فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگون کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگون پر تو احکام جاری کرتے، لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو اُن سے درگذر کرتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ

لہ ابوداؤد کتاب الحدود باب المحاربہ

بھی چوری کرتی تو مین اس کا ہات بھی کاٹ لیتا"، اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگون نے بے چون وچرا اس حکم کی تعمیل کی[1]،

عربون مین زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی، یہودیون مین توراۃ کی رو سے زانی کی سزا "رجم" یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی، لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس قانون کو جاری نہین رکھ سکتے تھے، اطراف مدینہ مین جو یہود آباد تھے، رجم کے بجائے انہون نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منھ مین کالک لگا کر کوچہ و بازار مین اس کی تشہیر کرتے تھے، جب آنحضرت صلعم مدینہ تشریف لائے تو انہون نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ کی خدمت مین پیش کیا، غالباً یہ ۴ھ کے اندر کا واقعہ ہے، آپ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت مین اس جرم کی کیا سزا ہے، انھون نے اپنا رواج بتایا، آپ نے توراۃ منگوا کر ان سے پڑھوایا، انھون نے رجم کی آیت پر انگلی رکھکر چھپا دی، آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی، آپ نے فرمایا "خداوندا! یہ تیرا حکم ہے جسکو ان لوگون نے مردہ کر دیا ہے مین سب سے پہلا شخص ہون جو تیرے اس حکم کو زندہ کرون گا"[2]، چنانچہ آپ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا، اور وہ سنگسار کیا گیا،

۶ھ مین سورۂ نور نازل ہوا، جس مین زنا کی سزا سو درے قرار دی گئی حضرت عمرؓ کا[3] بیان ہے کہ رجم کی سزا ابھی قرآن نے باقی رکھی تھی، اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی، بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے لئے سو درے اور بیاہون کے لیے رجم کا حکم ہے[4]، چنانچہ ۶ھ مین ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا، اور گو لوگون کو اس کا علم نہ تھا، لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ الفتح، [2] ابو داؤد باب فی رجم الیہودیین [3] صحیح بخاری رجم المحصن، [4] تمام کتب حدیث مین یہ مذکور ہے۔

پر اُسنے ترجیح دی، اور مجمع عام مین آکر بارگاہِ نبوت مین عرض پرداز ہوا کہ "یا رسول اللہ! مین گنہگار ہون، مجھے پاک کیجیے"، آپ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا[1]،

شراب سنہ ہجری مین حرام ہوئی، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین شراب خواری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی، چالیس دُرّے تک لوگون کو اس جرم مین مارے گئے ہین، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین اسّی دُرّے کر دیئے تھے، قذف یعنی پاک دامن عورتون پر تہمت لگانے کی سزا سنہ مین نازل ہوئی[2]،

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا	جو لوگ پاک دامن عورتون پر زنا کی تہمت لگائین پھر
بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ	چار گواہ نہ لاسکین تو اُن کو اسّی دُرّے مارو، اور پھر
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (نور)	کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو،

دنیا مین تین چیزین ہین، جان، مال اور آبرو، جن حدود و تعزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ انھین تین چیزون کے تحفظ کے لیے ہین، اسی لیے آنحضرت صلعم نے ان قوانین کے نزول کے بعد، سنہ ہجری مین حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخون مین فرمایا،

"مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابل حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر مین، اِس احاطۂ حرم کے اندر، یہ مقدس دن قابل حرمت ہی"

حلال وحرام

ماکولات مین حلال وحرام | (عرب مین کھانے پینے مین کسی چیز کا پرہیز نہ تھا، اور نہ کوئی شے حلال یا حرام

---

[1] سنہ کی تحدید کہین بتفصیل مذکور نہین ہی، یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہی کہ اسوقت حضرت ابوہریرہ مدینہ مین موجود تھے، اور یہ ثابت ہی کہ وہ اسی سال بزمانۂ فتح خیبر مدینہ مین آئے تھے، [2] ابوداؤد باب اذا تتابع فی الخمر، [3] واقعۂ افک اسی سال ہوا تھا، اور یہ آیت اِسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اس لیے اس کے لیے سنہ کا زمانہ متعین کیا گیا۔

تھی، مردار، اور حشرات الارض تک کھاتے تھے، البتہ بعض بعض جانور جنکو بتون کے نام پر چھوڑتے تھے، انکا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے، بعض جانورون مین یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہین عورتین نہین، اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد و عورت دونون کھا سکتے ہین، اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائین، اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے، سورۂ انعام مین جو مکہ مین نازل ہوا تھا، ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ مین اترے لیکن ماکولات کی حلت و حرمت کے احکام مکہ ہی مین اُترنے شروع ہو چکے تھے، چنانچہ سورۂ انعام مین مشرکین کے اِن رسوم کی تردید کے بعد یہ حکم آیا،

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى	کہدے کہ مجھپر جو وحی اتری ہے، اس مین کسی کھانے والے پر کوئی
طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً	شے حرام نہین ہے، ہان اگر حرام ہے تو مردار، یا بہتا ہوا خون
اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ	یا سور کا گوشت، کیونکہ یہ چیزین ناپاک ہین، یا وہ گناہ (کا
رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ	جانور) جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے، لیکن
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ	جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہین
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، (انعام)	انہین سے کچھ کھالے تو تیرا پروردگار معاف کرنیوالا اور رحم والا ہے،

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اِس پر ہوا کہ جو آپ سے مرجائے اس کو حرام کہتے ہین اور جسکو خود اپنے ہاتھ سے مارین اسکو حلال جانتے ہین، حالانکہ دونون مین کوئی فرق نہین، اس پر یہ آیت اتری،

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ	جو جانور خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ، جو خدا کا نام لیکر
كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ وَمَا لَكُمْ اَلَّا	ذبح کیا گیا وہ کیون نہ کھاؤ، خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے
تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ	اسکو تو وہ بیان ہی کر چکا،

فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ، (انعام)

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی مین سورۂ نحل کی آیت فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ الخ نازل ہوئی جس مین اُسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا، اور یہی چار چیزین مردار، خون، سور، اور بتون پر چڑھاوے حرام بیان کی گئین، مدینۂ طیبہ آکر پہلے سورۂ بقرہ مین اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیے گئے، عرب مین حلال وحرام کی تمیز کم تھی، وحشت وجہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب، عام غربت اور افلاس تھی، اس لیے مسلمانون کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی، حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی، لوگ عموماً مردار اُسی کو سمجھتے تھے، جو بیمار ہوکر اپنی موت سے مرجائے، اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مرجاتا تو اس کو حرام نہین سمجھتے، ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورۂ مائدہ مین مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی، یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو، وَالْمُنْخَنِقَةُ، یا گردن ٹوٹنے سے مرا، وَالْمَوْقُوذَةُ، یا اوپر سے گر کے مرا ہو، وَالْمُتَرَدِّيَةُ، یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مرگیا ہو، وَالنَّطِيحَةُ، یا کسی جانور نے اس کو پھاڑا ہو، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ، صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا، إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ،

سنہ مین جب مسلمانون کو خیبر کی فتوحات اور جاگیرین ہاتھ آئین تو جانورون مین بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی، اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور، اور پنجہ دار پرند حرام ہین، سنہ مین فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا، اسلام قبول کیا، اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے، یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے، اور ان سے شکار کرتے تھے، اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہین، اُنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین اپنا حال عرض کیا، اِس پر یہ آیت اتری،

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ، | تجھسے پوچھتے ہین کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا۔ کہدے کہ تمام ستھری چیزین،

اِس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہون اور خدا کا نام لیکر چھوڑے جائین تو اُن کا شکار کیا ہوا کھانا حلال[1] ہے)

شراب کی حرمت | مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازواج وغیرہ) نفس پرستی کے مؤید تھے اس لیے عرب کو اس کے قبول کرنے مین کوئی ایثار درکار نہ تھا، بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی، یہان صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے،

عرب کو شراب سے بڑھکر کوئی چیز محبوب نہ تھی، تمام ملک اس مرض مین مبتلا تھا، عرب کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے، مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہین، اس لیے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی،

مدینہ مین شراب خواری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا، بڑے بڑے شرفا علانیہ شراب پیتے تھے، عرب مین ایسے بھی نیک لوگ تھے، جنھون نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتقا سمجھتے تھے، ابھی تک اسلام نے اِس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا، لوگون نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے، حضرت عمرؓ نے کہا:

اللهم بيّن لنا في الخمر بيانا شفاء | اے خدا! شراب کے بارے مین ہمارے لیے شافی بیان کردے

[1] حوالون کے لیے ان آیتون کے شان نزول تفسیرون مین دیکھو،

اِس پر یہ آیت اُتری

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا، (بقرہ رکوع ۲۶)	لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہین کہدو کہ ان دونون مین بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہین لیکن فائدہ سے گناہ بڑھکر ہے،

اِس آیت کے نازل ہونیکے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے، ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی دعوت کی جس مین شراب بھی تھی، کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا، اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار مین کچھ کا کچھ پڑھ گئے، (حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے مین صاف صاف بیان کردے،) اس پر یہ آیت اُتری،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ، (نساء ۶)	نشہ کی حالت مین تم نماز نہ پڑھو، یہانتک کہ جو تم کہو اسکو سمجھ بھی سکو،

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلعم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ "کوئی مخمور نماز مین نہ شامل ہونے پائے"[1]، لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا اس لیے نماز کے سوا باقی اوقات مین لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے پھر وہی دعا کی، اُسی زمانہ مین کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس مین مارپیٹ تک نوبت پہنچگئی، اس پر یہ آیت[2] اتری،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّمَا	مسلمانو! بے شبہہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہین اور شیطان کے کام ہین، تو تم ان سے باز آؤ کہ تمکو

[1] یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ مین مذکور ہے، [2] ابوداؤد مین پوری آیتین نہین مذکور ہین، بلکہ چند لفظ نقل کرکے پوری آیت کی طرف اشارہ کردیا ہے،

يُرِيدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ، (مائدہ ۲)

فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگون مین شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمکو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکدے تو بولو! تم باز آتے ہو؟ ،

(ان آیتون کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی، اسیوقت آنحضرت صلعم نے مدینہ کی گلی کوچون مین منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے، لیکن بااینہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی، ۸ھ مین یہ بھی حرام ہوگئی، آپ نے مسجد نبوی مین لوگون کو جمع کرکے اسکا اُسی وقت اعلان کیا[1]، اس کے بعد اُسی سال فتح مکہ کے زمانہ مین آپ نے علی الاعلان اُن چیزون کی تجارت کی ممانعت فرمائی جنکا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے، آپ نے فرمایا،

ان اللّٰہ و رسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام[2]، (خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور، اور بتون کی خرید و فروخت حرام کردی،)

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلانِ عام کے ساتھ عمل مین آئی، بااین ہمہ ابھی تک یہ نہین متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے، محدثین اور ارباب روایت اِس امر مین نہایت مختلف الآرا ہین[3]،

(1 صحیح بخاری (تفسیر آیت الربوا) و صحیح مسلم، باب تحریم بیع الخمر مین حضرت عایشہ فرماتی ہین کہ اواخر سورۂ بقرہ کے نزول کے بعد جس مین حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا، یہ آیتین ۸ھ مین نازل ہوئی ہین، س، 2 صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والاصنام، 3 سیرۃ النبیؐ جلد اوّل مین حرمت شراب کی دو تاریخین دو مختلف مقامات پر لکھی گئی ہین، صفحہ ۲۸۰ مین ۴ھ اور صفحہ ۲۹۷ مین ۸ھ لکھا گیا ہے۔ پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے، دوسرا علامہ ابن حجر کی تحقیق ہے۔ لیکن مصنفین سیرت النبیؐ کی اصلی تحقیق یہان مذکور ہوتی ہے اور وہ اس باب مین عام محدثین کے ساتھ ہین جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا) س،

حافظ ابن حجر، فتح الباری کتاب التفسیر سورۂ مائدہ باب لیس علی الذین آمنوا میں لکھتے ہیں،

والذی یظهر ان تحریمها کان عام الفتح سنة ثمان لما روی احمد من طریق عبد الرحمن بن وعلة قال سألت ابن عباس عن بیع الخمر فقال کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم صدیق من ثقیف او دوس فلقیه یوم الفتح براویة خمر یهدیها الیه فقال یا فلان اما علمت ان الله حرمها، الخ

اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے زمانہ ۸ھ میں ہوئی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے عبد الرحمٰن بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلعم کے ایک دوست تھے جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ سے تھے وہ آں حضرت صلعم سے فتح مکہ میں ملے اور ایک مشک شراب تحفہ پیش کی، آپنے فرمایا تمکو معلوم نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے،

ہماری راے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں، اِس روایت سے صرف اِس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اِن صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوا تھا یہ کہاں[1]

(1) مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے، ثقیف کا قبیلہ ۹ھ میں مسلمان ہوا اور دوس گو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے، لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے، اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جسکی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہیں کی ہے، وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ شراب کا پینا گو ۴ھ میں حرام ہوچکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی، چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے، شراب کی خرید و فروخت ممانعت ربا کی حرمت کے ساتھ عمل میں آئی ہے اور ربا کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے یعنی ۹ھ میں شراب فروشی کی ممانعت مدینہ میں اسی وقت کر دی گئی، لیکن اسکا عام اعلان آپ نے فتح مکہ کے زمانہ میں فرمایا جیسا احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت ربا و باب بیع المیتة والاصنام اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۴ھ میں نازل ہوئی وہ خود جلد اول صفحہ ۱۶۱ میں قاضی عیاض کے جواب میں لکھتے ہیں قلت ویحتمل ان یکون تحریم التجارة فیها تأخر عن وقت تحریمها، والله اعلم، یعنی ”ممکن ہے کہ شراب پینے کی (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھو)

ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک حرمت نازل بھی نہین ہوئی تھی، بہت سے احکام ہین جن کی خبر دور کے رہنے والون کو بہت دیر کے بعد ہوئی،

علاوہ اس کے خود بعض روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہوچکی تھی، یہ کسی طرح ممکن نہین کہ شراب جیسی ناپاک چیز سنہ ۸ ہجری تک حلال رہتی، اور آنحضرت صلعم کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی، حقیقت مین شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہوچکی تھی، [1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو، صحیح مسلم مین ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے (باب تحریم الخمر) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اسکی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی، لیکن اسکے بعد حضرت عائشہ اور جابر بن عبداللہ سے جو روایتین ہین، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت مین حضرت ابو سعید خدری یا اُنکے بعد کے راویون سے کسی قدر تسامح ہوا ہے، وھذا ھو الحق، علاوہ ازین حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ مین شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر) مین بھی ہے لیکن اس مین فتح مکہ کی تعیین نہین)

[1] سب سے بڑی دلیل اسکی یہ ہے کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگون نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد مین شریک ہوئے اور اسی حالت مین مارے گئے، ان کا کیا حال ہوگا، اسپر یہ آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا، اور جنگ احد کا زمانہ یہی ہے، بخاری تفسیر آیت مذکور مین حضرت جابر کی روایت ہے

صَبَّحَ اناس غداة احد الخمر فقتلوا من يومهم جميعا شهداء وذالك قبل تحريمها،

غزوۂ احد کی صبح کو کچھ لوگون نے شراب پی، اور یہ سب اُسی دن شہید ہوئے، یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا،

اس روایت کے ساتھ حضرت انس کی اس روایت کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہے،

فقال بعض القوم قتل قوم وهي في بطنهم قال فانزل الله ليس على الذين آمنوا الخ)

(حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگون نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال مین مارے گئے ہین کہ شراب اُنکے پیٹ مین تھی، اسپر یہ آیت اتری کہ مومنوں پر کچھ حرج نہین) س

سودخواری کی حرمت (سود[1]خواری بھی اُن اخلاق ذمیمہ مین سے ہے جو اہلِ عرب کے رگ و ریشہ مین سرایت کر گئے تھے، اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اسکی حرمت کے احکام بھی اترے، قریش عموماً تجارت پیشہ تھے، ان مین جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے، وہ غریبون اور کاشتکارون کو بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہو جاتا اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے[2]، خود آنحضرت صلعم کے چچا عباس (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک[3] تھے، آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجرون کے سبب سے یہان مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا، سب سے پہلے آپنے چاندی اور سونے کے اُدھار خرید و فروخت کو سود قرار[4] دیا، پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اُتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ،

مسلمانو! دُگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو، اور خدا سے ڈرا کرو تاکہ فلاح پاؤ،

اس کے بعد آپ نے ہمجنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ[5] منع فرمایا، سنہ ۷ھ مین غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانون نے یہودی سوداگرون سے لین دین شروع کیا، اُس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود[6] ہے، سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام سنہ ۸ھ مین نازل ہوئے، آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ مین سب سے پہلے یہ آیت اتری،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا

جو لوگ سود کھاتے ہین وہ اس طرح کھڑے ہونگے جس طرح

---

[1] اضافہ تا ختم سود، [2] موطا امام مالک باب الربا، [3] ابن جریر تفسیر آیت ربا۔ [4] صحیح مسلم باب الصرف [5] صحاح کتاب البیوع، [6] صحیح مسلم باب بیع القلادۃ فیہا خرز۔

كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ
مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا
اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ
اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ
جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ،

شیطان کسی کو چھوکر مخبوط بنا دیتا ہے، اس لیے کہ وہ
یہ کہتے ہین کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے
خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام
کر دیا، پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت
کی بات پہونچی اور وہ باز آگیا تو اُس کو وہی
لینا چاہیے جو پہلے دیا،

لوگون کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہی، جب تجارت جائز ہی تو سود کیون حرام ہے، اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدون مین آئے گا، یہان صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے، بہرحال اس آیت مین بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہوا، آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ مین یہ آیت نازل ہوئی،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ،

(البقرہ ۳۸)

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے
اُس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ کرو تو
خدا ورسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اگر باز
آجاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے، نہ تم کسی
پر ظلم کرو، اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے،

... ...

یہ آیت جب اُتری تو آپ نے مسجد مین تمام مسلمانون کو جمع کر کے یہ حکم سُنایا، سود بج

مین اہل نجران سے جو معاہدات صلح ہوئے اُن مین ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ "سود نہ لین گے"[1]
ذیحجہ سنلہ ہجری مین حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب مین
جس قدر سودی معاملات تھے آپ نے سب کو کالعدم قرار دیا،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہین کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے
آخری کڑی ہے[2]،)

---

[1] ابوداؤد، باب اخذ الجزیۃ - [2] صحیح بخاری تفسیر آیت واتقوا یوما، (البقرہ)

سال اخیر حجۃ الوداع، اختتام فرض نبوّت

ذیحجہ سنہ ۱۰ھ مطابق فروری سنہ ۶۳۲ء

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ	جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ
یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	خدا کے دین مین فوج کی فوج داخل ہو رہے ہین، تو خدا کے حمد
رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا،	کی تسبیح پڑھ، اور استغفار کر، خدا توبہ قبول کرنیوالا ہے،

بظاہر یہ خیال ہوتا ہی کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ مین شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی، تسبیح، اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہی؟ اِسی بنا پر ایک صحبت مین حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اِس آیت کے معنی پوچھے، لوگون نے مختلف معنے بتائے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا، وہ کمسن تھے، اور جواب دیتے جھجھکتے تھے، حضرت عمرؓ نے انکی ڈھارس بندھائی، تو انہون نے کہا کہ "یہ آیت آنحضرت صلعم کے قرب وفات کا اعلان[1] ہی، کہ استغفار موت کے لیے مخصوص ہی"

اِس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہوگیا تھا[2] کہ رحلت کا زمانہ قریب آگیا، اِس لیے

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اذا جاء، [2] واحدی نے اسباب النزول مین لکھا ہی کہ یہ سورہ آنحضرت صلعم کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم نے زاد المعاد مین لکھا ہی کہ سنہ ۱۰ھ مین اور عین ایّام تشریق مین اتری (یہ دوسری روایت اصل مین بیہقی کی ہی، ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ "اسکی سند ضعیف ہی" اس لیے واحدی کی روایت صحیح ہی" سیوطی نے بھی اسباب النزول مین مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہی کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی، تصریحات ایہ اور اشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کا طرز بیان ظاہر کر رہا ہی کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہی یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو پونے دو برس پہلے۔ جن روایتون مین وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت اور درایت دونون حیثیتون سے ضعیف ہین۔) س

اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام مین اعلان کردیا جائے، آنحضرت صلعم نے ہجرت[1] کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا نہین فرمایا تھا، ایک مدت تک تو قریش سدِ راہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا، لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ فرض سب سے آخر مین ادا کیا جائے،

بہرحال[2] ذوقعدہ مین اعلان ہوا کہ آنحضرت صلعم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہین، یہ خبر دفعۃً پھیل گئی، اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب امنڈ آیا، (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ نے غسل فرمایا، اور چادر اور تہمد باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے، اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے، جو مدینہ کی میقات ہے، یہان پہنچکر رات شب بھر اقامت فرمائی، اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہ رض نے اپنے ہات سے آپ کے جسم مبارک مین عطر[3] ملا) اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قصوا پر سوار ہوکر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے،

لبیک لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک — لے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہین لے خدا تیرا کوئی شریک نہین

(۱) سنن ابن ماجہ مین ہی (باب حجۃ النبی صلعم) کہ ہجرت سے پہلے آپ نے دو حج فرمائے، بعض حدیثون مین جو یہ ہی کہ آپنے ایک ہی حج کیا تھا (ترمذی باب کم حج النبیؐ اور ابو داؤد وقت الاحرام) اس سے مقصود بعد ہجرت ہی، (۲) ابو داؤد اور صحیح مسلم مین حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہی، جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقرؔ نے حضرت جابر سے جب وہ نابینا ہو گئے تھے، آنحضرت صلعم کے حج کا حال پوچھا، حضرت جابر رض نے آل رسول کی محبت سے امام باقرؔ کے گریبان کے تکمے کھول لے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھکر کہا، بھتیجے! پوچھ! کیا پوچھتا ہے؟ پھر نہایت تفصیل سے حج نبوی کے تمام حالات بیان کیے (اوقات کی تعیین بھی بخاری و مسلم مین حضرت ابن عباس، انس، اور حضرت عائشہ کی روایتون مین ہی اور امام نسائی نے کتاب المناسک مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اوقات و تاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے،) (۳) صحیح بخاری و صحیح مسلم،

اِنَّ الحمد والنعمۃ لک والملک لک، ہم حاضر ہین، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے، اور

لاشریک لک، سلطنت مین تیرا کوئی شریک نہین،

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہین، انکا بیان ہو کہ مین نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، داہنے بائین جہان تک نظر کام کرتی تھی، آدمیون کا جنگل نظر آتا تھا، آنحضرت صلعم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اِسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اُٹھتے تھے،

فتح مکہ مین آپ نے جن منازل مین نماز ادا کی تھی، وہان برکت کے خیال سے لوگون نے مسجدین بنالی تھین، آنحضرت صلعم اِن مساجد مین نماز ادا کرتے جاتے تھے، سرف پہنچکر غسل فرمایا، دوسرے دن (اتوار کے روز ذوالحجہ کی چارتاریخ کو صبح کے وقت) مکہ معظمہ مین داخل ہوئے، مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن مین طے ہوا، خاندانِ ہاشم کے لڑکون نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے آپنے نہایت محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا، کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا! اِس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم مین دوگانہ ادا کیا، اور یہ آیت پڑھی،

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى — اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ،

صفا پر پہونچے تو یہ آیت پڑھی،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ — صفا اور مروہ خدا کی نشانیان ہین،

---

(۱) کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے) ۲؎ نسائی باب استقبال الحج،

(یہان سے) کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے،

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک	خدا کے سوا کوئی خدا نہین، اس کا کوئی شریک نہین اسکے لیے
ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شئ قدیر	سلطنت اور ملک اور ستمہی، وہ مارتا اور جلاتا ہی اور وہ تمام چیزون پر
لا الہ الا اللہ وحدہ، انجز وعدہ ونصر	قادر ہی کوئی خدا نہین مگر وہ اکیلا خدا، اسنے اپنا وعدہ پورا کیا اور
عبدہ، وھزم الاحزاب وحدہ،	اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی،

صفا سے اُترکر کوہ مروہ پر تشریف لائے یہان بھی دعا و تہلیل کی، اہل عرب ایام حج مین عمرہ نا جائز سمجھتے تھے، صفا و مروہ کے طواف وسعی سے فارغ ہوکر آپ نے ان لوگون کو جنکے ساتھ قربانی کے جانور نہین تھے، عمرہ تمام کرکے احرام اُتارنے کا حکم دیا، بعض صحابہ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری مین معذرت کی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہوتے تو مین بھی ایسا ہی کرتا" حضرت علی حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیون کا قافلہ لیکر مکہ مین وارد ہوئے، چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیے انہون نے احرام نہین اُتارا، جمعرات کے روز آٹھوین تاریخ کو آپنے تمام مسلمانون کے ساتھ منی مین قیام فرمایا، دوسرے دن نوین ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھکر منی سے روانہ ہوئے،

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے، تو عرفات کے بجائے مزدلفہ مین مقام کرتے تھے جو حرم کے حدود مین تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام مین مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتائی مین فرق آجائے گا، لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی،

لہ ابوداؤد،

اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی، اس لیے (خدا[1] نے حکم دیا ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ) آپ، بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے (اور یہ اعلان کرا دیا[2]،

قفوا على مشاعركم فانكم على ارث من ارث ابيكم ابراهيم، — اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو،

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اور انھوں نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے متعین کیا ہے، عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے وہاں آپ نے ایک) کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا، دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جسکا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے، اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا،

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لیے آپ نے فرمایا،

الا كل شيء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع[3] (صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد) — ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں،

---

[1] صحیح بخاری باب الوقوف بعرفۃ، [2] ابو داؤد موضع الوقوف بعرفۃ، [3] یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت صلعم کے خطبہ کے ٹکڑے ہیں اور چونکہ کسی حدیث میں یکجا بیان نہیں ہوئے ہیں اسلیے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم (باب حجۃ النبی و باب الدیات) اور ابو داؤد (باب الاشہر الحرم و حجۃ النبی) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباس رضا حضرت ابن عمر حضرت ابو امامہ باہلی حضرت جابر رض حضرت ابو بکرہ رض وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں مثلاً ان دماءکم واموالکم حرام علیکم کحرمۃ الخ اور بعض باتیں الگ ہیں، مغازی و سیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا، ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اُسی کی اُسنے روایت کر دی، اس بنا پر مختلف ماخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا ہے۔ اور اس کے جابجا حوالے دیے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تکمیل انسانی کی منزل مین سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی قومون نے تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتون مین قائم کر رکھا تھا، سلاطین سایۂ یزدانی تھے: جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی مین گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفا، رذیلون سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہین ہو سکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حدبندیان دفعۃً ٹوٹ گئین،

لیس للعربي فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربي کلکم ابناء آدم وآدم من التراب[1]، (عقد الفرید خطب نبوی)	عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہین، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم خاک سے بنے تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گئے ہین خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیے ہین، روایتون مین ایک اور اختلاف ہے حضرت جابر اپنی روایت مین، اور ایک روایت مین حضرت ابن عباس خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذیحجہ اور حضرت ابو بکرہ اور حضرت ابن عباس دوسری روایتون مین یوم النحر یعنی ۱۰ ذیحجہ بتاتے ہین، بعض روایتین ایام التشریق کے خطبہ کی ہین، ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے، ابن ماجہ، ترمذی، اور مسند احمد مین خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہین، جن مین یہ تصریح نہین کہ کس تاریخ کے خطبہ مین آپ نے یہ فرمایا، بہرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج مین تین دفعہ خطبہ دیا، ۹ ذیحجہ یوم عرفہ کو، ۱۰ ذیحجہ یوم النحر کو، اور تیسرا خطبہ ایام التشریق مین ۱۱ یا ۱۲ ذیحجہ کو، ان خطبون مین اصولی طور پر بعض باتین مشترک ہین، اور بعض مختص المقام ہین، یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لیے آپ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے،) س

(1) یہ فقرہ حدیث اور سیر کی کتابون مین مجھے نہین ملا، ترمذی آخر کتاب المناقب اور ابو داؤد۔ باب التفاخر بالاحساب مین اس کے ہم معنی مفہوم مذکور ہے ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء، انما ھو مومن تقی وفاجر شقی الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من التراب، لیکن اس روایت مین حجۃ الوداع کا نام نہین ہے، البتہ مورخ یعقوبی نے جو تیسری صدی ہجری مین تھا، یہ فقرہ خطبۂ حجۃ الوداع مین نقل کیا ہے، صفحہ ۱۲۳ طبع یورپ) س

ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوۃ ، (مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۹۳ و طبری ابن اسحاق)

(ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور) اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

ارقاءکم ارقاءکم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون (ابن سعد)

تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ، وہی انکو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ،

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ سیکڑوں برس گذر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی، آج یہ سب سے قدیم رسم عرب کا سب سے مقدم فخر خاندانوں کا پر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے، (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے)

ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعۃ بن الحارث، (صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، بروایت جابرؓ)

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحرث کے بیٹے[1] کا خون باطل کر دیتا ہوں۔

---

[1] ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے، اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کی طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا (ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ربیعہ خلافت فاروقی تک زندہ تھے، اور ۲۳ھ میں وفات پائی، صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا، وہ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا، دیکھو ابو داؤد، و صحیح مسلم باب حجۃ النبی صلعم اور زرقانی جلد ۵ صفحہ ۲۰۱)

(تمام عرب مین سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا، اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرض خواہون کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے، اِس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلّمِ حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے)

وربا الجاهلية موضوع واوّل ربا اضع ربانا ربا عبّاس بن عبد المطلب (صحیح مسلم وابوداؤد)

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے" اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس[1] بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہون،)

آج تک عورتین ایک جائداد منقولہ تھین، جو قمار بازیون مین داؤن پر چڑھا دی جاسکتی تھین، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہِ مظلوم، یہ صنفِ لطیف، یہ جوہرِ نازک، قدردانی کا تاج پہنتا ہے،

فاتقوا الله فی النساء[2] (صحیح مسلم وابوداؤد)

(عورتون کے معاملہ مین خدا سے ڈرو،)

انّ لكم على نسائكم حقا ولهن عليكم حقا، (طبری ابن ہشام وغیرہ)

تمھارا عورتون پر، اور عورتون کا تم پر حق ہے،

عرب مین جان ومال کی کچھ قیمت نہ تھی، جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا، اور جسکا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا، (آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے،)

اِنّ دمائكم واموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فی شهركم هذا فی بلدكم هذا الی يوم تلقون ربكم[3]

تمھارا اور تمھارا مال تاقیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ مین اور اس شہر مین حرام ہے۔

---

(1) آنحضرت صلعم کے چچا عباس اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے، بہت سے لوگون کے ذمہ ان کا سود باقی تھا، (دیکھو تفسیر آیات ربا،) (2) اس کے بعد آپ نے زن وشو کے فرائض کی تفصیل فرمائی، (3) صحیح بخاری ومسلم وابوداؤد وغیرہ

(اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیامین پیدا ہوئے لیکن انکی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، انکو خدا کی طرف سے جو ہدایتین ملی تھین، بندون کی ہوس پرستیون نے ان کی حقیقت گم کردی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہات سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہی اور تاکید کرتا ہی)

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ	مین تم مین ایک چیز چھوڑ جاتا ہون اگر تم نے اس کو مضبوط
ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ (صحاح)	پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہی؟ کتاب اللہ!

اس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا،

اِنَّ اللہ عز وجل قد اعطی کل ذی حق	خدا نے ہر حق دار کو (از روے وراثت) اس کا حق
حقہ فلا وصیۃ لوارث،	دیدیا اب کسی وارث کے حق مین وصیت جائز نہین،
الولد للفراش وللعاھر الحجر وحسابھم	لڑکا اُس کا ہی جسکے بستر پر پیدا ہوا، زنا کار کے لیے پتھر
علی اللہ،	ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہی،
من ادّعی الی غیر ابیہ وانتمی الی غیر	جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعوی کرے
موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ،	اور جو غلام اپنے مولی کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اسپر خدا کی لعنت ہے
الا لا یحلّ لامرءۃ ان تعطی من مال	ہان عورت کو اپنے شوہر کے مال مین سے اسکی اجازت کے بغیر
زوجھا شیئا الا باذنہ، الدین مقضیٌّ	کچھ دینا جائز نہین، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کیجائے

(۱) سنن ابن ماجہ باب الوصایا و مسند ابو داؤد طیالسی بروایت ابی امامۃ الباہلی۔ ابو داؤد کتاب الوصایا مین مختصراً ہے ابن سعد اور ابن اسحاق نے بھی اسکی بسند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ مین آپ نے فرمایا۔)

والعاریۃ مودّاۃ والمنحۃ مردودۃ ، عطیہ لوٹایا جائے ، ضامن تاوان کا ذمہ دار

والزعیم غارم) ہے ،)

یہ فرماکر آپ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا ،

(انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون (صحیح مسلم و ابو داؤد) تم سے خدا کے ہان میری نسبت پوچھا جائیگا ، تم کیا جواب دوگے ،

صحابہؓ نے عرض کی " ہم کہین گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا ، اور اپنا فرض ادا کر دیا " ، آپ نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی اور تین بار فرمایا ،

اللّٰھم اشھد (صحیح مسلم و ابو داؤد) اے خدا تو گواہ رہنا ،

عین اُسوقت جب آپ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اُتری[1] ،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ، آج مین نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہ عالم جس وقت لاکھون آدمیون کے مجمع مین فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا ، اُس کے تخت شاہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا[2] ،

(خطبہ سے فارغ ہوکر آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا ، اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی ، پھر ناقہ پر سوار ہوکر موقف تشریف لائے اور وہان کھڑے ہوکر دیر تک قبلہ رو دعا مین مصروف

(۱؎ صحیح بخاری و صحیح مسلم و ابو داؤد ، وغیرہ ، ابن سعد مین تصریح خاص ہے) ۲؎ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۷ (کتاب الشمایل للترمذی و ابن ماجہ ،)

رہے، جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ نے وہان سے چلنے کی تیاری کی، حضرت اسامہ بن زید کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا، آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہان تک کہ اسکی گردن کجاوے مین آکر لگتی تھی، لوگون کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا تھا، لوگون کو دست راست سے، اور بخاری مین ہے کہ کوڑہ سے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ! آہستہ!! اور زبان مبارک سے ارشاد فرمارہے تھے،

السکینۃ یا ایھا الناس السکینۃ یا ایھا الناس[1]　　لوگو! سکون کے ساتھ، لوگو! سکون کے ساتھ،

اثنائے راہ مین ایک جگہ اُتر کر طہارت کی، اسامہ نے کہا یا رسول اللہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے، فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد آپ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہان پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اِس کے بعد لوگون نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جاکر سواریون کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشا کی تکبیر ہوئی، نماز سے فارغ ہوکر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا، یہ مین روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیے بیدار نہ ہوئے، محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس مین آپ نے نماز تہجد ادا نہین فرمائی، صبح سویرے اُٹھکر با جماعت فجر کی نماز پڑھی، کفار قریش مزدلفہ سے اسوقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑون کی چوٹیون پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اسوقت بآواز بلند کہتے تھے "کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا" آنحضرت صلعم نے اِس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہان سے کوچ کیا[2] یہ ذیحجہ کی دسوین تاریخ اور سنیچر کا دن تھا،

فضل بن عباس آپ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے، اہل حاجت داہنے بائین حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آرہے تھے، آپ جواب دیتے تھے، اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے

(۱ صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد) (۲ صحیح بخاری و ابو داؤد)

جاتے تھے[۱]، وادیِ محشر کے راستہ سے آپ جمرۃ کے پاس آئے، ابن عباس سے جو اسوقت کمسن تھے فرمایا مجھے کنکریان چنکر دو، آپ نے کنکریان پھینکین اور لوگون کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا[۲]،

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک قبلکم الغلو فی الدین (ابن ماجہ ونسائی)	مذہب مین غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومین اسی سے برباد ہوئین،

اسی اثنا مین آپ یہ بھی فرماتے،

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ (مسلم والبوداؤد)	حج کے مسائل سیکھ لو، مین نہین جانتا، شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے،

یہان سے فارغ ہوکر منیٰ کے میدان مین تشریف لائے، داہنے بائین آگے پیچھے تقریبًا ایک لاکھ مسلمانون کا مجمع تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائین اور بیچ مین عام مسلمانون کی صفین تھین، آنحضرت صلعم ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلال کے ہاتھ مین ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید پیچھے بیٹھے کپڑا تانکر سایہ کیے ہوئے تھے، آپ نے نظر اٹھاکر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہون کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول واعترافِ حق کا نور ضوفشان تھا، دیوان قضا مین انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارنامون پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی، دنیا اپنی تخلیق کے لاکھون برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی، عین اسی عالم مین زبانِ حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام ودہن مین زمزمہ پرداز ہوئی،

---

(۱) ابوداؤد، (۲) نسائی،

اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا، اس بنا پر ارشاد فرمایا،

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض (بروایت ابوبکرہ)

ابتدا مین خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آگیا،

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ مین کسی قسم کی خونریزی جائز نہین تھی[1]، اس لیے عربون کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لیے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے، آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے اشہر حُرُم کی تعیین کر دیجائے آپ نے فرمایا،

السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ ومحرم ورجب شھر مضر الذی بین جمادی وشعبان (بروایت ابوبکرہ)

سال کے بارہ مہینے ہین جن مین چار مہینے قابل احترام ہین، تین تو متواتر مہینے ہین، ذوقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم، اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ مین ہے،

(۱) حج کے ان مہینون کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب مین نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا، اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہون سب برابر ان کی عزت کرتے تھے، ان مہینون مین جنگ و جدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے، قدیم اشعار عرب مین اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے، رومیون کی تاریخ مین بھی عربون کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ ۵۴۱ء مین رومیون کو شام اور فلسطین مین کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی، اور ساتھ ہی عربون کے حملہ کا خوف لگا تھا اسپہ سالار روم جو عربون کے اندرونی حالات سے واقف تھا اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ مین عربون سے کوئی خوف نہین، کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آرہے ہین جن مین اہل عرب عبادتون مین مشغول رہتے ہین اور کسی قسم کا ہتھیار نہین لگاتے، نتائج الافہام محمود پاشا فلکی صفحہ ۳۵ بحوالہ فرینچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل، اپریل ۱۸۵۸ء) س،

(دنیا مین عدل و انصاف اور جور و ستم کا محور صرف تین چیزین ہین جان، مال اور آبرو، آنحضرت صلعم کل کے خطبہ مین گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن عرب کے صدیون کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ نے اِس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔) لوگون سے مخاطب ہو کر پوچھا "کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگون نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، آپ دیر تک چپ رہے، لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھین گے، دیر تک سکوت کے بعد فرمایا" کیا آج قربانی کا دن نہین ہے؟" لوگون نے کہا، ہان بیشک ہے، پھر ارشاد ہوا "یہ کونسا مہینہ ہے"؟ لوگون نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر دیر تک سکوت کیا، اور فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہین ہے"؟ لوگون نے کہا" ہان بیشک ہے" پھر پوچھا "یہ کون شہر ہے"؟ لوگون نے بدستور جواب دیا، آپنے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا" کیا یہ بلدۃ الحرام نہین ہے"؟ لوگون نے عرض کی، ہان بیشک ہے، جب سامعین کے دل مین یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی، اور خود شہر بھی محترم ہے، یعنی اس دن، اس مقام مین جنگ اور خونریزی جائز نہین، تب فرمایا:

فان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم	تو تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو، (تا قیامت)
حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا	اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن۔ اس مہینہ مین اور
فی بلدکم ھذا (بروایت ابوبکرہ)	اس شہر مین محترم ہے۔

(قومون کی بربادی ہمیشہ آپس کے [illegible]ب و جدال اور باہمی خونریزیون کا نتیجہ رہی ہے، وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بنکر آیا تھا، اُس نے اپنے پیرون سے بآواز بلند کہا:

الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم	ہان! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی

رقاب بعض وستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم، (بروایت ابوبکرہ) | گردن مارنے لگو، تمکو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑیگا، اور وہ تمسے تمہارے اعمال کی بازپرس کریگا،

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان مین کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اُس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہوجانے کی صورت مین بادشاہ کا اُس خاندان مین سے جسپر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم مین بیٹے کو سولی دیجاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اُٹھانا پڑتا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا مین حکمران تھا، اگرچہ قرآن مجید نے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰى کے وسیع قانون کے روسے اِس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخکنی کردی تھی، لیکن اسوقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا، اِس اصول کو فراموش نہین کرسکتا تھا، آپ نے فرمایا،

الا لایجنی جانٍ الا علٰی نفسہ، الا لایجنی جانٍ علی ولدہ ولا مولود علی والدہ (ابن ماجہ وترمذی) | ہان! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہان، باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہین اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہین،

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا، ارشاد ہوا،

ان اُمّر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا (صحیح مسلم) | اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہوا اور وہ تمکو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرو،

ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اسوقت اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا، اور خانۂ کعبہ ہمیشہ کے لیے

ملّتِ ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا، اور فتنہ پردازانہ قوتین پامال ہو چکی تھین، اس بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا،

الا ان الشيطان قد ايس ان يعبد في	ہان، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے
بلدكم هذا ابداً ولكن ستكون له طاعة	اس شہر مین اُس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائیگی،
فيما تحقرون من اعمالكم فسيرضى به،	لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتون مین اسکی پیروی کروگے
(ابن ماجہ و ترمذی)	اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

سب سے آخر مین آپنے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے،

اعبدوا ربكم وصلّوا خمسكم وصوموا	اپنے پروردگار کو پوجو، پانچون وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا
شهركم واطيعوا اذا امركم تدخلوا	روزہ رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا
جنّة ربّكم (مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۹ و ۳۹۰ و ۴۷۳)	کی جنت مین داخل ہو جاؤگے)

یہ فرما کر آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا،

الا هل بلّغت ؛	کیون، مین نے پیغام خداوندی سنا دیا،

سب بول اُٹھے، ہان؛ فرمایا

اللهم اشهد،	اے خدا تو گواہ رہنا،

پھر لوگون کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

فليبلّغ الشاهدُ الغائبَ	جو لوگ اسوقت موجود ہین وہ انکو سنا دین جو موجود نہین،

(خطبہ[1] کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانون کو الوداع[2] کہا،

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا، صحیح مسلم (حج) مین روایت ہے کہ قال قولاً كثيرا، (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اِس کے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "قربانی کیلئے منیٰ کی کچھ تخصیص نہین ہی، بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی مین قربانی ہوسکتی ہے" آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپنے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کردیے کہ وہ ذبح کرین، اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو، سب خیرات کر دیا جائے، یہان تک کہ قصّاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے ، الگ سے دی جائے،

قربانی سے فارغ ہوکر آپنے معمّرؓ بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے، اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دستِ مبارک سے ابوطلحہ انصاری اور انکی بیوی ام سلیم اور بعض اُن لوگون کو جو پاس بیٹھے تھے، عنایت فرمائے، اور باقی ابوطلحہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانون مین ایک ایک دو دو کرکے تقسیم کردیے، اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا، اِس سے فارغ ہوکر چاہِ زمزم کے پاس آئے،

چاہِ زمزم سے حاجیون کو پانی پلانے کی خدمت خاندانِ مُطّلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اِسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکالکر لوگون کو پلا رہے تھے، آپ نے فرمایا "یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجکو ایسا کرتے دیکھکر اور لوگ بھی تمھارے ہاتھ سے ڈول چھینکر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئینگے، تو مین خود اپنے ہاتھ سے پانی نکالکر پیتا" حضرت عبّاسؓ نے ڈول مین پانی نکالکر پیش کیا، آپ نے قبلہ رُخ ہوکر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہان سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) آپ نے بہت سی باتین فرمائین" صحیح بخاری (حجۃ الوداع) مین ہی کہ آپ نے اس مین دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا، لیکن یہ تعیین نہین کہ کس دن کے خطبہ مین یہ فرمایا) ؎۲ صحیح بخاری باب الخطبۃ ایام منیٰ،

؎ا صحیح مسلم د ابوداؤد،

وہین نماز ظہر[1] ادا فرمائی،

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذیحجہ تک آپ نے مستقل اقامت منیٰ ہی مین فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے، اور پھر واپس آجاتے، **ابوداود** (باب الخطبۃ بمنیٰ) مین ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہی کہ آپ نے ۱۲ ذیحجہ کو بھی منیٰ مین ایک خطبہ دیا تھا، جس کے الفاظ مختصراً وہی ہین جو پہلے خطبون مین گذر چکے، ۱۳ ذیحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہان سے نکل کر وادی محصب[2] مین قیام کیا اور شب کو اِسی مقام پر آرام فرمایا، پچھلے پہر اُٹھکر مکۂ معظمہ تشریف لے گئے اور خانۂ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہین صبح کی نماز ادا کی، اس کے بعد قافلہ اُسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہوگیا، اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، راہ مین ایک مقام **خم** پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہی یہان ایک تالاب ہی، عربی مین تالاب کو غدیر کہتے ہین، اور اسیلیے اِس مقام کا نام عام روایتون مین **غدیر خم** آتا ہے، آپ نے یہان تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا،

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر	حمد و ثنا کے بعد، اے لوگو! مین بھی بشر ہون ممکن ہی کہ خدا کا فرشتہ
یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب	جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) مین تمہارے

(1) حضرت ابن عمر کی حدیث بخاری و مسلم دونون مین ہی کہ آپ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن بھی منیٰ مین پڑھی۔ لیکن حضرت ابن جابر کی جو طویل حدیث قصۂ حجۃ الوداع مین ہی اس مین تعیین ہی کہ آپ نے مکہ مین نماز ظہر پڑھی، حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنا پر محدثین مین ان دونون قولون کی باہمی ترجیح اور وجوہ ترجیح مین اختلاف ہے، علامۂ ابن حزم نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامۂ ابن قیم نے زاد المعاد مین پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے۔ فریقین کے موازنۂ دلائل کے بعد ہمنے ابن قیم کا فیصلہ قبول کیا ہے۔) س

(2) اسکا دوسرا نام ابطح اور خیف بنی کنانہ ہے۔)

وانا تارك فيكم الثقلين اولهما
كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا
كتاب الله وتمسكوا به واهل بيتي
اذكركم الله في اهل بيتي،

درمیان دو بھاری چیزین چھوڑتا ہون، ایک خدا کی کتاب
جسکے اندر ہدایت اور روشنی ہی، خدا کی کتاب کو مضبوط
سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہین، مین اپنے
اہلبیت کے بارہ مین تمھین خدا کو یاد دلاتا ہون،

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا، یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے، نسائی۔ مسند امام احمد۔ ترمذی، طبرانی۔ طبری۔ حاکم۔ وغیرہ مین کچھ اور فقرے بھی ہین، جن مین حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتون مین ایک فقرہ اکثر مشترک ہی،

من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم
وال من والاه وعاد من عاداه،

جسکو مین محبوب ہون علی بھی اسکو محبوب ہونا چاہیے، الٰہی جو علی سے
محبت رکھے اُس سے تو بھی محبت رکھ، اور جو علی سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ

احادیث مین خاص یہ تصریح نہین کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی، **بخاری** مین ہی کہ اسی زمانہ مین حضرت علی یمن بھیجے گئے تھے، جہان سے واپس آکر وہ حج مین شامل ہوئے تھے، یمن مین انھون نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیون نے پسند نہین کیا، ان مین سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلعم سے شکایت کی، آپ نے فرمایا "علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا"[1]، عجب نہین کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

مدینہ کے قریب پہنچکر ذوالحلیفہ مین شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا،

---

[1] صحیح بخاری بعث علی الی الیمن وترمذی مناقب حضرت علی۔

دوسری طرف کوکبۂ نبوی مدینۂ منورہ مین داخل ہوا، سوادِ مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے[1]،

الله اكبر لا اله الا الله وحده لا	خدا بزرگ و برتر ہے اسکے سوا کوئی خدا نہین کوئی اس کا
شريك له له الملك وله الحمد و	شریک نہین۔ بس اسی کی سلطنت ہے اسی کے لیے مدح
هو على كل شيءٍ قدير، آئبون	اور ستایش ہے وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آرہے
تائبون عابدون ساجدون	ہین توبہ کرتے ہوئے فرمانبردارانہ زمین پر پیشانی رکھکر
لربنا حامدون، صدق الله	اپنے پروردگار کی مدح و ستایش مین مصروف ہوکر
وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب	خدا نے اپنا وعدہ سچّا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی
وحده)	اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی))

---

[1] صحیح بخاری بعث علی الی الیمن و ترمذی مناقب حضرت علی، [2] حجۃ الوداع کے واقعات تمام تر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی سے لیے گئے ہین۔ ہر واقعہ کے لیے ان کتابون مین کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو۔

وفات

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ (زمر)

ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری

مطابق

مئی سنہ ۶۳۲ء

روحِ قدسی کو عالم جسمانی مین اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کام درجۂ کمال تک پہنچ جائے، **حجۃ الوداع** مین یہ فرضِ اہم ادا ہوچکا، توحید کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کرکے **عرفات** کے مجمع عام مین اعلان کردیا گیا کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ، آج کے دن مین نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتین پوری کردین،

(سورۂ **فتح** کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت صلعم کے قربِ وفات کی اطلاع دیچکا تھا[۱]، اور آپ حکم ربانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ (فتح) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل مین بسر[۲] فرماتے تھے، آپ عموماً ہر سال رمضانِ مبارک مین دس دن اعتکاف مین بیٹھتے تھے، لیکن رمضان سنہ ۱۰ ہجری مین بیس دن اعتکاف مین بیٹھے، سال مین ایک دفعہ ماہ رمضان مین آپ پورا قرآن ناموسِ اکبر کی زبانی سنتے تھے، لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل[۳] ہوا، حجۃ الوداع کے موقع پر

(۱ صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَآءَ ۲ اس قسم کی روایتین گو طبری، ابن خزیمہ، اور ابن مردویہ مین ہین، لیکن مختصراً صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَآءَ مین بھی مذکور ہین، ۳ صحیح بخاری باب الاعتکاف و باب تالیف القرآن،)

مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ "مجھے امید نہیں کہ آیندہ سال تم سے ملسکون"[1] بعض روایتون مین یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہین "شاید مین اس کے بعد حج نہ کرسکون" غدیرخم کے خطبہ مین بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے،

غزوۂ احد کے بیان مین گذرچکا ہے کہ شہداے احد کے جنازہ کی نماز یں نہ پڑھی گئی تھی، تمام غزوات مین صرف غزوۂ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس مین مسلمانون نے سب سے زیادہ بیکسی کے ساتھ جان دی، اس لیے انکی یاد آپ کے دل مین اس وقت بھی موجود تھی،

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانون کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا، اوران کو حسرت کے ساتھ وداع کیا، شہداے احد جو بَلْ اَحْیَاءٌ کے مژدۂ جانفزا سے فیضیاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ نے انکو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ مین ان کی قبر پر تشریف لے گئے، اوران کے لیے دعائے خیر فرمائی، اور اس رقت انگیز طریقہ سے انکو وداع کیا کہ "جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے"[2] اس کے بعد ایک خطبہ دیا جسمین فرمایا "مین تم سے پہلے حوض پر جارہا ہون، اسکی وسعت اتنی ہی جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجکو تمام دنیا کے خزانون کی کنجی دیگئی ہی، مجھے خوف نہین ہو کہ میرے بعد تم شرک کروگے، لیکن اس سے ڈرتا ہون کہ دنیا مین مبتلا ہوجاؤ اور اس کے لیے آپس مین کشت وخون نہ کرو، توپھر اسی طرح ہلاک ہوجاؤ جسطرح تم سے پہلی قومین ہلاک ہوئین" راوی کا بیان ہو کہ یہ آخری دفعہ مین نے رسول اللہ صلعم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا،

غزوات مین گزرچکا ہو کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدود شام کے عربون نے شہید کرڈالا تھا،

(۱) صحیح مسلم وابوداؤد ونسائی - کتاب الحج ، (۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز، وصحیح مسلم باب اثبات الحوض،

آنحضرت صلعم اُن سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے، آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اُسامہ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لیکر جائین اور اُن شریرون سے اپنے باپ کا انتقام لین[۱]،

(۱۸ یا ۱۹) صفر سنہ ۱۱ ہجری[۲] مین آدھی رات کو آپ جنۃ البقیع مین (جو عام مسلمانون کا قبرستان تھا)

(۱ واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس غزوہ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر و عمر کو بھی جانیکا حکم دیا تھا، لیکن یہ روایتین بے سند ہین، اس لیے علامہ ابن تیمیہ نے اسے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے، حضرت عمر کے متعلق تو نہین کہا جاسکتا لیکن حضرت ابوبکر کو آپ نے ایام علالت مین امام نماز مقرر فرمایا، اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے، اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ نے انکو مستثنیٰ کر لیا، ۲ آنحضرت صلعم کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین مین روایات مختلف ہین، امر مختلف فیہ سے پہلے اُن امور کو بتا دینا چاہیے جنپر تمام روایات کا اتفاق ہے، اور جنپر گویا تمام محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے، اور وہ یہ ہین (۱) سال وفات سنہ ۱۱ ھ ہے۔ (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا، (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی (۴) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے، اس بنا پر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپنے کس تاریخ کو وفات فرمائی، تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کیجا سکتی ہے، حضرت عائشہ کے گھر بروایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے دوشنبہ تک) بیمار رہے اور یہین وفات فرمائی، اس لیے ایام علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے۔ عام روایات کے روسے پانچ دن اور چاہئین، اور یہ قراین سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہے، علالت کے ۵ دن آپ نے دوسری ازواج کے حجرون مین بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہارشنبہ سے ہوتا ہے،

تاریخ وفات کی تعیین مین راویون کا اختلاف ہے۔ کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی تحکو کوئی روایت احادیث مین نہین ملسکی، ارباب سیر کے ہان تین روایتین ہین، یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول، اور ۱۲ ربیع الاول، ان تینون روایتون مین باہم ترجیح دینے کے لیے اصول روایت، و درایت دونون سے کام لینا ہے، روایۃً دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطہ سے مروی ہے، (طبری صفحہ ۱۸۱۵) اس روایت کو گو اکثر قدیم مورخون (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے، لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونون مشہور دروغگو اور غیر معتبر ہین، یہ روایت واقدی سے بھی (ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے، (جزء وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے۔ البتہ بیہقی نے دلائل مین بسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے، (نور النبراس ابن سید الناس، وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے، اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تشریف لے گئے وہان سے واپس تشریف لائے تومزاج ناساز ہوا (یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ تھا، پانچ دن تک آپ اس حالت مین بھی ازراہِ عدل وکرم باری باری ایک ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف مین اِسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہی (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہی کیونکہ دو باتین یقینی طور پر ثابت ہین، روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات وصحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ) اِس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذیحجہ سنہ ۱۰ھ کی نوین تاریخ کو جمعہ کا دن تھا (صحاح قصۂ حجۃ الوداع وصحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تک حساب لگاؤ، ذیحجہ - محرم - صفر - اِن تینون مہینون کو خواہ ۲۹ - ۲۹ لو، خواہ ۳۰ - ۳۰ - ۳۰، خواہ بعض ۲۹ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہین پڑسکتا، اِس لیے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہی، دوم ربیع الاول کو حساب سے اسوقت دوشنبہ پڑسکتا ہی جب تینون مہینے ۲۹ کے ہون،

جب دو پہلی صورتین صحیح نہین ہین تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہی جو کثیر الوقوع ہی یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے، اِس حالت مین یکم ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا، اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہی ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ اگر ۹ ذیحجہ کو جمعہ ہو تو ذیل ربیع الاول مین اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہوسکتا ہی

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذیحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہون	۶	۱۳	۲۰
۲	ذیحجہ، محرم اور صفر سب ۲۹ کے ہون	۲	۹	۱۶
۳	ذیحجہ ۲۹، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذیحجہ ۲۹، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذیحجہ ۳۰، محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذیحجہ ۲۹ کا اور محرم وصفر ۳۰ کے ہون	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخون مین سے ۶ - ۷ - ۸ - ۱۳ - ۹ - ۱۴ - ۱۵، خارج از بحث ہین کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید مین کوئی روایت نہین۔ رہ گئین یکم اور دوم تاریخین، دوم تاریخ صرف ایک صورت مین پڑسکتی ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ

بیوی کے حجرہ مین تشریف لے جاتے رہے، دوشنبہ کے دن) مرض مین شدت ہوئی، تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عایشہ کے گھر قیام فرمائین، خلق عمیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہین طلب کی، بلکہ پوچھا کہ کل مین کس کے گھر رہونگا، دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عایشہ کے یہان قیام فرمانے کا تھا، ازواج مطہرات نے مرضیٔ اقدس سمجھکر عرض کی کہ آپ یہان چاہین قیام فرمائین[1]، ضعف اس قدر ہوگیا تھا کہ چلا نہین جاتا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس دونون بازو تھام کر بمشکل حضرت عایشہ کے حجرے مین لائے،

(آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپ مسجد مین نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، سر مین درد تھا، اس لیے سر مین رومال باندھکر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جسمین سورۂ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قراءت فرمائی[2]) عشا کی نماز کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) جو خلاف اصول ہی، یکم تاریخ تین صورتون مین واقع ہوسکتی ہی اور تینون کثیر الوقوع ہین۔ اور روایاتِ ثقات ان کی تائید مین ہین۔ اِس لیے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری ہی، اس حساب مین فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینون کی بنیاد ہی، اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہوسکتے ہون،

کتب تفسیر مین تحت آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ حضرت ابن عباس سے مروی ہی کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ ہج) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہین۔ (دیکھو ابن جریر و ابن کثیر و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ سے لیکر یکم ربیع الاول تک ۲۹ ۲۰ ۲۹، اور ایک مہینہ ۳۰ لیکر جو ہماری مفروضہ صورت ہی پورے ۸۱ دن ہوتے ہین، ابونعیم نے بھی دلائل مین بسند یکم ربیع الاول تاریخ وفات نقل کی ہی۔ صفحہ ۱۴۶۔ س)

[1] صحیح بخاری ذکر وفات، ابن سعد نے بروایت صحیح نقل کیا ہی کہ آنحضرت صلعم کی طرف سے حضرت فاطمہ زہرا نے اجازت طلب کی تھی

(۲) یہ حدیث بخاری و مسلم۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی باب القراءۃ مین مذکور ہی۔ آیندہ حضرت عائشہ کی روایت آئیگی اور جس مین مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد مین ظہر کی آپ نے پڑھائی، حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین ان دونون مین اس طرح بسند صحیح سیلما ہی کہ مغرب کا واقعہ اندرون حجرۂ نبوی کا واقعہ ہی جیسا کہ نسائی نے صحیح (جلد ۲ ص ۱۴۵) (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

کی روایت ثقہ ترین ارب۔

وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگون نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہی، لگن مین پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر اُٹھنا چاہا کہ غش آگیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگون نے پھر وہی پہلا جواب دیا، آپنے پھر غسل فرمایا، اور پھر جب اُٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، اور لوگون نے وہی جواب دیا، تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا، پھر جب اُٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہوا ابوبکرؓ نماز پڑھائین (حضرت عایشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہؐ! ابوبکر نہایت رقیق القلب ہین، آپکی جگہ اُن سے کھڑا نہوا جائے گا، آپنے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائین، چنانچہ) کئی[1] دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن آگے چلکر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس مین مذکور ہی کہ "آنحضرت صلعم نے باہر نکلکر نماز پڑھائی" اسکی تاویل انکو یہ کرنی پڑی کہ "اس سے مقصود ہی کہ خواب گاہ سے باہر آکر" (جلد ۲ صفحہ ۲۰۴) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہین کہ اولًا تو حجرۂ نبوی مین اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے، دوسرے یہ کہ خوابگاہ کے علاوہ حجرۂ نبوی مین اور جگہ کہان تھی، علاوہ ازین احادیث مین صَلّٰی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہین کہ تمام مسلمانون کے امام بنکر نماز پڑھائی گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہین آتا، اس لیے صحیح یہ ہی کہ یہ نماز مسجد نبوی مین پڑھی گئی جیسا کہ عام روایات کا اشارہ ہی۔ آخری نماز مغرب تھی، یا ظہر، اسکی تطبیق یہ ہی کہ آنحضرت صلعم کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا، جیسا کہ آگے عشاء کی نماز کے ذکر مین آئے گا، ظہر کی نماز جو آنحضرت صلعم نے مسجد مین آکر ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی، اصل مین امام پہلے سے حضرت ابوبکر تھے، آنحضرت صلعم آکر بعد کو شریک ہو گئے تھے یہ نماز مسجد مین آپ کی آخری نماز تھی، بعض صحابہ سے یہ مذکور ہی کہ آخری نماز صبح تھی، یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہی یعنی انکو آخری بار یہی موقع ملا۔ س) (۱؎ صحیح بخاری اور مسلم مین بروایت حضرت عایشہؓ یہ تفصیل ہی، دیکھو کتاب الصلوۃ اور وفات)

(۱؎ کسی صحیح روایت مین یہ مذکور نہین کہ حضرت ابوبکر نے آپکی زندگی مین کَے دن تک نماز پڑھائی، ابن سعد نے واقدی سے دو روایتین نقل کی ہین، ایک یہ ہی کہ ۳ وقتون کی نماز پڑھائی۔ دوسری روایت یہ کہ تین دن تک امامت کی، شب جمعہ کی عشا سے دوشنبہ کی صبح تک جس دن آپ نے وفات فرمائی، حساب لگایا جائے تو ۱۷ نمازین ہوتی ہین اور جمعہ سنیچر اور اتوار تین دن ہوتے ہین لیکن اصولًا یہ دونون روایتین نہایت کمزور ہین۔) س س

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ مین تمہارے ایک تحریر لکھدون جس کے بعد تم گمراہ نہوگے، بعض صحابہ نے لوگون کو مخاطب کر کے کہا کہ "رسول صلعم کو مرض کی شدت ہی (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہی جو ہمارے لیے کافی" حاضرین مین اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کیجائے، بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف شوروغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا "اھجر استفھموہ" "خود آپ سے دریافت کرلو" لوگ جب پوچھنے گئے تو آپنے فرمایا "مجھے چھوڑ دو، مین جس مقام مین ہون، وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو"

ؔ۱ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہی، صحیح بخاری مین یہ حدیث مختلف ابواب مین مذکور ہی اور ہر جگہ الفاظ مین کچھ نہ کچھ اختلاف ہے (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ مین یہ روایتین یکجا ہین) جن صحابی نے قلم دوات لانے مین گفتگو کی بخاری مین انکا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابون مین (مثلاً صحیح مسلم) بہ تصریح حضرت عمرؓ کا نام ہی، صحیح مسلم مین (انکے) یہ الفاظ ہین:

قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن وحسبنا کتاب اللہ — آپکو مرض کی شدت ہی ہمارے پاس قرآن موجود ہی خدا کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے

(صحیح مسلم کی دوسری روایتون کے یہ الفاظ ہین)

(۱) فقالوا ان رسول اللہ صلعم یھجر، — تو لوگون نے کہا کہ رسول اللہ صلعم بے حواسی (ھجر) کی باتین کرتے ہین

۲۔ (فقالوا اھجر استفھموہ) — (تو لوگون نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتین کرتے ہین، آپ سے خود پوچھو تو)

اس بناپر یہ روایت شیعہ وسنی کا بڑا معرکہ آرا میدان جنگ ہی، شیعہ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، سنی کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہین رہا۔ خود قرآن مجید مین آیت الیوم اکملت لکم نازل ہوچکی تھی، اس لیے حضرت عمر نے آپکو تکلیف دینا مناسب نہین سمجھا، اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے، اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے، اسوقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا، (اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے، بخاری مین ہی کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلاکر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہین سمجھا اور فرمایا کہ "خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرین گے"، اس اختلاف کے بعد آپنے لوگون کو زبانی تین وصیتین فرمائین، جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہون، یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اسکو ان عام وصیتون کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے اس کے بعد مجمع عام مین جو خطبہ دیا اس مین اس کا اظہار فرما سکتے تھے،) س،

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(اس کے بعد آپ نے تین) وصیتین فرمائین، ان مین سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب مین رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفرا کا اسی طرح احترام کیا جائے جسطرح آپ کے زمانہ مین دستور تھا، تیسری راوی کو یاد نہین رہی[1]،

پھر غسل

(اُسی دن[2] ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پزیر ہوئی،) آپ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکین آپ پر ڈالی جائین، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد مین لائے، جماعت ہو چکی تھی، اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا، اور ان کے پہلو مین بیٹھکر نماز پڑھائی، یعنی آپ کو دیکھکر حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھکر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے؛

(نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے ایک خطبہ دیا، جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپنے فرمایا

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہی کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتون کو قبول کرے، یا خدا کے پاس (آخرت مین) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزین قبول کین"

یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے، لوگون نے انکی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہین؛

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مجکو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکلکر علم کلام کے دائرہ مین نہ آجائے، تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہی مین الفاروق مین لکھ چکا ہون؛-

[1] صحیح بخاری ذکر وفات، (وصحیح مسلم کتاب الوصیتہ) ([2] روایتون مین بالتصریح یہ مذکور نہین ہی کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہی، لیکن صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور مین حضرت جندب کی روایت ہی کہ "حضرت ابوبکر کی شان مین جو الفاظ آپنے فرمائے تھے جنکا بیان آگے آتا ہی وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے" اور چونکہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپ نے دیا تھا، جیساکہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مین حضرت عایشہ کی روایت ہی، اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین یہی فیصلہ کیا ہی؛ س)

یہ رونے کی کون سی بات ہے، لیکن رازدار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلعم ہین، آپ نے
اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا، اور فرمایا "سب سے زیادہ مین جسکی دولت اور صحبت کا ممنون ہون، وہ ابو بکر ہین،
اگر مین دنیا مین کسی کو اپنی امت مین سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے
کافی ہے، مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابو بکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہان تم سے پہلی قومون نے اپنے
پیغمبرون اور بزرگون کی قبرون کو عبادت گاہ بنالیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا مین منع کرجاتا ہون[1]"

زمانۂ علالت مین انصار آپ کی عنایات اور مہربانیون کو یاد کرکے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت
مین حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا، انھون نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انھون
نے بیان کیا کہ "حضور کی صحبتین یاد آتی ہین" ان مین سے ایک صاحب نے جاکر آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان
کیا، آج اسکی تلافی کا موقع تھا، اِس لیے اِس کے بعد آپ نے انصار کی نسبت لوگون کی طرف خطاب کرکے فرمایا
یا ایھا الناس! مین انصار کے معاملہ مین تم کو وصیت کرتا ہون، عام مسلمان بڑھتے جائین گے لیکن انصار
اسطرح کم ہوکر رہ جائین گے جیسے کھانے مین نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہین انکا
فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے (جسم مین بمنزلہ) معدہ کے ہین، جو تمہارے نفع ونقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ
ہو) اس کو چاہیے کہ ان مین جو نکوکار ہون ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو، اُن کو معاف کرے[2]۔

اُوپر گزر چکا ہے کہ رومیون کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت صلعم نے تجویز کیا تھا اسکی سرداری اسامہ
بن زید کو تفویض فرمائی تھی، اسپر بعض لوگون نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی
کہ بڑے بوڑھون کے ہوتے ہوئے نوجوانون کو یہ منصب کیون عطا ہوا، آنحضرت صلعم نے اِس مسئلہ کی نسبت

(1) صحیح بخاری ومسلم مناقب ابی بکر اخیر تذکرہ صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور مین ہے۔ (2) صحیح بخاری
مناقب انصار)

شاد فرمایا:

"اگر اسامہ کی سرداری پر تمکو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا، اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

اسلام اور دیگر مذاہب مین ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندون تک پہنچا وے، چونکہ دوسرے مذاہب مین یہ غلط فہمی شرک اور کفر تک منتجر ہو چکی تھی، اور اس کے نتائج پیش نظر تھے، اس لیے ارشاد فرمایا:

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کیجائے، مین نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب مین حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے"

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، آپ نے فرمایا

"اے پیغمبرِ خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبرِ خدا کی پھوپی صفیہ! خدا کے ہان کے لیے کچھ کر لو، مین تمھین خدا سے نہین بچا سکتا۔"

ا صحیح بخاری بعث اسامہ و مناقب زید بن حارثہ، ۲ یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ۔ ا امام شافعی اور ابن سعد جزء الوفات مین بسند حسن مروی ہے لیکن ان روایتون مین مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ نے فرمایا، بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مین شرکت فرمائی تھی، اور اسکے بعد خطبہ دیا تھا، دوسری غلطی مسند اور ابن سعد مین یہ ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اسکو بیان کرتے ہین، حالانکہ بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ دوشنبہ کو آپ نے صرف پردہ اُٹھا کر جھانکا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز مین شرکت فرمائی، اس)

خطبہ سے فارغ ہوکر آپ حجرۂ عایشہؓ مین واپس تشریف لائے)

آپ کو حضرت فاطمۂ زہراؓ سے بیحد محبت تھی، (اثنائے علالت مین) انکو بلا بھیجا، تشریف لائین تو ان سے کچھ کان مین باتین کین، وہ رونے لگین، پھر بلاکر کچھ کان مین کہا تو ہنس پڑین، حضرت عایشہؓ نے دریافت کیا تو کہا "پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ مین اسی مرض مین انتقال کرون گا، جب مین رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان مین سب سے پہلے تمھین مجھ سے آکر ملوگی، تو ہنسنے لگی"[۱]

یہود و نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگارون کی تعظیم مین جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی، اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لیے حالت مرض مین جو چیز سب سے زیادہ آپ کے پیش نظر تھی یہی تھی، (اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھین اسی حالت مین وہان کے عیسائی معبدون[۲] کا اور انکے مجسمون اور تصویرون کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا ان لوگون مین جب کوئی نیک آدمی[۳] مرجاتا ہی تو اُس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہین، اور اسکا بت بناکر اس مین کھڑا کرتے ہین، قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ مین یہ لوگ بدترین مخلوق ہونگے[۴] عین کرب کی شدت مین جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے حضرت عایشہؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنے،

لعنۃ اللہ علی الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[۵] — یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھون نے اپنے پیغمبرون کی قبرون کو عبادت گاہ بنالیا۔

(۱) صحیح بخاری ذکر وفات، (۲) کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا جسمین حضرت عیسیٰ حضرت مریم اور ولیون اور شہیدون کے مجسمے اور تصویرین ہوتی ہین،)
(۳) جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہین۔)
(۴) صحیح بخاری و صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور) (۵) صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم باب مذکور سابق)

(اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عایشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ عایشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو[1])

(وفات سے ایک دن پہلے اتوار کو) لوگوں نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ نے انکار فرمایا، اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی، لوگوں نے منھ کھولکر پلا دی، افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا، تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے، معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے اس لیے وہ اس حکم سے[2] مستثنیٰ رہے، محدثین اس واقعہ کو لکھکر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضاء تھا، یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے آپ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں، بلکہ لطفِ طبع تھا،

مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا، حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے، دیکھکر مسرت سے ہنس پڑے، لوگوں نے آہٹ پاکر خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہیں، فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے، اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں (حضرت ابو بکرؓ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں) آپ نے اشارہ سے روکا اور حجرۂ شریف میں داخل ہو کر پردہ[3] ڈالدیا[4] صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے[5]، یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمال اقدس کی زیارت کی، حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ و ابن سعد جزء ۲ وفات بروایت متعددہ [2] ابن سعد وفات [3] صحیح بخاری ذکر وفات وصحیح مسلم (التنادی باللدود) [4] صحیح بخاری ذکر وفات وکتب صحاح، کتاب الصلوٰۃ،
[5] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۶۷،)

ں ورق ہے، یعنی سپید ہوگیا تھا،)

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی، اور پھر افاقہ ہوجاتا تھا، حضرت فاطمہ زہرا، یہ دیکھکر بولیں "واکرب اباہ ہائے میرے باپ کی بےچینی"! آپ نے فرمایا "تمھارا باپ آج کے بعد بےچین نہوگا"، حضرت عائشہ فرماتی ہیں آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر وں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں، یا حیات دنیا کو ترجیح دیں، اس حالت میں اکثر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے،

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ — ان لوگون کے ساتھ جنپر خدانے انعام کیا،

اور کبھی یہ فرماتے،

اللّٰهم فی الرفیق الاعلیٰ — خداوندا! بڑے رفیق ہیں،

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقتِ الٰہی مطلوب ہی،)

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمٰن خدمت اقدس میں آئے، آپ حضرت عائشہ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمان کے ہاتھ میں مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر

صحیح مسلم باب الصلوٰۃ، حضرت انس بن مالک کی روایت میں جو صحیح مسلم (کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۶۷) میں ہی بیان ہو کہ تین دن کے بعد آپ اسوقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے لیکن جماعت میں شریک نہ ہوسکے اور واپس گئے، امام شافعی نے کتاب الام میں اور ابن سعد نے جزء الوفات میں ابن ابی سبرہ سے روایت کی ہے کہ آپ اس نماز میں شریک جماعت ہوئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہی، صحیح بخاری وسلم وغیرہ میں بتصریح مذکور ہے کہ آپ شریک جماعت نہ ہوسکے، اور واپس گئے۔ راوی کو گذشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہوا۔ تین دن کے بعد سے مراد جمعرات کا روز جس دن آپ نے خطبہ دیا تھا اس کے بعد سے جمعہ سنیچر اور اتوار کے دن ہیں۔

جھا کر دیکھا، حضرت عایشہ سمجھین کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہین، عبد الرحمان سے مسواک لیکر دانتون سے نرم کی اور خدمت اقدس مین پیش کی، آپ نے بالکل تندرستون کی طرح مسواک کی (اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا، سہ پہر[1] تھی، سینہ مین سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے مین لب مبارک ملے تو لوگون نے یہ الفاظ سنے[2]،

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَت اَیمَانُکُم) نماز، اور غلام،

پاس پانی کی لگن تھی، اس مین بار بار ہاتھ ڈالتے، اور چہرے پر ملتے، چادر کبھی منھ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے، اتنے مین ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا، اور تین دفعہ) فرمایا

بَلِ الرَّفِیقِ الاَعلیٰ، اب اور کوئی نہین، بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے،

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھین پھٹ کر چھت سے لگ گئین،[3] اور روح پاک عالم قدس مین پہنچ گئی،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ صَلٰوۃً کَثِیرًا کَثِیرًا

تجہیز و تکفین تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول کو شروع ہوا، اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے،

(۱) عقیدت مندون کو یقین نہین آتا تھا کہ حضور نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمر یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اس کا سر اڑا دون گا، لیکن حضرت ابوبکر

---

(۱) ابن اسحاق نے سیرت مین لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی، لیکن حضرت انس بن مالک سے بخاری اور مسلم مین روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی۔ حافظ ابن حجر نے دونون روایتون مین اسی طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی اور سہ پہر کا وقت تھا، (۲) ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۲۴ مصر، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا اور ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح) (۳) یہ تمام واقعات صحیح بخاری ذکر وفات کے مختلف ابواب مین مذکور ہین،

آئے، اور انہوں نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور کا اس جہان سے تشریف لیجانا یقینی تھا، اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا،

(۲) اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے،

(۳) **قبر کنی** کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا، اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا،

(۴) جس حجرہ میں آپ نے وفات پائی تھی، وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کرکے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لیے بھی بڑی دیر لگی، اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی [1])

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے پردہ کیا، اور حضرت علیؓ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہی نے پردہ بھی کیا تھا، چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا، اس لیے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے، انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے، رسول اللہ صلعم کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے، حضرت ابو بکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم میں کسی کا حق نہیں ہے اس لیے اگر سب کو اجازت دیدی گئی تو کام رہ جائے گا لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر میں تھے اندر بلالیا وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت **علی** نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت

[1] ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی لیکن تمام تر کذب اور جھوٹ ہے، خود ابن سعد میں صحیح روایتیں یہ ہیں کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی۔ البتہ چہار شنبہ کی شام شروع ہوگئی تھی ابن ماجہ کی روایت ہے (کتاب الجنائز) فلما فرغوا من جہازہ یوم الثلثاء «جب سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی»)

عباس اور ان کے دونون صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کروٹین بدلتے تھے، اور اسامہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے[۱]

(کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا، وہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی، لیکن بعد کو اُتار لی گئی[۲]) اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن مین دیے گئے، ان مین قمیص اور عمامہ نہ تھا[۳]،

(غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہان کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا، نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہین دفن بھی ہوتا ہے، چنانچہ نعش مبارک اٹھاکر، اور بستر الٹ کر حجرۂ عائشہ مین اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا[۴]، حضرت عائشہ کہتی ہین کہ آپ کو کسی میدان مین اس لیے دفن نہین کیا گیا کہ آخری لمحون مین آپ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالین، میدان مین اسکی دارو گیر مشکل تھی[۵]، اِس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا)

مدینہ مین دو صاحب قبر کھودنے مین ماہر تھے، حضرت ابو عبیدہ جراح، اور ابوطلحہ (حضرت ابو عبیدہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودتے تھے، اور ابوطلحہ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی، لوگون مین اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہین، دونون صاحبون کے پاس آدمی بھیجا[۶] جائے، جو پہلے آجائے" لوگون نے اِس راے کو پسند کیا،

---

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ و ۶۳ جزء الوفات طبری (مختصراً) ابوداؤد و کتاب الجنائز مین بھی ان صاحبون کے نام ہین۔ نیز ابن ماجہ کتاب الجنائز۔)
([۲] صحیح مسلم صفحہ ۱۰ (کتاب الجنائز) [۳] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و کتاب الجنائز [۴] ابن سعد جزء الوفات بروایت صحیحہ (و ابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفات نبوی [۵] صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب الوفات [۶] ابن ماجہ کتاب الجنائز)

چنانچہ) حضرت عباس نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابو عبیدہ گھر پر موجود نہ تھے، ابوطلحہ آئے، اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی تھی، یعنی بغلی تھی، زمین چونکہ نم تھی اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی، وہ قبر میں بچھا دیا گیا،

جنازہ طیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ حجرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کرکے جاتے تھے،) پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام[1] نہ تھا،

جسم مبارک کو حضرت علی، فضل بن عباس (اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمان بن عوف) نے قبر میں اتارا[2]،

---

[1] ابن سعد بروایت صحیحہ جزء الوفات (۲) ابوداؤد کتاب الجنائز- ابن ماجہ اور ابن سعد میں اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمان بن عوف کے بجائے قثم بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہیں ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دو روایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے،

متروکات

(آنحضرت صلعم نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات وجائداد مین سے کیا کیا چیزین ترکہ مین چھوڑین)

اِس سوال کا اصل جواب تو یہ ہی کہ آپ خود زندگی مین اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے! اور اگر کچھ تھا بھی تو اُس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے،

لانورث ما ترکنا صدقۃ[1] — ہم (انبیا کا) کوئی وارث نہین ہوتا، جو چھوڑا وہ عام مسلمانونکا حق ہی،

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہین پائینگے" یعنی نہ ہوگی نہ پائین گے، چنانچہ یاد ہوگا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عایشہ کے پاس امانت تھی، آپ نے اُسی وقت نکلوا کر خیرات کرا دیے؛

عمرو بن حارث سے جو ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے، بخاری مین روایت ہی،

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلعم نے وفات کے وقت نہ چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار، نہ
عند موتہ درھمًا ولا دینارًا ولا عبدًا	غلام، نہ لونڈی، اور نہ اور کچھ، حضرت اپنا سفید
ولا امۃً ولا شیئًا الا بغلتہ البیضاء و	خچر، اور ہتیار، اور کچھ زمین جو عام مسلمانون پر
سلاحہ وارضًا جعلھا صدقۃً[2]	صدقہ کر گئے،

ابوداؤد مین حضرت عایشہ کی روایت ہی،

ما ترک رسول اللہ صلعم دینارًا ولا درھمًا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم

[1] یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابون مین ہے۔ بخاری مین متعدد مقامات مین ہی، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض باب فرض الخمس۔ [2] صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

ولا بعیراً ولا شاۃ ، نہ اونٹ، نہ بکری،

بہرحال متروکات مین اگر تھین تو یہی تین چیزین تھین، کچھ زمین، سواری کے جانور، اور ہتیار،

زمین (حضرت عمرو بن حارث نے جس زمین کا ذکر کیا ہے، وہ مدینہ، خیبر، اور فدک کے چند باغ تھے، مدینہ کی جائداد سے بنو نضیر کی جائداد مراد ہی، یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳ھ مین (غزوۂ احد کے موقع پر) آنحضرت صلعم کو چند باغ وصیتہً ہبہ کیے تھے، وہ مراد ہین لیکن صحیح روایتون سے ثابت ہی کہ آنحضرت صلعم نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کر دیے تھے[1]،

فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شیعہ اور اہلسنت مین اختلاف ہی، شیعہ کہتے ہین کہ یہ آپ کی ذاتی جائداد تھی، اور وراثت کے طور پر اہلبیت مین تقسیم ہونی چاہیے تھی، اہلسنت کہتے ہین کہ یہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضہ مین تھی، اور ذاتی ہو بھی تو آپ نے خود فرما دیا تھا کہ،

"ہمارا جو ترکہ ہو، وہ صدقہ ہے"

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت مین پیدا ہو چکا تھا، حضرت عباسؓ (آپکے چچا) حضرت فاطمہؓ (صاحبزادی) اور اکثر ازواج[2] مطہرات مدعی تھین کہ اس جائداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہی، آنحضرت صلعم خود اپنی زندگی مین جس طرح اور جن مصارف مین انکی آمدنی صرف کرتے تھے، اس مین تغیر[3] نہ ہوگا، آنحضرت صلعم نے اپنے زمانۂ حیات مین ان تینون جائدادون کی آمدنی مختلف مدون مین متعین کر دی تھی، بنو نضیر

(۱؎ بخاری باب فرض الخمس مین ہی وصدقتہ بالمدینۃ یہ انھین باغون کے متعلق ہے، تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۰ دیکھو نیز صحیح بخاری مین کتاب المغازی ذکر نضیر ۲؎ صحیح بخاری کتاب الفرائض ۳؎ یہ مکالمہ بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہی - دیکھو کتاب الفرائض)

کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافرون کے لیے وقف تھی، خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصون مین تقسیم فرماتے تھے، دو حصے عام مسلمانون کے لیے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا، اِس مین سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت مین کام آتا[1]، آخر مین حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد اُن دونون کی تولیت مین دیدی تھی، لیکن حضرت علی نے اُسپر قبضہ کرلیا تھا، خیبر اور فدک بدستور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ مین رہے[1])

جانور | ارباب سیر نے آپکے اسپ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اسطرح لکھی ہے جس سے ایک والیِ ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکا ہوتا ہے،

طبری نے ان تمام جانورون کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہین، اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت مین نہایت دلچسپ تھے، لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتین ہین، سب بلا استثناء واقدی سے ماخوذ ہین، پچھلے مصنفین جن مین بڑے بڑے محدثین ہین مثلاً یعمری، مغلطائی، حافظ عراقی، وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہے اور چونکہ یہ مصنفین اکثر سلسلۂ سند نہین لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان سے [illegible] ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہین، لیکن جب تفتیش کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام روایتون کا سلسلۂ سند واقدی سے آگے نہین بڑھتا،

حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے،

---

[1] سنن ابی داؤد، باب صفایا رسول اللہ صلعم (۲۵ حوالۂ مذکورہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دیدیا تھا،)

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صلعم دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَلَا بَعِيرًا وَلَا شَاةً، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری،)

صحیح بخاری (باب الجہاد) مین عمرو بن حویرث (ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے،) سے روایت ہے،

مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الا بغلته البيضاء وسلاحه وارضا تركها صدقة، آنحضرت صلعم نے کچھ نہین چھوڑا، بجز اپنے سفید خچر اور ہتیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہوگئی،

ان روایتون سے معلوم ہوگا کہ متروکات خاصہ مین صرف ایک جانور تھا، ان صحیح اور مُسَلَّم روایات کے ہوتے آنحضرت صلعم کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو **طبری** وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدار سلطنت کے شایان حال ہی، کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہے،

احادیث صحیحہ کے استقرا سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہی کہ عمرو بن حویرث کی مختصر فہرست سے زاید چیزین بھی آپکے قبضہ مین آئین لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہین پڑسکتا، کیونکہ عمرو صرف اسبات کے مدعی ہین کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا، ممکن ہی کہ یہ چیزین وفات سے پہلے آپنے حسب عادت ہبہ یا خیرات کردی ہون، بہرحال (از روے روایات صحیحہ مختلف اوقات مین) حسب ذیل جانور آپکے دائرۂ ملک مین آئے،

لُحَیف، ایک گھوڑا تھا جو ابی بن عباس کے باغ مین بندھتا تھا، بخاری نے کتاب الجہاد مین اسکا ذکر کیا ہے،

عُفَیر. ایک گدھا تھا حضرت معاذ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے مجکو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا،

سے جوڑ دیا گیا تھا، **ذوالفقار** جو حضرت علی کے پاس تھی، ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار
رہی، امام حسین کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آکر ان کی
خدمت میں عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہیں یہ یادگار آپ سے چھن نہ جائے، اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان
کے ساتھ رہے، لیکن انھوں نے یہ ایثار گوارا نہ کیا،

حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کے وہ کپڑے تھے جن میں آپ نے انتقال فرمایا تھا[۱]، استحقاق خلافت کی
بناپر خاتم (مُہر) اور عصائے مبارک جنکا احادیث میں ذکر ہے، پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمر اور حضرت
عثمان کے قبضہ میں آئے، لیکن انھیں کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع گئیں، انگوٹھی تو حضرت عثمان
چنانچہ
باب الجہاد، ۱ ایک کنوئیں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری[۲] نے توڑ ڈالا،

یتیم ، ؤد ا نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے ،)

مین ہے، چنانچہ بخاری سے کے صلعم کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنے دادا، اور چچا کے گھروں میں
صحیح بخاری میں ہے کہ ابن اشکب پہنچے، پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، یہ یقینی طور پر
موقع پر تحفۃً بھیجا تھا[۳]، ۱ اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر

غزوہ حنین میں جس سپید خچر پر آپ سوار تھے، وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھیجا تھا، ارباب
سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے لیکن یہ غلط ہے[۴]، صحیح مسلم میں اسکی تصریح موجود ہے[۵]،)

اسلحہ آں زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانۂ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا،
نو عدد تلواریں تھیں، جن کے یہ نام ہیں، ماثور، عصب، ذوالفقار، قلعی، بتار، حتف، مخذم، قضیب،

(۱ صحیح بخاری ذکر ہجرت ۲ صحیح مسلم و ابوداؤد ذکر حجۃ الوداع ۳ کتاب الجہاد باب بغلۃ النبی صلعم ۴ فتح الباری ذکر غزوۂ
حنین جلد ۸ صفحہ ۲۴ ۵ باب غزوۂ حنین ۔)

...ی ایک

...بلو یہ نہیں پتہ لگا

...بھیاں تھیں، لوہے کا

...ین کہ ان میں سے ایک دیباے سبز

...جس کا نام عقاب تھا، اور بھی سبز و سپید علم تھے۔

آثار متبرکہ ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابوطلحہ انصاری کے ہاتھ آئے تھے،[2] حضرت انس بن مالک کے پاس بھی موئے مبارک تھے[3] ان کے پاس دو چیزیں اور تھیں، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ، جو چاندی کے تاروں

---

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع و کتاب الرہن [2] صحیح مسلم حجۃ الوداع [3] صحیح بخاری کتاب الطہارۃ۔

سے جوڑ دیا گیا تھا، **ذوالفقار** جو حضرت علی کے پاس تھی، ان کے بعد ان کے خاندان مین یادگار رہی، امام حسین کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آکر ان کی خدمت مین عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہین یہ یادگار آپ سے چھن نہ جائے، اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے، لیکن انھون نے یہ ایثار گوارا نکیا،

حضرت عایشہؓ کے پاس آپکے وہ کپڑے تھے جن مین آپنے انتقال فرمایا[1] تھا، استحقاق خلافت کی بنا پر خاتم (مُہر) اور عصائے مبارک جنکا احادیث مین ذکر ہی، پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان کے قبضہ مین آئے، لیکن انھین کے عہد مین یہ دونون چیزین ضائع گئین، انگوٹھی تو حضرت عثمان کے ہاتھ سے ایک کنوئین مین گرگئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاریؓ[2] نے توڑ ڈالا،

امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے،)

مسکنِ مبارک (آنحضرت صلعم کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنے دادا، اور چچا کے گھرون مین پرورش پائی، اور یہین سن رشد کو پہنچے، پچیس سال کی عمر مین حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، یہ تیقن طور پر نہین معلوم کہ اس کے بعد آپ نے اپنے موروثی مکان مین اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے، لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ مین موجود تھا، جسپر عقیل نے جو آنحضرت صلعم کے چچازاد اور حضرت علی کے حقیقی بھائی تھے اور اسوقت تک مسلمان نہین ہوئے تھے قبضہ کرلیا تھا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ تشریف لائے تو لوگون نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کہان قیام

---

[1] (ان تمام آثار مذکورۂ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الخمس مین ہی، [2] خاتم کا ذکر کتاب الخمس کے علاوہ بخاری کتاب اللباس مین ہی، عصائے مبارک کا حال فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۸ سے ماخوذ ہے۔) س

فرمائین گے؟ کیا اپنے دولتخانہ پر ٹھہرین گے؟ آپ نے فرمایا عقیل نے ہمارے لیے گھر کہان چھوڑا؟[1]

مدینۂ منورہ مین تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت صلعم حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرما رہے، اِس اثنا مین آپ تنہا تھے، اہل وعیال مکہ ہی مین تھے، جب آپ نے مسجد نبوی کی نبیاد ڈالی تو اسی کے اطراف مین چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے، اور اُس وقت آپ نے آدمی بھیجکر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا، اور ان ہی حجرون مین اُتارا،[2]

آخر ایام مین آنحضرت صلعم کی نو بیویان تھین، اور الگ الگ حجرون مین رہتی تھین جن مین نہ صحن تھا، نہ دالان تھے، نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے، ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیوارین مٹی کی تھین جو اسقدر کمزور تھین کہ ان مین شگاف پڑ گیا تھا، اور ان سے اندر دھوپ آتی تھی، چھت کھجور کی شاخون اور پتیون سے چھائی تھی، بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمل لپیٹ دیئے جاتے تھے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوکر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا، گھر کے دروازون پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا،[3]

آنحضرت صلعم ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے مین بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحاب کی مجلس مین مسجد مین تشریف رکھتے جو گویا ان حجرون کا صحن یا گھر کی مردانہ نشستگاہ تھی

اِن حجرون کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا جس کو احادیث مین "مشربہ" کہا گیا ہے، ۹ھ مین جب آپ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی، تو ایک مہینہ اُسی پر اقامت فرمائی تھی،[4]

(۱ بخاری فتح مکہ، ۲ ابن سعد،)

(۳ یہ پوری تفصیل ادب المفرد و بخاری باب التطاول فی البنیان و باب البناء مین ہے،)

(۴ ابوداؤد باب امامۃ القاعد،)

اِس بالاخانہ پر سامانِ آرایش کیا تھا، ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس مین کھجور کی چھ تھی، اور اِدھر اُدھر چند کھالین لٹکی ہوئی تھین[1]،

کاشانۂ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس مین رات کو چراغ تک نہین ہوتا تھا[2]، گھر کی دنیا دی اور ظاہری آرایش بھی پسند خاطر نہ تھی، ایک بار حضرت عایشہ نے دیوارون پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپ سخت ناراض ہوے اور فرمایا ہمکو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہین دیا گیا ہے[3]۔

یہ حُجرہ ہاے مبارک آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے قبضہ مین رہے، ان مین جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ اُن کے اعزہ کی ملکیت مین چلا جاتا، جن سے حضرت معاویہ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اکثر حجرون کو خرید لیا تھا[4]،

حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی مین داخل کر لیے گئے، تاہم ولید بن عبد الملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے، ۸۸ھ مین جب حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ کے والی تھے، تمام حجرے بجز حجرۂ عایشہ کے کہ وہ مدفنِ نبوی ہے، توڑ کر مسجدِ نبوی مین ملا دیے گئے، جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہین تمام مدینہ مین کہرام مچا ہوا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور یادگار مٹ گئی[5]،

دایہ | آنحضرت صلعم کو جو ترکہ والد سے ملا تھا اس مین ایک حبشیہ کنیز بھی تھین جنکا نام ام ایمن تھا، آنحضرت صلعم کی اصلی انّا یا دایہ وہی تھین[6]، آنحضرت صلعم کی وفات تک زندہ رہین، آنحضرت صلعم ہمیشہ انکو مان کہکر

(۱) صحیح بخاری صفحہ ۸۶۹ باب ما کان رسول اللہ صلعم یتجوز من اللباس والبسط، (۲) صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۳، باب التطوع خلف المرأۃ، (۳) ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹- کتاب اللباس باب فی الصور، (۴) ابن سعد جزء نساء، (۵) ابن سعد جزء ازواج النبی صلعم، (۶) صحیح مسلم باب رد المہاجرین الی الانصار منائحہم -

پکارتے تھے، اور جب انکو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہین"۔ جب آپنے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو ان کو آزاد کر کے حضرت زید سے جو آپ کے متبنٰی اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہ کے غلام تھے، شادی کر دی، اسامہ انہی کے بطن سے ہین،

آنحضرت صلعم کے مزاح کا یہ واقعہ جو کتابون مین منقول ہی کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم سے ایک اونٹ مانگا، آپ نے فرمایا مین اونٹ کا بچہ دونگا، بولی کہ بچہ لیکر کیا کرون گی، آپ نے فرمایا کہ "جتنے اونٹ ہین، اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہین" انہی کا واقعہ ہی،

یہ اکثر غزوات مین شریک رہین، جنگ احد مین پیاسون کو پانی پلاتین اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتین، جنگ خیبر مین بھی شریک تھین[1]،

خدام خاص صحابہ مین سے بعض عقیدت مند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس مین حاضر رہتے، اور خاص خاص کام انجام دیتے، انکے نام حسب ذیل ہین۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود، مشہور صحابی ہین، فقہ حنفی کے بانی اوّل گویا وہی ہین، امام ابو حنیفہ کی فقہ کا سلسلہ انہی کی روایات اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے، مکہ معظمہ مین قرآن مجید کی اشاعت آنحضرت صلعم کے ابتدائی زمانہ مین ان ہی نے کی، ستر سورتین خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے سنکر یاد کی تھین،

یہ آنحضرت صلعم کے رازدار بھی تھے، اور جب آنحضرت صلعم سفر مین جاتے تو خوابگاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا، جب آپ مجلس سے اُٹھتے تو جوتیان پہناتے، راہ مین آگے آگے

---

[1] یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جزء ثامن، تذکرۂ ام ایمن سے ماخوذ ہین۔

عصا لیکر چلتے، جب آپ کہین کسی مجلس مین جاکر بیٹھتے تو نعلین مبارک اتار کر بغل مین رکھ لیتے پھر اُٹھنے کے وقت سامنے لاکر رکھ دیتے، جلوت وخلوت مین ساتھ رہتے تھے، آنحضرت صلعم کے اخلاق وعادات کا نمونہ بن گئے تھے[1]،

۲- **حضرت بلال**، دنیا ان کو مؤذن کے لقب سے جانتی ہے، یہ حبشی نژاد غلام تھے، مکہ مین ایمان لائے تھے، اور جس جوش وخروش سے ایمان لائے تھے اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب مین گزر چکا ہے، حضرت ابوبکر نے انکو خرید کر آزاد کردیا تھا، اسوقت سے برابر آنحضرت صلعم کیخدمت مین رہے، آپکا خانگی انتظام انہی کے سپرد تھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا، پھر ادا کرنا، مہمانون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یہ تمام باتین ان ہی سے متعلق تھین[2]،

۳- (حضرت انس رض بن مالک بھی آپکے خادم خاص تھے، آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے، انکی مان خدمت اقدس مین ان کو لائین، اور عرض کی "یا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے، لائی ہون کہ خدمت گزاری کرے[3]"

حضرت انس رض نے دس برس تک آپ کی خدمت کی، لوگون کے پاس آنا جانا چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا، ان کے فرائض تھے، چونکہ ابھی کمسن تھے، ان سے کام بن نہین آتے تھے، لیکن آپ نے اُن سے کبھی بازپرس[4] نہ فرمائی،)

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے (مجملاً صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعود مین بھی یہ مذکور ہے، [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷ باب قبول ہدایا المشرکین۔ [3] صحیح مسلم فضائل انس، [4] ابوداؤد کتاب الادب،)

شمائل

شکل ولباس وطعام و مذاق طبیعت

حلیۂ اقدس[1] آپ میانہ قد اور موزون اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ، تھے، بینیٔ مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ہلکا، یعنی بہت پرگوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندانِ مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا، اور سینہ کشادہ تھا، اور رنگ سرخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ و سرگین اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانے پرگوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینۂ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی، شانوں اور کلائیوں پر بال تھے، ہتیلیاں پرگوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی، اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں، پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکلجاتا تھا۔

(صحابہ پر آپ کے حُسن و خوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبداللہ بن سلام جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے "خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں"[2] جابر بن سمرہ ایک صحابی ہیں اُن سے کسی نے پوچھا آپ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے "نہیں ماہ و خورشید کی طرح"[3] یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا، میں کبھی آپ کو

---

(۱) یہ حلیہ بتفصیل شمائل ترمذی و مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ میں اور مختصراً بخاری و مسلم باب صفۃ النبی صلعم میں بھی ہے، (۲) ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۹، (۳) مشکوۃ باب صفۃ النبی صلعم بحوالہ مسلم۔

دیکھتا تھا، کبھی چاند کو دیکھتا تھا، تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے[۱]، حضرت براءؓ صحابی کہتے ہیں، مین نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس مین آپ سے زیادہ خوبصورت نہین دیکھا[۲]۔

آپ کے پسینہ مین ایک قسم کی خوشبو تھی[۳]، چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کیطرح ڈھلکتے تھے[۴]، جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی، حضرت انسؓ کہتے ہین کہ آپ کا رنگ نہایت کھلتا تھا، آپ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا، مین نے دیبا و حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہین دیکھے، اور مشک و عنبر مین بھی آپ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی[۵]،

عام طور سے مشہور ہی کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اسکی کوئی سند نہین ہے،)

شانون کے بیچ مین کبوتر کے انڈے کے برابر خاتمِ نبوت تھی، یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور) شمائل ترمذی مین حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے، مُہرِ نبوت۔

رایت الخاتم بین کتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ	مین نے آنحضرت صلعم کے دونون شانون کے بیچ مین خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا،

(لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ بائین شانہ کے پاس چند ماسون کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی، اسی کو مُہرِ نبوت کہتے تھے[۶]، تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے

(۱ مشکوۃ باب مذکور بحوالۂ ترمذی و دارمی ۲ صحیح مسلم باب مذکور ۳ صحیح مسلم باب مذکور ۴ بخاری قصۂ افک) ۵ مشکوۃ باب مذکور بحوالۂ بخاری و مسلم ۶ صحیح مسلم (باب اثبات النبوۃ) ۷ بعض کتابون مین ہے کہ مُہرِ نبوت پر جو خاتم نبوت تھی اس مین گویا قدرتی طور پر کلمۂ طیبہ تحریر تھا، یہ بالکل بے سند بات ہی احادیث سے اسکا کوئی ثبوت نہین، محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان مین سے بعض روایتین باطل اور بعض بہت ہی ضعیف ہین، حافظ ابن حجر فرماتے ہین لم یثبت منہا شیئٌ (زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۱۸۴) البتہ کلمۂ نقرئی خاتم مین منقوش تھا جو انگشت مبارک مین خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپ پہنا کرتے تھے۔ لوگون نے غلطی سے اسکو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔) س

کہ دونون شانون کے درمیان ایک ذرا اُبھرا ہوا گوشت کا حصّہ تھا جس پر تل تھے، اور بال اُگے ہوئے تھے،)

موئے مبارک

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے، فتح مکہ مین لوگون نے دیکھا تو شانون پر چار گیسو پڑے تھے،

مشرکین عرب بالون مین مانگ نکالتے تھے، آنحضرت صلعم چونکہ کفار کے مقابلہ مین اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتدا مین آپ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے، یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے، معلوم ہوتا ہی کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو انکی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا، اس لیے اخیر زمانہ مین مانگ نکالنے لگے،

(بالون مین اکثر تیل ڈالتے تھے، اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے، ریش مبارک مین گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے،)

رفتار

رفتار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اُتر رہے ہین، ضعیف روایتون مین ہے کہ آنحضرت صلعم کے سایہ نہ تھا، یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہین پڑتا تھا، لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتین صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہین،

گفتگو

گفتگو اور خندہ و تبسم | گفتگو نہایت شیرین اور دلآویز تھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والون کو یاد رہ جاتا، معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے، جس بات پر زور دینا ہوتا، بار بار اس کا اعادہ فرماتے، حالت گفتگو مین اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی، آواز بلند تھی، حضرت ام ہانی رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کعبہ مین قرآن پڑھتے

تھے، اور ہلوگ گھرون مین پلنگون پر لیٹے لیٹے سنتے تھے[1]،

حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام ہند تھا، وہ نہایت خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اسکی تصویر کھینچ دیتے، حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا "آنحضرت صلعم کیونکر تقریر فرماتے تھے" انھون نے کہا "آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، اکثر چپ رہتے، اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہات سے اشارہ کرتے تو پورا ہات اُٹھاتے کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتیلی کا رُخ پلٹ دیتے، تقریر مین کبھی ہات پر ہات مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھین نیچی ہوجاتین ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے، اور یہی آپ کی ہنسی تھی"[2] جریر بن عبد اللہ کا بیان ہی کہ کبھی ایسا نہین ہوا کہ آنحضرت صلعم نے مجکو دیکھا ہو، اور مسکرا نہ دیا ہو، روایتون مین آیا ہی کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ ہنسی آتی تو ڈاڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے لیکن ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرزِ ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ اس زور سے نہین ہنسے کہ نواجذ نظر آئین،

خندۂ وتبسم

لباس | لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا، عام لباس چادر، قمیص، اور تہمد تھی، پاجامہ کبھی استعمال نہین فرمایا، لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہی کہ آپ نے مِنا کے بازار مین پاجامہ خریدا تھا، حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہی کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا، موزون کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ نے استعمال فرمائے، بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے، عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونون شانون کے بیچ مین پڑا رہتا تھا،

عام لباس

پاجامہ

موزہ

عمامہ

[1] ابن ماجہ باب ما جاء فی القراءۃ فی صلوٰۃ اللیل، [2] شمائل ترمذی،

کبھی تحت الحنک کی طور پر لپیٹ لیتے تھے، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی، اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہین فرمائی، (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا، فرماتے

ٹوپی — تھے کہ ہم مین اور مشرکین مین یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیون پر عمامہ باندھتے ہین[۱])

چادر — لباس مین سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادرین[۲] پسند تھین جنکو عربی مین حبرہ کہتے ہین،

عبا — بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جسکی آستین اسقدر تنگ تھی کہ جب وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی، اور ہات کو آستین سے نکالنا پڑا، نوشیروانی قبا بھی جسکی جیب اور آستینون پر دیبا کی سنجاف تھی استعمال کی ہے،

کمل — جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمل جس مین پیوند لگے ہوے تھے، اور گاڑھے کی ایک تہمد نکالکر دکھائی کہ انہی کپڑون مین آپ نے وفات پائی،

حُلۂ حمراء — روایتون مین آیا ہے کہ آپ نے حُلہ حمرا بھی استعمال کیا ہے، حمرا کے معنی سرخ کے ہین اسلیے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لیے ہین لیکن ابن القیم نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہو کہ سرخ لباس آپنے کبھی نہین پہنا، اور نہ آپ مردون کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے، حُلۂ حمرا ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس مین سرخ دھاریان بھی ہوتی تھین اس بنا پر اس کو حمرا کہتے تھے، اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، عام محدثین کہتے ہین کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہین زرقانی مین یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتون سے ثابت ہوتا ہو کہ آپ نے سیاہ، سرخ، سبز، زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہین، لیکن سفید رنگ بہت مرغوب[۳] تھا، (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جسپر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی[۴]) نعلین مبارک اس طرز کے تھے

---

[۱] ابوداؤد کتاب اللباس [۲] صحیح بخاری باب اللباس، [۳] (ابوداؤد کتاب اللباس) مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ ([۴] ابوداؤد جلد ۲ کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر)

نعلین — جسکو اس ملک مین چپل کہتے ہین، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس مین تسمے لگے ہوتے تھے، بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا، جس مین روئی کے بجاے کھجور کے پتے ہوتے تھے، چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی، جس سے اکثر جسم پر بدھیان پڑجاتی تھین،

انگوٹھی — جب آپ نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگون نے عرض کی کہ سلاطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہین کرتے، اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس مین اوپر تلے تین سطرون مین محمد، رسول، اللہ، لکھا ہوا تھا، بعض صحابہ سے روایت ہی کہ آپ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے، اور دہنے ہات کی انگلی مین پہنتے تھے،

خود و زرہ — لڑائیون مین زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے، احد کے معرکہ مین جسم مبارک پر دو دو زرہین تھین، تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا،

عام غذا — غذا، اور طریقۂ طعام | اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پُرتکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہان تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمة مین ہی) تمام عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہین دیکھی، تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے، سرکہ، شہد، حلوا، روغن زیتون، کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے، سالن مین کدو ہوتا تو پیالہ مین اسکی قاشین انگلیون سے ڈھونڈھتے، ایک

مرغوب کھانے — دفعہ حضرت ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہی؟ بولین کہ سرکہ ہی، فرمایا کہ جس گھر مین سرکہ ہو اس کو نادار نہین کہہ سکتے، عرب مین ایک کھانا ہوتا ہی جسکو حیس کہتے ہین، یہ گھی مین پنیر اور کھجور ڈالکر پکایا جاتا ہے، آپ کو یہ بہت مرغوب تھا،

ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام، اور عبداللہ بن عباس، سلمیٰ کے پاس گئے اور کہا

کہ آج ہمکو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت صلعم کو بہت مرغوب تھا، بولین تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگون نے اصرار کیا تو اُنھون نے جَو کا آٹا پیسکر ہانڈی مین چڑھا دیا، اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچین ڈال دین، پک گیا تو لوگون کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ کی محبوب ترین غذا تھی،

گوشت کے اقسام مین سے آپ نے دنبہ۔ مرغ۔ بٹیر۔ (حباری) اونٹ۔ بکری۔ بھیڑ۔ گورخر۔ خرگوش۔ مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا، شمائل ترمذی مین حضرت عایشہ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہٖ آپکو چندان مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہین ہوتا تھا، اس لیے جب کبھی ملجاتا تو آپ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اسیلیے آپ اِسی کی فرمایش کرتے لیکن متعدد روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ یون بھی آپکو یہ گوشت پسند تھا،

حضرت صفیہؓ کے نکاح مین جب آپ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور اور ستّو تھا، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پتلی ککڑیان پسند تھین، ایک دفعہ معوذ بن عفراء کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیان خدمت مین پیش کین، (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)

پانی دودھ شربت

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا، دودھ کبھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس مین پانی ملا دیتے، کشمش، کھجور، انگور پانی مین بھگو دیا جاتا، کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے، کھانے کے ظروف مین ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تارون سے بندھا ہوا تھا، روایت مین اِسی قدر ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہو گا اس لیے تارون سے جوڑ دیا ہو گا،

معمولات طعام

دسترخوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس مین ہاتھ نہ ڈالتے، لیکن اس کو بُرا نہ کہتے، جو سالن سامنے ہوتا اُسی مین ہاتھ ڈالتے، اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے، اور اس سے اورون کو بھی

منع فرماتے، کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک کر نہ کھاتے، اور اس کو ناپسند فرماتے، میز یا خوان پر بھی نہ کھاتے کھایا، خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی عجم اُسی پر کھانا رکھکر کھاتے تھے، چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی، یعنی امرا، اور اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی اس لیے آپ نے اس پر کھانا پسند نہین فرمایا، کھانا صرف تین انگلیون سے کھاتے[1]، گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے، صحیح بخاری مین یہ روایت موجود ہے[2]، ابوداؤد مین ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ یہ اہل عجم کا شعار ہے، لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، اس حدیث کے ایک راوی ابو معشر نجیح ہین جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہین، اور انہی منکرات مین حدیث مذکور بھی ہے[3]

خوش لباسی گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس جب حروریہ کے پاس سفیر ہو کر گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہنکر گئے، حروریہ نے کہا، کیون ابن عباس! یہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر معترض ہو، مین نے آنحضرت صلعم کو بہتر سے بہتر کپڑون مین دیکھا ہے[4]،

حضرت عبداللہ بن عمر نہایت متقشف تھے، ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا، گھر پر آکر دیکھا تو اس مین سُرخ دھاریان تھین، جا کر واپس کر آئے، کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماء (حضرت عائشہ کی بہن) سے کہا، اُنھون نے آنحضرت صلعم کا جبہ منگوا کر لوگون کو دکھایا جس کی جیبون اور آستینون اور دامن پر دیبا کی سنجاف تھی[5]،

---

[1] غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی اور زاد المعاد ابن قیم سے ماخوذ ہین [2] کتاب الاطعمہ باب القطع بالسکین [3] قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۵۲ مصر [4] ابوداؤد کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر، [5] ابوداؤد باب الرخصۃ فی العلم وخط الحریر۔

کر آ۔ بر بعض امرا و سلاطین نے آنحضرت صلعم کو بیش قیمت کپڑے ہدیۃً بھیجے، آپ نے قبول فرمایا، اور کبھی کبھی زیب تن کئے،

مرغوب رنگ رنگون مین زرد رنگ بہت پسند تھا، حدیثون مین ہی کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہانتک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے،[1] (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگون مین اچھا ہے،)

نامرغوب رنگ سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو سرخ کپڑے پہنکر آئے، تو فرمایا یہ کیا لباس ہے، عبداللہ نے جاکر آگ مین ڈال دیا، آپ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دیدیا ہوتا،[2]

عرب مین سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو مغرہ کہتے ہین، اُس سے کپڑے رنگا کرتے تھے، یہ رنگ آپ کو نہایت ناپسند تھا، ایک دفعہ حضرت زینبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھین، آپ گھر مین آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے، حضرت زینبؓ سمجھ گئین، کپڑے دھو ڈالے، آنحضرت صلعم دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہین تب گھر مین قدم رکھا،[3]

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہنکر آیا تو آپ نے اسکے سلام کا جواب نہین دیا، ایک دفعہ صحابہ نے سواری کے اونٹون پر سُرخ رنگ کی چادرین ڈال دی تھین، آپنے فرمایا مین یہ دیکھنا نہین چاہتا کہ یہ رنگ تمپر چھا جائے، فوراً صحابہ نہایت تیزی[4] سے دوڑے اور چادرین اتار کر پھینکدین۔

خوشبو کا استعمال خوشبو آپ کو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے،

---

[1] ابوداؤد باب فی المصبوغ، [2] ابوداؤد باب فی الحمرۃ [3] ابوداؤد۔ [4] یہ تمام روایتین ابوداؤد کتاب اللباس مین ہین

ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہی جسکو سُکہ کہتے ہین یہ ہمیشہ آپکے استعمال مین رہتا تھا، صحابہ کہتے ہین کہ جس گلی کوچہ سے آپ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا، اکثر فرمایا کرتے کہ مردون کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے، اور عورتون کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے[1]

نفاست پسندی

نظافت پسندی | مزاج مین نظافت تھی، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہین ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔[2]

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت مین حاضر ہوا، آپنے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا ہان؛ ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہی تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے[3]،

عرب تہذیب و تمدن سے کم آشنا تھے، مسجد مین آتے تو عین نماز مین دیوارون پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے، آپ اس کو نہایت ناپسند فرماتے[4]، دیوارون پر تھوک کے دھبون کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے، ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لا کر لی، آپ نہایت خوش ہوئے اور اسکی تحسین[5] کی۔

کبھی کبھی مجلس عالی مین خوشبو کی انگیٹھیان جلائی جاتین جن مین اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا[6]۔

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہی؟ بولین کچھ مضایقہ نہین لیکن مین اس لیے ناپسند کرتی ہون کہ میرے حبیب (رسول اللہ صلعم) کو حنا کی بو ناگوار تھی[7]،

[1] شمائل ترمذی، [2] ابو داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی غسل الثوب، [3] ابو داؤد کتاب اللباس [4] نسائی کتاب المساجد [5] نسائی صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ نظامی باب البخور، [6] نسائی صفحہ ۹۵ ، باب کراہیۃ ریح الحناء،

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے،

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہین ہوسکتا کہ بالون کو درست کرلے[1]

ایک دفعہ اُون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اُتار کر رکھدی[2]،

ایک دن لوگ مسجد نبوی مین آئے، چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑون مین چلے آئے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد مین بو پھیل گئی آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا ہوتا[3]، اسی دن سے غسل جمعہ ایک شرعی حکم بنگیا،

مسجد نبوی مین جھاڑو دینے کا التزام تھا، ام محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی، ابن ماجہ مین روایت ہی کہ آپ نے حکم دیا کہ مساجد مین بچے اور مجنون نہ جانے پائین، اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے، یہ بھی حکم دیا کہ مساجد مین جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیان جلائی جائین

اہل عرب بدویت کے اثر سے نظافت اور صفائی کا نام نہین جانتے تھے، اس بنا پر اس خاص باب مین آپ کو نہایت اہتمام کرنا پڑتا تھا۔

عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویون مین عموماً پائی جاتی ہے) کہ راستہ مین بول و براز کرتے تھے، آنحضرت صلعم اس کو نہایت ناپسند فرماتے، اور اس سے منع کرتے تھے، احادیث مین کثرت سے روایتین موجود ہین کہ آپ نے ان لوگون پر لعنت کی ہی جو راستہ مین یا درختون کے سایہ مین بول و براز کرتے ہین، امراء کا دستور ہی کہ کاہلی کیوجہ سے کسی برتن مین پیشاب کرلیا کرتے ہین، اس سے بھی منع فرماتے تھے[4]،

[1] ابو داؤد کتاب اللباس، [2] ابو داؤد کتاب اللباس [3] اس مضمون کی متعدد حدیثین بخاری شریف (غسل جمعہ) مین باختلاف الفاظ و واقعات مذکور ہین۔ [4] ترغیب و ترہیب کتاب الطہارۃ،

عرب مین پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑون کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا، آپ ایک دفعہ راہ مین جا رہے تھے، دو قبرین نظر آئین، فرمایا کہ ان مین سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑون کو پیشاب سے محفوظ نہین رکھتا تھا[1]

ایک دفعہ مسجد مین تشریف لائے، دیوارون پر جا بجا تھوک کے دھبّے تھے، آپ کے ہاتھ مین کھجور کی ٹہنی تھی، اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبّے مٹائے، پھر لوگون کی طرف خطاب کرکے غصہ کے لہجہ مین فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمھارے سامنے آکر تمھارے منھ پر تھوک دے، جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہی تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اُس کے داہنی جانب ہوتے ہین اس لیے انسان کو سامنے یا داہین جانب تھوکنا نہین چاہیے[2]۔

ایک صحابی نے عین نماز مین (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت صلعم دیکھ رہے تھے، فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے، نماز کے بعد یہ صاحب خدمت اقدس مین آئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حکم دیا ہے، فرمایا کہ ہان تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیت دی[3]۔

بودار چیزون مثلاً پیاز، لہسن، اور مولی سے سخت نفرت تھی، حکم تھا کہ یہ چیزین کھا کر لوگ مسجد مین نہ آئین، بخاری مین حدیث ہی کہ جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے، اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے، زمانۂ خلافت مین حضرت عمرؓ نے خطبہ مین کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد مین آتے ہو حالانکہ مین نے آنحضرت صلعم کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزین کھا کر مسجد مین آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکالکر بقیع پہنچا دیا جائے[4]،

[1] صحیح بخاری عذاب القبر، [2] ترغیب وترہیب، [3] ترغیب وترہیب باب البصاق فی المسجد [4] مسلم ونسائی وابن ماجہ،

سواری

سواری کا شوق | گھوڑے کی سواری آپ کو نہایت مرغوب تھی (آپ[1] فرمایا کرتے الخیل معقود فی نواصیھا الخیر، گھوڑون کے علاوہ گدھے، خچر، اونٹ پر آپ نے سواری فرمائی ہے آپ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لُحیف تھا، گدھے کا نام عفیر اور خچر کا نام دلدل اور پتہ اور اونٹنیون کا نام قصواء اور عضباء تھا)

اسپ دوانی

اسپ دوانی | مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جسکی سرحد حصباء سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی، یہان گھڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی،

گھوڑے جو مشق کے لیے طیار کرائے جاتے تھے ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ گھانس کھلاتے تھے، جب وہ موٹے تازے ہوجاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر مین باندھکر چارجامہ کستے پسینہ آتا اور خشک ہوتا، روزانہ یہ عمل جاری رہتا، رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا، خشک ہو کر ہلکا پھلکا، چھریرا بدن نکل آتا، یہ مشق چالیس دن مین ختم ہوتی،

آنحضرت صلعم کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جسکا نام سبحہ تھا، ایک دفعہ اس کو آپ نے بازی مین دوڑایا اُس نے بازی جیتی تو آپ کو خاص مسرت[2] ہوئی،

گھڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علی کے سپرد تھا، انھون نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالک کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کئے جنکی تفصیل حسب[3] ذیل ہے،

۱۔ گھوڑون کی صفین قائم کی جائین اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی،

---

[1] نسائی صفحہ ۵۶۷ باب حب الخیل۔

[2] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۵۵۲ (کتاب السبق بین الخیل مسند احمد اور بیہقی مین بھی یہ واقعہ مذکور ہے)، [3] یہ پوری تفصیل دارقطنی صفحہ ۵۵۳ و ۵۵۴ (کتاب السبق بین الخیل مین ہے لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے)

یا بچہ کو ساتھ رکھا یا زین الگ کردینی ہو الگ کرلے،

۲- جب کوئی آواز نہ آئے تو تین دفعہ تکبیرین کہی جائین تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان مین ڈال دیے جائین،

۳- گھوڑے کے کان آگے نکل جائین تو سمجھ لیا جائیگا کہ وہ آگے نکل گیا،

حضرت علی خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیون کو دونون کنارون پر کھڑا کر دیتے، گھوڑے انہی دونون کے درمیان سے ہو کر نکلتے،

اونٹون کی دوڑ بھی ہوتی، آنحضرت صلعم کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا[1] ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا، اور مسابقت مین عضباء سے آگے نکل گیا، تمام مسلمانون کو سخت صدمہ ہوا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "خدا پر حق ہی کہ دنیا کی جو چیز گردن اُٹھائے اس کو نیچا دکھائے[2]"

رنگون مین صندلی، مشکی اور کمیت بہت پسند تھا[3]، گھوڑون کی دُم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل ہے[4]،

---

[1] (صحیح بخاری ونسائی و دارقطنی و مسند احمد عن انس باب الرہان والسبق،) [2] نسائی مطبوعہ نظامی صفحہ ۵۶۷ (باب مایستحب من شئبۃ الخیل۔ [3] کتب سنن کتاب الادب،)

معمولات

(ترمذی نے شمائل مین حضرت علی سے روایت کی ہو کہ آنحضرت صلعم نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیے تھے، ایک عبادت الٰہی کے لیے، دوسرا عام خلق کے لیے، اور تیسرا اپنی ذات کے لیے

صبح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھکر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے، یہان تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا[۱] (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا، لوگ پاس آآکر بیٹھتے اور آپ اُن کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے[۲])

(اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو؟ کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے، آپ اسکی تعبیر بیان[۳] فرماتے، کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے[۴]، اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی، لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتین کرتے، آنحضرت صلعم صرف مسکرا دیتے[۵]، اکثر اسی وقت مالِ غنیمت اور وظائف و خراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے[۶]،

بعض روایتون مین ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے، گھر جاکر گھر کے دھندے مین مشغول رہتے، پھٹے کپڑون کو سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، دودھ دوہتے[۷]،

نماز عصر پڑھکر ازواج مطہرات مین سے ایک ایک کے پاس جاتے، اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے،

(۱) صحیح مسلم باب تبسمہ صلعم، و ابوداؤد، صفحہ ۱۳۱۸ (۲) جامع ترمذی (۳) صحیح مسلم کتاب التعبیر (۴) صحیح بخاری کتاب التعبیر (۵) نسائی باب قعود الامام، فی مصلاہ، (۶) بخاری اور حدیث کی کتابون مین متعدد جزئی واقعات مذکور ہین۔ (۷) صحیح بخاری باب مایکون الرجل فی مھنة اہلہ و مسند ابن حنبل و مسند عائشہ رض،

پھر جسکی باری ہوتی، وہین رات بسر فرماتے تمام ازواج مطہرات وہین جمع ہوجاتین، عشا تک صحبت[1] رہتی، پھر نماز عشا کے لیے مسجد مین تشریف لے جاتے، اور واپس آکر سو رہتے، ازواج رخصت ہوجاتین نماز عشا کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے[2]،

خواب | عام معمول یہ تھا کہ آپ اوّل وقت نماز عشا پڑھکر آرام فرماتے تھے، سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صیف، تغابن، جمعہ) پڑھکر سوتے، شمائل ترمذی مین ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے،

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْیٰی — خدایا تیرا نام لیکر مرتا ہون اور زندہ رہتا ہون

جاگتے تو فرماتے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ — اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا،

اِلَیْهِ النُّشُوْرُ — اور اسی کی طرف حشر ہوگا،

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اُٹھتے، مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اُٹھکر پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے، اور عبادت مین مشغول ہوتے، آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی، ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایان ہاتھ رخسارے کے نیچے رکھکر سوتے لیکن جب کبھی سفر مین پچھلے پہر منزل پر اترکر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایان ہاتھ اونچا کرکے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آجائے، نیند مین کسی قدر خرّاٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے مین کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر، اور کبھی خالی

---

[1] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات [2] بخاری صلوۃ العشاء،

زمین پر آرام فرماتے[1]،

عبادت شبانہ | آنحضرت صلعم کی خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہ کے برابر کوئی واقف نہ تھا، ان سے مروی ہے کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آگیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیام لیل جواب تک فرض تھا نفل رہ گیا،

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے، جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے، اور اس میں بھی جلسہ کرتے، پھر دو رکعتیں اور ادا کرتے، اسطرح ۱۱ رکعتیں ہوجاتیں لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی، اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے، جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے[2]،

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں،

عشا کی نماز جماعت سے پڑھکر گھر میں چلے آتے، اور یہاں چار رکعتیں پڑھکر خواب راحت فرماتے، وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی، سو کر اُٹھتے پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آکر آٹھ رکعتیں ادا کرتے،

حضرت عبداللہؓ بن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں، زمین پر فرش بچھا ہوا تھا آپ نے اُس پر آرام فرمایا، میں سامنے آڑا سویا، قریباً رات ڈھلے آپ آنکھیں

---

[1] یہ پوری تفصیل زرقانی میں حدیث کی متعدد کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے [2] سنن ابوداؤد باب صلوٰة اللیل۔

ملتے ہوئے اُٹھے آل عمران کی اخیر کی دس آیتین پڑھین، پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی اُس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، مین بھی وضو کرکے بائین پہلو مین کھڑا ہوگیا، آپ نے ہاتھ پکڑکر داہنی جانب پھیر دیا، ۱۳ رکعتین پڑھکر آپ سورہے، یہان تک سانس کی آواز آنے لگی، صبح ہوتے حضرت بلال نے اذان دی آپ اُٹھے فجر کی سنتین ادا کین، پھر مسجد مین تشریف لے گئے،

معمولاتِ نماز (ابتدا مین آپ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے، لیکن جب یہ گران گزرنے لگا تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی، فتح مکہ مین آپ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازین پڑھین[۱]، تاہم عادۃً آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، وضو مین عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے پھر کلی کرتے، اور ناک مین پانی ڈالتے اس کے بعد تین تین بار منھ ہاتھ دھوتے، سر کا مسح کرتے، اور تین بار پانون کو دھوتے[۲]، بعض اوقات کسی عضو کو تین بار، اور کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے[۳]،

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی مین ادا فرماتے، اذانِ صبح ہی کے ساتھ اُٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے یہان تک کہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی یا نہین[۴]، لیکن فرض کی دو رکعتون مین عموماً طویل سورتین پڑھتے، حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ مین نماز فجر مین سورۂ مؤمنین پڑھی اسی طرح کبھی وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ اور کبھی سورۃ قٓ، پڑھتے، صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز مین ساٹھ سے لیکر سو آیتون تک پڑھتے تھے،

ظہر و عصر مین اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے تاہم ابتدا کی دو رکعتون مین سورۂ فاتحہ

---

[۱] صحیح مسلم و مسند جلد ۵ صفحہ ۲۲۵ [۲] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ باب صفۃ الوضوء و کمالہ، [۳] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ باب آخر فی صفۃ الوضوء [۴] مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ باب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیہا،

کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا، اور وہان اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا، اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت مین جاکر شامل ہو جاتا تھا، صحابہ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اوّل دو رکعتون مین آپ اس قدر قیام فرماتے ہین جس مین الٓمّٓ تَنۡزِیۡلُ السَّجۡدَۃ کے برابر سورہ پڑھی جاسکتی ہے، اخیر کی دو رکعتون مین یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی، عصر کی دونون پہلی رکعتون مین ظہر کی آخری رکعتون کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتون مین پہلی رکعتون کی نصف مقدار رہ جاتی تھی، حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم ظہر کی پہلی رکعت مین تیس آیتون کے برابر اور دوسری رکعت مین پندرہ آیتون کے یا اس کے نصف کے برابر، اور عصر مین پندرہ آیتون کے برابر پڑھا کرتے تھے، جابر بن سمرہ کہتے ہین کہ ظہر مین آپ سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلٰی پڑھتے تھے،

مغرب کی نماز مین وَالۡمُرۡسَلٰتِ اور سورۂ طور پڑھتے تھے،

عشا کی نماز مین وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ اور اسی کے برابر کی سورتین پڑھتے تھے،

تہجّد کی نماز مین بڑی بڑی سورتین پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ بقرہ۔ سورۂ **آل عمران** سورۂ نساء،

جمعہ کی پہلی رکعت مین سورۂ جمعہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰات اور دوسری رکعت مین اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ، اور کبھی سبح اسم ربك الاعلٰی اور ھَلۡ اَتٰكَ حدیث الغاشیۃ،

عیدین مین بھی دو پچھلی سورتین یعنی سبح اسم ربك الاعلٰی اور ھل اتاك پڑھتے تھے، اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑجاتا تو دونون نمازون مین بھی دونون سورتین پڑھا کرتے تھے،

جمعہ کے دن کی نماز صبح مین الٓمّٓ تَنۡزِیۡلُ السَّجۡدَۃ اور ھل اتی علی الانسان حین،

ف۵ مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۷ باب القراءۃ فی الظهر والعصر وغیرہما

مِّنَ السَّدَ هْرِ، پڑھنے کا معمول تھا[۱])

معمولات خطبہ (وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمعہ کے لیے تو خطبہ لازمی تھا، جمعہ کے خطبات مین معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے، مسجد مین داخل ہوتے تو لوگون کو سلام کرتے، پھر منبر پر تشریف لیجاتے، تو لوگون کی طرف رُخ کرکے سلام کرتے، اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیتے، پہلے ہاتھ مین ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بنگیا تو ہاتھ مین عصا لینا چھوڑ دیا، خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے، جمعہ کے خطبہ مین عموماً سورۂ "ق" پڑھتے تھے[۲]، اس مین قیامت اور حشر و نشر کا بتفصیل ذکر ہے،

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ مین کوئی کام پیش آجاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے، پھر منبر پر جاکر خطبہ کو پورا فرماتے، ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، اسی حالت مین ایک آدمی نے آکر کہا "یا رسول اللہ! مین مسافر آدمی ہون اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہون اس کے متعلق پوچھنے آیا ہون" آپ منبر سے اُتر آئے، ایک کرسی رکھدی گئی، اسپر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی، پھر جاکر خطبہ کو پورا کیا[۳]۔ ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، امام حسین علیہ السلام سُرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد مین آگئے، چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو ضبط نہ ہوسکا، منبر سے اُتر آئے اور گود مین اُٹھالیا اور یہ آیت پڑھی[۴] اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ،

خطبہ کی حالت مین لوگون کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت

---

[۱] یہ تمام روایتین صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ کتاب الجمعۃ والعیدین مین مذکور ہین [۲] صحیح مسلم [۳] ادب المفرد مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۰ باب الجلوس علے السریر۔

مین ایک شخص مسجد مین آیا، آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی؟ اُس نے کہا نہین" آپ نے فرمایا اُٹھو اور پڑھو"[1]

میدان جہاد مین جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگون کا خیال ہے کہ آپ ہاتھ مین تلوار لیکر کھڑے ہوتے تھے، لیکن ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ کی حالت مین کبھی تلوار ہاتھ مین نہین لی[2]۔

وعظ و ارشاد کے لیے عموماً ناغہ دیکر خطبہ دیا کرتے تھے، تا کہ لوگ گھبرا نہ جائین[3])

معمولات سفر (حج، عمرہ، اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر مین معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہمسفر ہوتین[4] جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے، اور صبح کے تڑکے روانہ ہو جاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے[5] جب سواری سامنے آتی اور رکاب مین قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے، اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے اس کے بعد یہ آیت پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ[6]،

سب تعریف اُس خدا کی جسنے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ ہم خود اسکو مطیع نہین کر سکتے تھے اور ہم اپنے خدا کیطرف پلٹنے والے ہین

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۷ باب اذا رای الامام رجلا جاء وہو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین [2] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۲ فصل فی ہدیہ فی خطبہ [3] بخاری جلد ا صفحہ ۱۶ باب ماکان النبی صلعم یتخولہم بالموعظۃ [4] بخاری جلد ۲ باب حدیث الافک وکتاب المغازی،

[5] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای یوم یستحب السفر و باب فی الابتکار فی السفر [6] ابوداؤد کی ایک روایت مین ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے، پھر یہ دعا پڑھتے، سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت (ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا رکب)

پھر یہ دعا کرتے،

اللھم انا نسألک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھوّن علینا سفرنا واطوِ عنا بعدہٗ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال،

خداوندا! اس سفر مین ہم تجھسے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہین، خداوندا ہمارے اس سفر کو آسان اور اسکی مسافت کو طے کردے، خداوندا سفر مین تو رفیق ہے، بال بچون کے لیے تو ہمارا قائم مقام ہے، خداوندا مین سفر اور واپسی کے آلام، مصائب، اور گھر بار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہون،

جب واپس ہوتے تو اس مین اس قدر اور اضافہ کردیتے، آئبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون، راستے مین جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہوکر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے، جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے،[1]

یا ارضُ ربی وربکِ اللہ اعوذ باللہ من شرکِ وشر ما فیکِ وشر ما خلق فیکِ وشر ما یدب علیکِ واعوذ بک من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے مین تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی ہے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہون، خداوند تجھ سے شیر، سانپ، بچھو، اور

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا سافر،

ومن ساکنی البلد ومن والد وما ولد[۱]، اُس گاؤن کے رہنے والون اور آدمیون سے پناہ مانگتا ہون

جب کسی آبادی مین داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللھم رب السماوات السبع وما اظللن — خداوندا! اے ساتون آسمان اور اُن تمام چیزون کے پروردگار جنپر وہ سایہ افگن

ورب الارضین السبع وما اقللن ورب — ہین، اے ساتون زمینون اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جوانپر موجود ہین

الشیاطین وما اضللن ورب الریاح — اے شیاطین اور اُن تمام نفوس کے پروردگار جنکو وہ گمراہ کرتے ہین اے ہوا اور

وما ذرین اسألک خیر ھذہ القریۃ — اُن تمام اشیاء کے پروردگار جنکو وہ اڑاتی ہین ہین تجھسے اُس گاؤن اور اُس

وخیر اھلھا واعوذبک من شرھا — گاؤن کے رہنے والون کی بھلائی کی درخواست کرتا ہون اور اس گاؤن اور

وشر اھلھا وشر ما فیھا[۲]، — اس گاؤن کے رہنے والون کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہون۔

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد مین جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے[۳]، پھر مکان کے اندر تشریف لیجاتے، تمام لوگون کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائین، تاکہ عورتین اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلین[۴])

معمولات جہاد | (جہاد مین معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقاء کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے،

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا — خدا کے نام پر خدا کی راہ مین کفار سے لڑو، خیانت اور

من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا — بدعہدی نہ کرنا، مردون کے ناک کان نہ کاٹنا، بچون

ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدًا، — کو قتل نہ کرنا،

---

[۱] زاد المعاد فصل فی ہدیہ فی السفر، [۲] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا نزل المنزل [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر، [۴] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق،

اُس کے بعد شرائطِ جہاد کی تلقین کرتے[1]،

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے،

استودع اللہ دینکم وامانتکم وخواتیم اعمالکم[2]، — مین تمہارے فرض کو امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہون،

جب خود شریکِ جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے، صبح ہوجاتی تو حملہ کرتے[3]، اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے[4]، جب کوئی مقام فتح ہوجاتا تو اقامت عدل وانصاف کے لیے وہان تین دن تک قیام فرماتے[5]، جب فتح وظفر کی خبر آتی تو سجدۂ شکرانہ بجالاتے[6]، جب میدان جہاد مین شریک کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے،

اللھم انت عَضُدی ونصیری بک احول وبک اصول وبک اقاتل[7]) — خداوندا تو میرا دست وبازو ہے، تو میرا مددگار ہے، تیرے سہارے پر مین مدافعت کرتا ہون، حملہ کرتا ہون اور لڑتا ہون،

معمولات عیادت وعزا (بیمارون کی عیادت وغمخواری آپ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے[8]، ہجرت کے ابتدائی زمانہ مین معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہ آپ کو اسکی اطلاع دیتے، آپ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے، اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہان تک کہ دم واپسین

---

۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاہم بآداب الغزو وغیرہا، ۲ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعاء عند الوداع ۳ بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر ۴ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء، ۵ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عند الظہور علی العدو بارضہم، ۶ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر، ۷ ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایدعی عند اللقاء ۸ صحیح بخاری باب وجوب عیادۃ المریض۔

کے انتظار مین آپ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی، صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب انکا یہ معمول ہو گیا کہ جب کوئی شخص مرچکتا تو آپ کو اسکی موت کی خبر دیتے، آپ اس کے مکان پر تشریف لیجاتے اس کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے، اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے، ورنہ واپس چلے آتے، لیکن صحابہ کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی، اس لیے خود جنازہ آپ کے مکان تک لانے لگے، اور یہی عام معمول ہو گیا[1]

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لیجاتے تو اس کو تسکین دیتے پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے[2]، اسکی صحت کے لیے دعا فرماتے[3]، اور کہتے ان شاء اللہ طھور یعنی خدا نے چاہا تو خیریت ہے، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے، ایک بار ایک اعرابی مدینہ مین آکر بیمار پڑ گیا آپ اسکی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرمائے اس نے کہا تم نے خیریت کہا شدید تپ ہی جو قبر ہی مین مین ملا کر چھوڑے گی، آپ نے فرمایا ہان اب یہی ہو[4]

معمولات ملاقات | معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کو وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے، کوئی شخص اگر جھک کر آپ کے کان مین کچھ بات کہتا تو اسوقت تک اسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منھ نہ ہٹالے، مصافحہ مین بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہات ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس مین بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینون سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[5]،

[1] (مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۶، [2] صحیح بخاری باب وضع الید علے المریض [3] باب دعاء العائد للمریض، [4] باب عیادت الاعراب) [5] ابوداؤد و ترمذی،

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازہ پر کھڑے ہو کر پہلے "السلام علیکم" کہتا، پھر پوچھتا کہ کیا مین اندر آسکتا ہون؟ (خود بھی آپ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپ اس کو واپس کر دیتے، ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہون؟ آپنے فرمایا کہ "جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو" یعنی پہلے سلام کرلے، تب اجازت مانگے،

ایک دفعہ صفوان بن امیۃ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت صلعم کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہات، دود، ہرن کا بچہ اور لکڑیان بھیجین، کلدہ یون ہی بے اجازت چلے آئے، آپنے فرمایا کہ "واپس جاؤ اور سلام کرکے اندر آؤ"[1]

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی، آپ نے پوچھا کون ہی؟ بولے "مین" آپ نے فرمایا "مین، مین" یعنی یہ کیا طریقہ ہی، نام بتانا چاہیے،

جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائین یا بائین جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم کہکر اذن طلب فرماتے، (راوی کا بیان ہی کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازون پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم سعد بن عبادۃ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لیے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا، سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلعم نے نہین سُنا، حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے

---

[1] یہ دونون روایتین ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مین ہین،

کی اجازت کیون نہین د ۔ ۔ حضرت سعد نے کہا چپ رہو، رسول اللہ بار بار سلام کرین گے جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہوگا، آنحضرت صلعم نے دوبارہ السلام علیکم کہا، اور سعد نے پھر اسی طرح جواب دیا، آنحضرت صلعم نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے، حضرت سعد نے جب آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ مین آپ کا سلام سُن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا (کہ آپ بار بار سلام فرماوین[1]،)

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے اُنھون نے آپ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا، لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے، اور گدا آنحضرت صلعم اور حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان آگیا[2])

معمولات عامہ | (تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ کو محبوب تھا، جوتا پہلے داہنے پانون مین پہنتے، مسجد مین پہلے داہنا پانون رکھتے، مجلس مین کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے،)

---

[1] (ابوداؤد کتاب الادب، [2] ادب المفرد صفحہ ۲۱۹)

مجالسِ نبوی

دربارِ نبوت شہنشاہِ کونین کا دربار نقیب و چاؤش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا، دروازہ پر دربان بھی نہین ہوتے تھے، تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکر تصویر نظر آتا تھا، حدیثون مین آیا ہی کہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سرون پر چڑیان بیٹھی ہوئی ہین یعنی کوئی شخص ذرا جنبش بھی نہین کرتا تھا، گفتگو کی اجازت مین ترتیب کا لحاظ رہتا تھا لیکن یہ امتیاز مراتب نسب و نام، یا دولت و مال کی بنا پر نہین، بلکہ فضل و استحقاق کی بنا پر ہوتا تھا، سب سے پہلے آپ اہلِ حاجت کی طرف متوجہ ہوتے، اور اُن کے معروضات کو سنکر اُن کی حاجت برآری فرماتے،

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے، خود بھی آپ مؤدب ہو کر بیٹھتے، جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا، کوئی شخص [illegible] چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہین سکتا تھا، اہلِ حاجت عرضِ مدعا مین ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے،

آپ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی اُس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے، کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہی تو شکریہ قبول فرماتے، مجلس مین جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ بھی اس مین شامل ہو جاتے، ہنسی اور مہذب ظرافت مین بھی شریک ہوتے، خود بھی مذاقیہ باتین فرماتے، کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسب رتبہ اس کی تعظیم فرماتے، اور فرماتے اکرموا کریم کل قوم، مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت

فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہین ہی، یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہین پہنچا سکتے مجکو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو،

ایران مین معمول تھا کہ جب مجلس مین کوئی معزز شخص آجاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے، یہ بھی قاعدہ تھا کہ روسا، اور امرا جب دربار جماتے تو لوگ سینون پر ہاتھ رکھکر کھڑے رہتے، آپ نے ان باتون سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ "جسکو یہ پسند آتا ہی کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہین، اس کو اپنی جگہ دوزخ مین ڈھونڈھنی چاہیے"[1] البتہ جوش محبت مین آپ کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے، چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا جب کبھی آ[illegible]ین تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی چومتے،(حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیے بھی آپنے اٹھکر چادر بچھا دی تھی)، اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہوگئے، اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا[2]

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب [illegible] ہر شخص کے دل مین یہ خیال نہین آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص کوئی اچھی بات کہتا تو آپ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اسکو مطلع فرما دیتے،[3]

ایک دفعہ دو شخص مجلس اقدس مین حاضر تھے، ان مین ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا، معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن اُنھون نے اسلامی شعار کے موافق الحمد للہ نہین کہا، دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی، انھون نے الحمد للہ کہا، آنحضرت صلعم نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا، معزز صاحب نے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ "انھون نے خدا کو یاد کیا تو مین نے بھی کیا، تم نے خدا کو بھلا دیا تو مین نے

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل [2] ابو داؤد، کتاب الادب برّ الوالدین [3] یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی کی دو مفصل روایتون سے ماخوذ ہے جن مین آنحضرت صلعم کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔

بھی تم کو بھلا دیا[1]"

صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ تک نہ پہنچائیں، آپ فرماتے تھے کہ "مین چاہتا ہون کہ دنیا سے جاؤن تو سب کی طرف سے صاف جاؤن[2]"

مجالس ارشاد | (آنحضرت[3] صلعم کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت نشست، برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا، تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے، اِس بنا پر آپ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کر دیے تھے، کہ لوگ پہلے سے مطلع رہین اور جنکو استفادہ منظور ہو، وہ آسکین،

یہ صحبتین عموماً مسجد نبوی مین منعقد ہوتی تھین، مسجد نبوی مین ایک چھوٹا سا صحن تھا کبھی آپ وہان نشست فرماتے، ابتداءً آنحضرت صلعم کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ کے پہچاننے مین دقت ہوتی، صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا، آپ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونون طرف صحابہ حلقہ باندھکر بیٹھ جاتے[4]،)

آدابِ مجلس | (ان مجالس مین آنے والون کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی، عموماً بدّو اپنے اُسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے،

خلق نبوی کا منظر ان مجالس مین زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہو آپ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہین صحابہ عقیدت کیش غلامون کی طرح خدمت اقدس مین حاضر ہین، ایک شخص آتا ہو اور اُس کو آنحضرت صلعم مین، اور حاشیہ نشینون مین کوئی ظاہری امتیاز نظر نہین آتا، لوگون سے

[1] ادب المفرد امام بخاری [2] ابو داؤد کتاب الادب، [3] اضافہ تا صفحہ ۲۳۲ [4] ابو داؤد باب القدر۔

پوچھتا ہے "محمد کون ہے"؟ صحابہ بتاتے ہیں کہ "یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں"
وہ کہتا ہے "اے ابن عبد المطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا، خفا نہ ہونا" آپ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں[1]،

بااین ہمہ سادگی و تواضع، یہ مجالس رعب و وقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں، آنحضرت صلعم کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ، اخلاق، مذہب، اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا، اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے، مثلاً یا رسول اللہ میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ آپ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے،

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کئے گئے تو آپ نے برہم ہو کر فرمایا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو، میں سب کا جواب دونگا" حضرت عمر نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا رضیت[2]

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا، ایک شخص نے اسطرح سوال کیا تو آپ نے اسکی طرف تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا، بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوتے، کوئی صحرانشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعۃً آجاتا، اور عین سلسلۂ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا، آپ سلسلۂ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اسکی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے، ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے، ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپ نے نہیں سنا، کسی کسی نے کہا

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵ کتاب الایمان، [2] بخاری کتاب العلم۔

"سنا" لیکن آپ کو ناگوار ہوا، آپ گفتگو سے فارغ ہوچکے تو دریافت فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ بدو نے کہا "میں یہ حاضر ہوں" آپ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ فرمایا جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا[1])

اوقات مجلس (اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا، نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوض روحانی کا چشمہ جاری ہوجاتا بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہوجاتی، چنانچہ کعب بن مالک پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجالس میں آکر آنحضرت صلعم کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے، خود ان کے الفاظ یہ ہیں،

وآتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم علیہ وھو فی مجلسہ بعد الصلوۃ فاقول فی نفسی ھل حرک شفتیہ برد السلام ام لا[2]،	میں رسول اللہ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا تھا اور آپ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپ نے جواب سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپ وعظ فرماتے، ترمذی اور ابوداؤد میں عرباض بن ساریہ سے روایت ہے،

وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما بعد صلوۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب[3]،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کہا جس سے آنکھیں اشک ریز ہوگئیں اور دل کانپ اٹھے،

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی،

[1] صحیح بخاری کتاب العلم صفحہ ۱۴، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۵ حدیث کعب بن مالک [3] ترمذی صفحہ ۴۴۰،

لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے یہی مجالس ہین جنکی نسبت احادیث مین یہ الفاظ آئے ہین،

کان یوما بارزا للناس[1] — آنحضرت صلعم ایک دن عام طور پر لوگون کے لیے باہر نکلے تھے

چونکہ افادۂ عام ہوتا تھا اس لیے آپ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے اس بنا پر جو لوگ ان مجالس مین آکر واپس چلے جاتے ان پر آپ نہایت ناراض ہوتے تھے، آپ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد مین بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک صاحب نے حلقہ مین تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہین بیٹھ گئے، دوسرے صاحب کو درمیان مین موقع نہین ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے، لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے، آنحضرت صلعم جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان مین سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے اس کو بھی پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا، ایک نے خدا سے منھ پھیرا خدا نے اس سے بھی منھ پھیر لیا،[2]

پند و نصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کیے جائین لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہین، اس بنا پر آنحضرت صلعم وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دیکر منعقد فرماتے تھے، بخاری مین ابن مسعود سے روایت ہے

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظۃ فی الایام کراھۃ السآمۃ علینا، — آنحضرت صلعم ہم لوگون کو ناغہ دیکر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائین،

عورتون کے لیے مخصوص مجلس (ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردون تک محدود تھا، اور عورتون کو موقع

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲، [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲ کتاب العلم

کم ملتا تھا، اِس بناپر عورتون نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے، آنحضرت صلعم نے یہ درخواست منظور کی اور اُن کے وعظ و ارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہوگیا[۱]،

اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی، اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھین جو خاص پردہ نشینون سے تعلق رکھتے ہین، تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام مین سوال کیغرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپ کو ناگوار ہوتا،

اِس قسم کی پردے کی بات مرد بھی مجمع عام مین پوچھتے تو آپ کو تکدر ہوتا، ایک دفعہ ایک انصاری نے (جنکا نام عاصم تھا) مجلسِ عام مین پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلعم کو ناگوار ہوا، اور آپ نے ان کو ملامت[۲] کی،)

طریقۂ ارشاد (کبھی کبھی آپ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگون کی جودتِ فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا، حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہو کہ ایک دفعہ آپ نے پوچھا "وہ کونسا درخت ہو جسکے پتے جھڑتے نہین، اور جو مسلمانون سے مشابہت رکھتا ہو" لوگون کا خیال جنگلی درختون کی طرف گیا، میرے ذہن مین آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن مین کمسن تھا، اِس لیے جرات نکرسکا بالآخر لوگون نے عرض کی کہ حضور بتائین، ارشاد فرمایا "کھجور" عبداللہ بن عمر کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش مین نے جرأت کرکے اپنا خیال ظاہر کردیا[۳] ہوتا،

ایک روز آپ مسجد مین تشریف لائے، صحابہ کے دو حلقے قائم تھے، ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا مین مشغول تھا، اور دوسرے حلقہ مین علمی باتین ہو رہی تھین، آپ نے فرمایا دونون عمل خیر کررہے ہین

[۱] بخاری کتاب العلم [۲] ایضاً [۳] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۱ باب فضل العلماء،

لیکن خدانے مجکو صرف مُعلّم بناکر مبعوث کیا ہی، یہ کہکر علمی حلقہ مین[1] بیٹھ گئے،

اِن مجالس مین دقیق مباحث، کو جنکی تہ تک عوام نہین پہنچ سکتے، ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس مین مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی، آپ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے، آپ کا چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا۔ گویا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیے ہین، آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اِسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو گذشتہ امتین اِنہی باتون سے برباد ہوئین[2]

اِن مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ جن مسائل مین باہم اختلاف کرتے آنحضرت صلعم ان کا صحیح فیصلہ کر دیتے تھے، مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوص عمل کے منافی سمجھی جاتی ہی اور خود صحابہ کے زمانہ مین بھی سمجھی جاتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین دو شخصون نے اِس مسئلہ مین گفتگو کی، ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا، اور ایک شخص نے فخریہ یہ کہکے نیزہ مارا کہ "میرا وار لیتا مین غفاری جوان ہون" تو اس مین تمھاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا میری رائے مین کچھ ثواب نہ ملیگا، تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سنکر کہا میرے نزدیک اس مین کوئی حرج نہین، اس پر دونون مین اختلاف ہوا، آنحضرت صلعم نے انکی گفتگو سنی تو فرمایا، ثواب اور شہرت دونون مین کوئی مخالفت نہین[3]،

عام خیال یہ تھا کہ قواے عملیہ کے بیکار کر دینے کا نام تقدیر ہی، تقدیر مین جو کچھ لکھا ہوگا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہین سکتی، لیکن آنحضرت صلعم نے ایک مجلس مین جو اتفاقاً منعقد ہو گئی تھی اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہین، انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہی وہی اس کا نوشتہ تقدیر ہین اس لیے توکل قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہین، چنانچہ صحابہ ایک جنازہ مین شریک تھے آنحضرت صلعم

---

[1] سنن ابن ماجہ، صفحہ ۹ باب القدر۔ [2] ایضاً [3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۳،

تشریف لائے اور صحابہ جمع ہوگئے آپ کے ہاتھ مین ایک چھڑی تھی اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا تم مین کوئی ایسا نہین ہے جسکی جگہ جنت یا دوزخ مین لکھی نہ جاچکی ہو، ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کرکے عمل کیون نہ چھوڑ دین، جو شخص سعادت مند ہوگا وہ خود بخود سعادت مندون مین داخل ہوجائیگا اور جو شخص بدبخت ہوگا وہ بدبختون سے ملجائے گا، آپ نے فرمایا سعادت مند وہ لوگ ہین جنکو سعادت مندون کے عمل کی توفیق دیجاتی ہے اور بدبخت وہ ہین جن کے لیے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہوجاتے ہین[1]۔

مجالس مین شگفتہ مزاجی (باوجود اسکے) کہ ان مجالس مین صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتین ہوتی تھین، اور صحابہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین اس طرح بیٹھتے تھے کأنّ الطّیر فوق رؤسھم تاہم یہ مجلسین شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھین، ایک دن آپ نے ایک مجلس مین بیان فرمایا کہ جنت مین خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی، خدا نے کہا کیا تمھاری خواہش پوری نہین ہوئی ہے؟ اسنے کہا ہان، لیکن مین چاہتا ہون کہ فوراً بوؤن اور ساتھ ہی طیار ہوجائے، چنانچہ اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اگا، بڑھا، اور کاٹنے کے قابل ہوگیا، ایک بدّو بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو زراعت پیشہ ہین لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہین، آپ ہنس پڑے[2]،

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مین تباہ ہوگیا، ارشاد ہوا کیون، بولے مین نے رمضان مین بیوی سے ہمبستری کی، آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو، بولے غریب ہون غلام کہان سے لاؤن، ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو، بولے یہ مجھ سے ہو نہین سکتا

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۴، تفسیر وکذب بالحسنیٰ، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۱ باب کلام الرب مع اہل الجنۃ۔

فرمایا ساٹھ مسکینون کو کھانا کھلاؤ، بولے اتنا مقدور نہین، اتفاق سے کہین سے زنبیل بھر کر کھجورین آگئین آپ نے فرمایا تو غریبون کو خیرات کرآؤ، عرض کی اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا، سارے مدینہ مین مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہین، آپ بیساختہ ہنس پڑے، اور فرمایا اچھا تم خود ہی کھاؤ[۱])

فیض صحبت (ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ نے عرض کی کہ ہم جب خدمتِ اقدس مین حاضر ہوتے ہین تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہی، لیکن جب گھر مین بال بچون مین بیٹھتے ہین تو حالت بدل جاتی ہی، آپنے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمھاری زیارت کو آتے[۲]

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ خدمتِ اقدس مین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مین منافق ہوگیا، مین جب خدمت اقدس مین حاضر ہوتا ہون اور آپ دوزخ وجنت کا ذکر فرماتے ہین تو یہ چیزین آنکھون کے سامنے آجاتی ہین لیکن بال بچون مین آکر سب بھول جاتا ہون، ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکلکر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے[۳]

۱؎ بخاری صفحہ ۸۰۰، باب نفقۃ المعسر علی اہلہ۔ ۲؎ ترمذی شریف باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا، امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہین۔ ۳؎ ترمذی ابواب الزہد۔

خطابت نبوی

(خطابت[1] اور تقریر، نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے، اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تو ان کو یہ دعا مانگنی پڑی،

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي ، خداوندا میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں

لیکن سید الانبیاء کو خود بارگاہِ الٰہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا، چنانچہ آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا،

انا افصح العرب — مین فصیح ترین عرب ہون،

بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِم ، — مین کلمات جامعہ لیکر مبعوث ہوا ہون،

عرب مین اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا، تاہم تمام عرب مین دو قبیلے اس وصف مین نمایان امتیاز رکھتے تھے، قریش اور بنو ہوازن، قریش خود آنحضرت صلعم کا قبیلہ تھا، اور بنو ہوازن کے قبیلہ مین آپ نے پرورش پائی تھی، اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا ہے،

انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر[2]، — مین تم مین فصیح تر ہون، قریشی ہون، اور میری زبان بنو سعد[3] کی زبان ہے،

طرز بیان (آنحضرت صلعم نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے، آپ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ کے ساتھ چاوش ہوتے تھے، نہ آپ خطبا کا لباس پہنتے تھے،

---

[1] اضافہ تا ختم باب، [2] طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۷۱، [3] بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے،

ہاتھ مین صرف ایک عصا ہوتا تھا، اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے[1]، ابن ماجہ مین ہے کہ مسجد مین جب آپ خطبہ دیتے تو دست مبارک مین عصا ہوتا تھا اور میدان جنگ مین خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے،

جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا، لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، جب ضرورت پیش آتی آپ فی البدیہہ خطبہ کے لیے تیار ہوجاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے خطبہ دیا ہے، ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا تاہم آپ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے،

عام نصائح اور پند کی باتین گو آپ اخباری فقرون مین بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر موثر بنانا ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت مین شروع فرماتے تھے، غزوۂ حنین مین آپ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اوّل سے آخر تک سوال وجواب ہے، خطبۂ حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات مین جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایان ہے، جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھین سُرخ اور آواز نہایت بلند ہوجاتی تھی غصہ بڑھ جاتا تھا، انگلیان اُٹھتی جاتی تھین گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی فوج کو جنگ کے لیے اُبھار رہے ہین[2]، جوش بیان مین جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا[3]، ہاتون کو حرکت دینے سے پٹھون کے چٹخنے کی آواز آتی تھی[4]، کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے، کبھی کھول دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر نے اس قسم کی پُرجوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے،

---

[1] ابوداؤد جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ ابواب الجمعۃ والخطبۃ علی قوس [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ صفحہ ۳۱۹ جلد اول [3] ابن ماجہ ذکر البعث۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۰۲۔

سمعت رسول اللہ صلعم علی المنبر یقول یأخذ الجبار سمٰوتہ وارضہ بیدہ وقبض یدہ فجعل یقبضها ویبسطها...... قال ویتمایل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یمینہ وعن شمالہ حتی نظرت الی المنبر یتحرک من اسفل شئ منہ حتی انّی لاقول اساقط هو برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

(ابن ماجہ ذکر البعث)

آنحضرت کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان وزمین کو اپنے ہاتھ مین لے لیگا۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے .... آپ کا جسم مبارک کبھی دائین کبھی بائین جھکتا جاتا تھا، یہان تک کہ مین نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصّہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ مین نے خیال کیا کہ آپ کو لے کر گر تو نہسین پڑے گا۔

آنحضرت کے خطبات کی نوعیت

احادیث کی کتابون مین آنحضرت صلعم کے خطبات اور اُن کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کر دیے گئے ہین، لیکن آنحضرت صلعم کی مختلف حیثیتین تھین، اور اس کا اثر آپ کے طرزِ بیان پر پڑتا تھا، آپ داعی مذہب تھے، فاتح تھے، واعظ تھے، امیر الجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے، اس اختلافِ حیثیت نے آپ کے خطابت اور زور بیان مین نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے، آپ بحیثیت داعی مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس مین نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا، اور اسوقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی، چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی،

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ — اپنے اعزہ کو ڈراؤ،

آپ نے تمام قریش کو جمع کرکے ایک خطبہ دینا چاہا ابولہب کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو

پورا نہین ہونے دیا تاہم آپ کی زبان سے اس موقع پر جو چند جملے نکل گئے اُس سے آپ کے زور بیان کا اندازہ ہوسکتا ہی۔ آپ نے صفا پر چڑھکر پہلے پکارا "یا صباحاہ" یہ وہ لفظ ہی جو عرب مین اُسوقت بولا جاتا ہی جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر دفعۃً غارتگری کے لیے ٹوٹ پڑتا ہی، تمام لوگ یہ لفظ سنکر چونک اُٹھے اور آپ کے گرد جمع ہوگئے، آپ نے فرمایا،

ارأیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح هذا الجبل اکنتم مصدقی،	بتاؤ اگر مین تمھین یہ خبر دون کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہی تو کیا تم میری تصدیق کروگے"

سبنے جواب دیا، اب تک آپ کی نسبت ہمکو کسی قسم کی دروغگوئی کا تجربہ نہین ہوا ہی، جب آپنے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا،

انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید،	مین تمہین ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہون جو تمھارے سامنے ہے،

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا، کیا ہم سبھون کو اِسی لیے جمع کیا تھا یہ کہکر چل کھڑا ہوا[1]،

غزوۂ حنین مین آپ نے تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانون کو یہ نہایت ناگوار ہوا، اور انھون نے کہا" خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہی اور ہم کو چھوڑ دیتا ہی حالانکہ ہماری تلوارون سے خون ٹپک رہا ہی، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ مین جمع کرکے اصل حقیقت دریافت فرمائی، لوگون نے کہا" چند نوجوانون نے یہ کہا ہے، لیکن ہم مین جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہین، انھون نے ایک لفظ بھی نہین کہا" اب آپ نے اِس موقع پر کھڑے ہوکر

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ تفسیر سورۂ تبت،

ایک خطبہ دیا،

یا معشر الانصار الم اجد کم ضلالاً فھداکم الله بی وکنتم متفرقین فالفکم الله بی و عالۃً فاغناکم الله بی،

اے گروہ انصار کیا مین نے تمکو گمراہ نہین پایا، پس خدا نے میری وجہ سے تمہین ہدایت دی. تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تمکو مجتمع کردیا، تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تمکو غنی کردیا،

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے "خدا اور اس کا رسول بہت امین ہی" آپ نے فرمایا "یہ کیون نہین کہتے کہ اے محمدؐ! تم اس حالت مین آے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے ہمنے تمہاری تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہمنے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہمنے تمکو گھر دیا، تم محتاج تھے ہمنے تمہاری غمخواری کی"

اس کے بعد آپ نے اصل اعتراض کا جواب دیا،

اترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم فو الله لما تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون،

کیا تم یہ نہین پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکے جائین اور تم اپنے گھرون مین خود پیغمبر کو لیکر جاؤ، خدا کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہی جسکو تمام لوگ لیکر جاتے ہین۔

اس پر تمام انصار پکار اُٹھے "رضینا" یعنی ہم سب راضی ہین[1]،

اس خطبہ کے وجوہِ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ طیار ہو سکتا ہے،

فاتحانہ حیثیت سے آپ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابون مین مذکور ہین، مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا، حرم ایک دار الامان تھا جس مین کبھی خونریزی نہین ہو سکتی تھی، فتح مکہ مین سب سے پہلے اُس کے دامنِ عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔

اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا، اس لیے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے، آنحضرت صلعم کو انہی دونون پہلوؤن پر اپنی تقریر مین زور دینا تھا، چنانچہ آپ نے بہ ترتیب اِن ہی کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق السموات والارض	خدا نے جسدن آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اُسی دن مکہ کو حرام کر دیا
فھی حرام بحرام اللہ الی یوم القیمۃ لم	پس وہ بہ حرمت خدا حرام ہی، وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال
تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی	ہوا" اور نہ میرے بعد حلال ہو گا اور میرے لیے بھی بجز چند گھنٹون
ولم تحلل لی قط الا ساعۃ من الدھر لا ینفر	کے ہرگز حلال نہین ہوا، نہ اس کے شکار دن کو بھگایا جا سکتا،
صیدھا ولا یعضد شوکھا ولا یختلی	نہ اس کا کانٹا کاٹا جا سکتا۔ نہ اسکی گھاس کاٹی جا سکتی۔ نہ اسکی
خلاھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد،	گم شدہ چیز حلال ہو سکتی۔ بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈھ رہا ہی

آنحضرت صلعم کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہی جو آپ نے حجۃ الوداع مین دیا تھا، یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہی جسکو قدرۃً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے، تاہم سلاست، روانی، اور شستگیِ الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبون سے کم نہین۔ آپ نے حمد و نعت کے بعد اِس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی،

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم	لوگو! سنو! کیونکہ شاید مین اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ
بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا، فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا	مین اس شہر مین تم سے نہ مل سکون۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ "غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہی" لیکن اس تفصیل اور اِس پیرایۂ بیان نے اِس مفہوم کو اور بھی زور دار بنا دیا ہی، آپ نے فرمایا کہ مسلمانون کی عزت آبرو، جان مال، سب مسلمانون پر حرام ہے، اِس مطلب کو اِس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہی،

اتدرون ای یوم ھٰذا قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال فان ھٰذا یوم حرام افتدرون ای بلد ھٰذا، قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شھر ھٰذا قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال شھر حرام،

کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ نے فرمایا یہ یوم الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپنے فرمایا بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے، لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اسکا علم ہے آپنے فرمایا شہر حرام ہے،

اِس طرح جب لوگون کے دل مین اِس دن، اِس مہینہ اور اِس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہوگیا، تو آپ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا،

ان اللّٰہ حرم علیکم دماءکم واموالکم واعراضکم کحرمة یومکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا، لاترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض،

خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، تم پر اس مہینہ مین اس شہر مین اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا، میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ تم مین ہر ایک دوسرے کی گردن مارے،

آپ نے اِن الفاظ مین مساوات کی تعلیم دی ہے،

ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم من آدم وآدم من تراب ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم

تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی کے تھے خدا کے نزدیک تم مین شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے،

عرب کا عام ذریعۂ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرم کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہین رہ سکتے تھے اِس لیے اِن مہینون کو ادل بدل کیا کرتے تھے جسکو نسئی کہتے ہین، قرآن مجید نے اسکی ممانعت کی،

إِنَّمَا النَّسِيُّ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ، نسی کفر مین اضافہ کرتی ہے،

آپ نے اپنے خطبہ مین اس کا اعلان ان الفاظ مین فرمایا،

ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق — زمانہ ہر پھر کے پھر اُسی مرکز پر آگیا جیسا کہ اس دن تھا

اللّٰہ السمٰوات والارض، — جب خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا،

اِن حیثیتون کے علاوہ آپ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپ نے اِس حیثیت سے جو خطبے دیے ہین وہ اگرچہ نہایت سادہ ہین تاہم ان مین بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے، ایک اخلاقی واعظ کے لیے پرزور ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہین ہوتی، اُس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبون سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے، آنحضرت صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے اِس حیثیت سے جو خطبے دیے ہین، وہ تمامتر اِسی قسم کے ہین، مدینہ آکر سب سے پہلا فقرہ جو زبانِ مبارک سے نکلا یہ تھا،

یا ایھا الناس، افشو االسلام، واطعموا الطعام، — لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو، جب اور لوگ

وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بسلام، — سوتے ہون، جنت مین سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے،

مدینہ مین جو سب سے پہلا جمعہ آپ نے پڑھا ہے، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد و ثنا کے بعد اُس مین آپ نے یہ خطبہ دیا تھا، — حمد و ثنا کے بعد اے لوگو اپنے لیے پہلے سے سامان کرو تم کو معلوم

اما بعد ایھا الناس فقدموا لانفسکم تعلمن — ہو جائیگا کہ خدا کی قسم تم مین سے ایک جب اپنے ہوش و حواس

واللّٰہ لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمہ لیس لھا — کھو چکے گا اور اپنی بکریون (مال و دولت) کو چھوڑ جائیگا جنکا

راع ثم لیقولن لہ ربہ لیس لہ ترجمان ولا — کوئی نگہبان نہو گا، پھر خدا اُسکے بیچ مین نہ کوئی ترجمان ہو

حاجب یحجبہ دونہ الم یاتک رسولی فبلغک
وآتیتک مالا فافضلت علیک فما قدمت
لنفسک، فلینظرن یمینا وشمالا فلا یری
شیئا ثم لینظرن قدامہ فلا یری
غیر جھنم فمن استطاع ان یتقی بوجھہ
من النار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل
ومن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ فانھا تجزی
الحسنۃ بعشر امثالھا الی سبع مائۃ ضعف
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نہ دربان ہے جو روکے گا، اُس سے کہیگا کہ کیا تیرے پاس میرا
فرستادہ نہین آیا، اور میرا پیغام نہین پہنچایا، اور مین نے
تجکو دولت نہین دی، اور حاجت سے زیادہ نہین عطا
کیا، تو، تو نے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا، اُسوقت وہ بندہ
داہنے بائین دیکھیگا تو اُس کو کچھ نظر نہین آئیگا اپنے سامنے دیکھیگا
تو جہنم کے سوا اُسکو کوئی چیز نظر نہین آئیگی پس جسکو قدرت ہو وہ
اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑہ ہی سے
کیون نہو اگر کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات
ہی سے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دہ گونہ بلکہ ہفتصد گونہ دیا جائیگا تم پر خدا کی
سلامتی اور اُسکی رحمت و برکت نازل ہو،

اس کے بعد دوسری دفعہ آپ نے فرمایا،

الحمد للہ احمدہ واستعینہ ونعوذ باللہ
من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا
من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل
فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ، ان احسن الحدیث
کتاب اللہ قد افلح من زینہ اللہ فی قلبہ
وادخلہ فی الاسلام بعد الکفر فاختارہ

خدا کی حمد ہو، مین خدا کی حمد کرتا ہون اور اس کے دامن مین اپنے نفس
کی بُرائیون اور اپنے اعمال کی خرابیون سے پناہ چاہتے ہین جسکو خدا ہدایت
دے اسکو گمراہ نہین کر سکتا اور جسکو وہ ہدایت نہ کرے اُسکی کوئی ہنمائی
کرنیوالا نہین مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہین،
وہی تنہا ہے کوئی اُسکا شریک نہین، بہترین کلام خدا کی کتاب ہے
کامیاب ہوا وہ جسکے دلکو خدا نے اُس سے آراستہ کیا اور اسکو کفر کے
بعد اسلام مین داخل کیا، انسانون کی باتون کو چھوڑکر خدا کے کلام

على ما سواه من احاديث الناس انه
احسن الحديث وابلغه، احبّوا ما احبّ الله
احبّوا الله من كل قلوبكم، ولا تملّوا كلام
الله وذكره ولا تقس عنه قلوبكم فاعبدوا
الله ولا تشركوا به شيئًا واتقوا حق تقاته
وصدقوا الله صالح ما تقولون بافواهكم
وتحابّوا بروح الله بينكم ان الله يغضب
ان ينكث عهده، والسّلام عليكم
ورحمة الله وبركاته،

پسند کیا، کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پر اثر ہے جسکو خدا
دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو، اور خدا کو دل سے پیار کرو
اور اس کے کلام اور ذکر سے کبھی نہ تھکو، اور تمہارے دل اسکی
طرف سے سخت نہ ہون، پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا
ساجھی نہ بناؤ، اور اس سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے،
اور خدا سے سچی بات کہو، اور آپس مین ایک دوسرے کو ذات
الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو، خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ
کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے، تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت
اور برکت نازل ہو،

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے خطبہ دیا جس مین صرف پانچ باتین بیان کین،

ان الله لا ينام ولا ينبغى له ان ينام يخفض
القسط ويرفعه، يرفع اليه عمل الليل
قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل
عمل الليل، حجابه النور (صحيح مسلم رؤية الله تعالى)

ہان خدا سوتا نہین اور نہ سونا اسکی ذات کے شایان شان ہے
وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو
دن سے پہلے پہنچ جاتے ہین، اور دن کے اعمال رات سے
پہلے۔ خدا کا پردہ نور ہے،

جمعہ کے خطبہ مین عموماً زہد و رقاق، حسن اخلاق، خوف قیامت، عذاب قبر، توحید و صفاتِ الٰہی بیان کرتے تھے، ہفتہ مین کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اُس کے متعلق ہدایات فرماتے تھے، اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کی کوئی انھین مضامین کی موثر سورت قٓ وغیرہ پڑھ دیا کرتے، یہ سورہ

آپ جمعہ کے خطبہ مین اکثر اور بیشتر پڑھا کرتے تھے، عید کے خطبہ مین ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے، اتفاقی خطبے ضرورت کے موقعون پر دیا کرتے تھے، اور ان مین مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے، ایک دفعہ آفتاب مین گہن لگا، اتفاق سے اُسی دن آپ کے کمسن فرزند حضرت ابراہیمؑ نے وفات پائی تھی، مزعومات عرب کے مطابق لوگون نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہے، آپ نے اسموقع پر حسب ذیل خطبہ دیا،

اما بعد یا ایها الناس انما الشمس والقمر آیتان من آیات الله وانهما لا ینکسفان لموت احد من الناس،

حمد وثنا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیان ہین، وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہین ہوتے،

ما من شيء لم اکن رأیته الا قد رأیته في مقامي هذا حتی الجنة والنار وانه قد اوحي الی انکم تفتنون في القبور مثل فتنة الدجال فیوتی احدکم فیقال ما علمك بهذا الرجل فاما الموقن فیقول هو محمد هو رسول الله جاء بالبینات والهدی فاجبنا واطعنا، اما المرتاب فیقول لا ادري سمعت الناس یقولون شیئا فقلت،

جس چیز کو مین نے پہلے نہین دیکھا تھا، اسکو یہین دیکھ لیا یہانتک کہ جنت و دوزخ کو بھی، اور ہان مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبرون مین آزمائے جاؤگے جسطرح دجال سے آزمائے جاؤگے تم مین سے ہر شخص کے پاس ایک آنیوالا آئیگا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت صلعم) کی نسبت کیا جانتے ہو، یقین والے کہین گے یہ محمد ہین یہ خدا کے رسول ہین جو نشانیان اور ہدایتین لیکر آئے، تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی، اور متشکک کہین گے مین نہین جانتا لوگون کو جو کہتے سنا وہ کہدیا،

انہ عرض علی کل شیئ تولجونہ فعرضت علی الجنۃ حتی لوتناولت منہا قطفا اخذتہ فقصرت یدی عنہ وعرضت علی النار فرأیت فیہا امرأۃ تعذب فی ھرۃ لہا ربطتہا فلم تطعمہا ولم تدعہا تاکل من حشاش الارض، ورأیت ابا ثمامۃ عمرو بن مالک یجر قصبہ فی النار وانہم کانوا یقولون ان الشمس والقمر لا یخسفان الا لموت عظیم وانہما آیتان من آیات اللہ یریکموھما فاذا خسفا فصلوا حتی تنجلی،[1]

میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جنمین تم داخل ہوگے تا آنکہ اگر مین چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا، لیکن میرا ہاتھ رک گئی دوزخ میرے سامنے رونما گئی مین نے اس مین ایک عورت کو دیکھا جسکو صرف اسلیے سزا دیجارہی تھی کہ اسنے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اسکو خود کچھ کھانیکو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز کھائے، مین نے دوزخ مین ابو ثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا، یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب وماہتاب مین کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے، حالانکہ وہ تو خدا کی دو نشانیان ہین جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ، تا آن کہ وہ صاف ہوجائے۔

ردّ بدعت اور اعتصام بالسنۃ مین آپکا یہ مختصر خطبہ بتغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابون مین منقول ہے،

انما ھما اثنتان الکلام والھدی فاحسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتہا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ الا لا یطولن علیکم الامد فیقسو

صرف دو باتین ہین قول اور عملی طریقہ، تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمدؐ کا طریقہ ہے، خبردار (مذہب مین) نئی باتون سے بچو، نئی باتین بدترین چیزون ہین، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ تمکو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہوجائین، جو چیز آنیوالی ہے وہ قریب ہے دور وہ چیز ہے

[1] صحیح مسلم بروایت مختلفہ۔

قلوبکم الا ان ما ھو آت قریب وان البعید
ما لیس بآت الا انما الشقی من شقی فی بطن
امہ والسعید من وعظ بغیرہ الا ان قتال
المومن کفر وسبابہ فسوق ولا یحل لمسلم
ان یھجر اخاہ فوق ثلاث الا وایاکم والکذب،
(ابن ماجہ (باب اجتناب البدع)

جو آنے والی نہین ہے، بدبخت اپنی مان کے پیٹ مین بدبخت
ہوتا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل
کرے۔ خبردار مسلمان سے لڑنا کفر، اور اس سے گالی گلوج
کرنا فسق ہے، مسلمان کے لیے جائز نہین کہ تین دن
سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے۔ ہان خبردار
جھوٹ سے پرہیز کرنا)

اثرانگیزی (خطبات نبوی، تاثیر اور رقت انگیزی مین درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے، پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سنکر چند لمحون مین موم ہو جاتے تھے، مکہ مین ایک دفعہ آپ نے سورۂ والنجم کی آیتین تلاوت کرکے سنائین تو یہ اثر ہوا کہ آپ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان، بڑے بڑے کفار بھی سجدہ مین گر پڑے[1]،

آنحضرت صلعم کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے یہ سنکر کہ نعوذ باللہ آپ کو جنون ہے بغرض علاج آئے، آپ نے اُن کے سامنے مختصر سی تقریر کی، اُنھون نے کہا کہ محمد ذرا اس کو پھر تو دُہرانا، غرض آپ نے کئی بار تقریر دُھرائی تو اخیر مین انھون نے کہا "مین نے شاعرون کے قصیدے اور کاہنون کے کلام سنے ہین لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے[2]"۔

ایک دفعہ ایک نو مسلم قبیلہ ہجرت کرکے مدینہ آیا، آپ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی مین تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ نے ایک خطبہ دیا جس مین قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہین، یعنی،

[1] صحیح بخاری سورۂ والنجم، [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ وقصر الخطبہ،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، — اے لوگو! اُس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا،

پھر سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ،

اِس کے بعد فرمایا "درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ چھوہارہ کا ایک ٹکڑا، جو ہو، راہِ خدا مین دو" مدینہ کے مسلمانون کی مالی حالت جیسی کچھ تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے لیکن با این ہمہ آپ کی رقت انگیز اور موثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھدیا، بعضون نے اپنے کپڑے اُتار دیے، کسی نے گھر کا غلّہ لاکر دیدیا، ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیون کا ایک توڑا اُٹھالائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل اُن سے اُٹھ سکتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے، اور خوشی سے آپ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا[1]،

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات مین آپ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کرکے جوشِ محبّت کا دریا بہا دیتے تھے، اوس وخزرج کی سالہا سال کی عداوتین اسی اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبّت ہو گئین غزوۂ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپ سوار ہو کر نکلے، مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانون نے تو ادب سے سلام کیا لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا، یہ چنگاری تھی جس نے خرمن مین آگ لگادی، قریب تھا کہ جنگ وجدل برپا ہو جائے، لیکن آپ کے چند فقرون نے آگ پر پانی ڈال دیا[2]،

غزوۂ مصطلق سے واپسی مین ایک واقعہ پر بعض منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت ممکن تھا کہ مہاجرین وانصار باہم دست وگریبان ہو جائین کہ عین وقت پر آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی، آپ تشریف لائے تو اس طرح

---

[1] صحیح مسلم باب الصدقات، [2] صحیح بخاری السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر،

تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین و انصار[1] پھر شیر و شکر تھے، واقعۂ افک میں اوس و خزرج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں، آپ منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہریں پھر[2] جاری ہوگئیں،

غزوۂ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم پر جب انصار میں آزردگی پیدا ہوگئی تھی اسوقت آپ نے جس بلیغ انداز میں تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے، اس قدر روے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور دل کا سارا غبار آب کوثر کے ان قطروں سے دفعۃً دھل گیا،[3]

فتح مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپ نے روساے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان میں سے وہ لوگ جنکی آنکھوں میں خلق محمدی کا جلوہ نہ تھا، معترض ہوئے کہ "آخر آپ کو اپنے وطن، و خاندان کی محبت آہی گئی" آپ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے، عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا "وطن و خاندان کی پاسداری میرے پیش نظر نہ تھی، میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں، میں نے اللہ کی طرف ہجرت کی، اور تمہاری طرف، اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے" یہ سنکر انصار پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے،

وعظ و نصیحت میں جو خطبات آپ ارشاد فرماتے تھے، وہ بھی اسی قدر موثر ہوتے تھے، ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں،

وعظنا رسول اللہ صلعم یوماً بعد الصلوٰۃ الغداۃ

صبح کی نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے ایک دن ایسا موثر

[1] صحیح بخاری تفسیر منافقین و ابن سعد غزوۂ مذکور، [2] صحیح بخاری قصۂ افک، [3] صحیح مسلم فتح مکہ،

موعظة بليغة ذرفت منها العيون و — وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہوگئیں، اور دل
وجلت منها القلوب (ترمذی و ابوداؤد) — کانپ اٹھا،

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں،

قام رسول الله صلعم خطيباً فذكر فتنة — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور
القبر التي يفتتن بها المرء فلما ذكر ذلك — اس میں فتنۂ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمایش کیجاتی
ضج المسلمون ضجة[1] ، — جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے،

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے، "والذی نفسی بیدہ، قسم ہے اُس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے" یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے، لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا، راوی کہتے ہیں کہ ہمکو بھی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں[2]،)

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر موثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا۔ اثنائے تقریر میں آپ نے فرمایا "اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ" اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈالکر بے اختیار رونے لگے[3]۔

---

[1] صحیح بخاری باب ما جاء فی عذاب القبر [2] سنن نسائی کتاب الزکوة [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ مائدہ،

عبادتِ نبوی

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

اے محمد جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑا ہو جا اور اپنے رب سے دل لگا

(دنیا[1] مین آنحضرت صلعم کے سوا، اور کوئی پیغمبر ایسا نہین گذرا جس کے متعلق صحیح طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ اسکا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور انکی عبادتون کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیاء مین حضرت نوحؑ، بلکہ آدمؑ سے لیکر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات توراۃ مین مذکور ہین انکی زندگی کا یہ باب صحائف بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے، انجیل مین حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہین کہین صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائین مانگا کرتے تھے، لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیروؤن نے اپنے پیغمبرون کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی جنپر دین و شریعت کا دار و مدار ہے وہ محفوظ نہین رکھ سکے، پیروان اسلام کو یہ فخر ہے کہ اُنھون نے اوّل سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادت اُس کے طریقے، اُس کے انواع، اُسکی کیفیات، غرض اُس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے)

دعا و نماز (آنحضرت صلعم نبوت سے پہلے بھی عبادتِ الٰہی مین مصروف رہتے تھے، اور غارِ حرا مین جاکر مہینون قیام اور مراقبہ کرتے[2] تھے، نبوت کے ساتھ ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا، لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اِس لیے چھپکر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی مین چلے جاتے، اور وہان نماز پڑھ لیتے ایک دفعہ آپ حضرت علی کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے ابو طالب آنکلے، اُنھون نے

---

[1] اضافہ تا ختم باب، [2] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

دیکھا تو پوچھا "بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ آپ نے اُنکو اسلام کی دعوت[1] دی۔

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی مین ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب[2] مین بھی جائز تھی، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دن آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے اور روساے قریش بیٹھے تمسخر کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا، "کاش اسوقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھالاتا، اور محمدؐ جب سجدہ مین جاتے تو وہ اُنکی گردن پر ڈال دیتا" چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا[3]، نماز مین جب آپ جہر سے قرأت فرماتے تو کفار بُرا بھلا[4] کہتے،

ایک دفعہ آپ حرم مین نماز ادا کر رہے تھے، بعض اشقیا نے چاہا کہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئین[5]، ایک دفعہ ایک شقی نے گلے مین پھانسی ڈال[6] دی، لیکن با این ہمہ مزاحمت، لذت شناس یاد الٰہی اپنے فرض سے باز نہین آتا تھا،

راتون کو اُٹھ اُٹھ کر آپ نمازین پڑھا کرتے تھے، اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتین ہین، ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ رات بھر نماز مین کھڑے رہے، ام سلمہؓ کہتی ہین کہ آپ کچھ دیر سوتے، پھر کچھ دیر اُٹھکر نماز مین مصروف ہوتے، پھر سو جاتے، پھر اُٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صبح تک یہی حالت قایم رہتی، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپ اُٹھتے تھے، اور ۱۳ رکعتین ادا کرتے تھے، حضرت عایشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب مین تطبیق دی ہے کہ آپ ان طریقون مین سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا[7] ہے، عام طور پر

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۹۹، [2] ابن اثیر۔ [3] صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوۃ، [4] صحیح بخاری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل [5] ابن ہشام۔ ذکر قبل ہجرت۔ [6] صحیح بخاری باب مالقی النبیؐ بمکۃ۔ [7] اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب مین بتفصیل لکھا ہے جلد ۱ صفحہ ۵۵۴۔

آخر میں آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادت شبانہ کے عنوان میں گزر چکا ہے،

فرایض پنجگانہ کے علاوہ آپ کم از کم سنن و نوافل کی ۳۹ رکعتین روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے، دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ) دو مغرب، چھ عشاء، تیرہ تہجد، دو وتر۔ ان کے علاوہ صلوۃ الاوابین، سنت تحیت مسجد وغیرہ الگ تھین، تمام سنن مین سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتون کے آپ سختی سے پابند تھے،[1] کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اسکی قضا پڑھتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اسکی ضرورت عام امت کے لیے نہین، ایسا واقعہ حضر مین صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے، ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس مین باریاب ہوا جسکی وجہ سے آپ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے، نماز عصر کے بعد آپ نے بعض ازواج مطہرات کے حجرون مین جاکر دو رکعت نماز ادا کی، چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لیے ازواج مطہرات نے استفسار کیا، آپ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لیے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن چونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہین کرتے تھے اس لیے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا،[2]

رمضان کا مہینہ آپ کی عبادتون کے لیے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہین کہ "آپ فیاض تو تھے ہی، لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبرئیل قرآن سنانے آتے تو آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی، آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی،[3] رمضان کے ۔ ۔

[1] صحیح بخاری ابواب نوافل، وسنن۔ [2] مسند احمد و ابوداؤد و صحیح مسلم الرکعتان بعد العصر، [3] صحیح بخاری، ملنا صحیح ہے، جلد اول ہذا مین ہے

آپ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے، حضرت عایشہ کہتی ہین کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہلبیت کو نماز کے لیے جگاتے تھے[1]، اس اخیر عشرہ مین آپ عموماً اعتکاف مین بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد مین بیٹھکر یاد الٰہی اور عبادت گزاری مین معروف رہتے تھے[2]۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے، ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد تھا[3]، روزانہ سورتون کی تعداد مقرر تھی، اُسی تعداد کے موافق آپ تلاوت کر لیا کرتے تھے رمضان مین پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے[4]، پچھلی رات کو اُٹھکر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے حضرت **ابن عبّاس** کہتے ہین کہ ایک دفعہ رات کو مین نے دیکھا کہ آپ پچھلے پہر بیدار ہوئے۔ آنکھین ملتے ہوئے اُٹھے۔ رات کے سنّاٹے مین تارے جھلملا رہے تھے، آپنے نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتین پڑھین[5]

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب مین اُن
اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِیْنَ	دانشمندون کے لیے نشانیان ہین جو اُٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوے
یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ	اللہ کو یاد کرتے ہین اور آسمان و زمین مین غور کرتے ہین کہ خدایا تو نے
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا	یہ (نظام عالم) بے نتیجہ نہین پیدا کیا تو پاک ہی پس ہمکو دوزخ کے عذاب
مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ	سے بچا، خدایا جسکو تو دوزخ مین داخل کرے، اسکو تو نے رسوا کر دیا
النَّارِ ۝ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ	گناہگارون کا کوئی مددگار نہین، خداوندا ہمنے ایک پکارنیوالے
وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا	کی آواز سنی، جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ [2] صحیح بخاری باب الاعتکاف [3] ابوداؤد ابواب شہر رمضان۔ [4] صحیح بخاری بدء الوحی،
[5] ابن ہشام۔ ذکر قبل ہجرت مسلسل۔
مین یہ تفصیل لکھا ہے جلد ۲ صفحہ ۴۵۵

مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ
فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا
عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّکَ لَا
تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ
لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی
بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُ
خْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ
وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الثَّوَابِ ۔ (آل عمران)

تو ہم ایمان لائے، خداوندا تو ہمارے گناہ بخشدے ہماری برائیوں
پر پردہ ڈال اور نیکوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا، خداوندا تو نے اپنے
رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہمکو عنایت کر اور
قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا، تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا
پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کرلی کہ میں کسی کام کرنے
والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، تم ایک دوسرے
سے ہو، جنھوں نے ہجرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے اور
میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑے ہیں اور مارے گئے
ہیں میں ان سب کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور ان کو جنت
میں جگہ دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ
کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی، اور اللہ ہی کے
پاس اچھی جزا ہے۔

اسی موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سراپا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں،

اللھم لک الحمد انت نور السموات والارض
ولک الحمد انت قیام السموات والارض
ولک الحمد انت رب السموات والارض ومن
فیھن انت الحق ووعدک الحق وقولک الحق

خداوندا تیری حمد ہو، تو آسمان وزمین کا نور ہے، تیری حمد ہو
تو آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے
تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، تیری بات حق ہے، تجھ سے ملنا حق ہے
جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے، خداوندا میں نے

ولقاءك الحق والجنة حق، والنار حق، الساعة حق، اللهم لك اسلمت وبك آمنت وعليك توكلت واليك انبت، وبك خاصمت واليك حاكمت، فاغفرلی ما قدمت واخرت واسررت واعلنت انت الهی لا اله الا انت، (صحیح مسلم باب الدعا فی صلوۃ اللیل)

تیرے ہی آستانے پر سر جھکایا ہے، تجھی پر ایمان لایا ہون۔ تجھی پر مین نے بھروسہ کیا ہے۔ تیرے ہی زور سے جھگڑتا ہون، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہون، تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا، ہر ایک گناہ معاف کر، تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی اور معبود نہین۔

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے، آپ چپ چاپ بستر سے اُٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی مین مصروف ہوجاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا سمجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے حجرہ مین تشریف لے گئے، اندھیرے مین ہاتھ سے اِدھر اُدھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے، اور آپ سربسجود دعا مین مصروف ہین، یہ دیکھکر حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ مجھکو اپنے شبہہ پر ندامت ہوئی اور دل مین کہا، سبحان اللہ! ہم کس خیال مین ہین، اور آپ کس عالم مین[1]، کبھی کبھی راتون کو اٹھکر آپ تن تنہا قبرستان مین تشریف لے جاتے تھے، اور دعا و زاری کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گیئین تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع مین داخل ہوئے اور دعا[2] مانگی،

دعا اور نماز کے بعد آپ سو جاتے یہان تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعۃً سپیدۂ صبح نمودار ہوتا، آپ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اسوقت یہ الفاظ زبانِ مبارک پر ہوتے،

---

[1] سنن نسائی باب الغیرۃ [2] سنن نسائی باب الاستغفار للمؤمنین،

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی لسانی نوراً	خدایا! میرے دل مین نور پیدا کر، اور میری زبان مین اور
واجعل فی سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً	میری قوت سامعہ مین نور پیدا کر، آنکھون مین نور پیدا
واجعل فی خلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل	کر، اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے
من فوقی نوراً ومن تحتی نوراً واعطنی نوراً ،	اوپر اور میرے نیچے نور پیدا کر، اور مجھے نور
(صحیح مسلم باب الدعا فی صلوۃ اللیل)	عطا کر،

ارکانِ نماز مین سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام مین ہوتا ہی لیکن حضرت انس رض سے مروی ہی کہ آنحضرت صلعم رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سجدہ مین جانا بھول گئے[1]،

جو چیز نماز کی حضوری مین خلل ڈالتی تھی اُس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی، جس مین دونون طرف حاشیے تھے، نماز مین اتفاق سے حاشیون پر نظر پڑ گئی، نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ لیجا کر فلان شخص (ابوجہیم) کو دے آؤ، اور اُن سے انبجانی مانگ لاؤ، حاشیون نے نماز کی حضوری مین[2] خلل ڈالا

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا، نماز مین اُس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ اسکو ہٹا دو، اس کے نقش و نگار حضور قلب مین خلل انداز ہوئے[3]،)

روزہ | (انبیاء اور داعیان مذاہب نے تکمیل روحانیت کے لیے تقلیل غذا، بلکہ ترکِ غذا (روزہ) کو اسباب ضروری مین شمار کیا ہی، ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیانِ مذاہب تو اس راہ مین حدِ افراط سے بھی آگے نکل گئے ہین، لیکن داعی اسلام کا طرزِ عمل اس باب مین افراط اور تفریط کے بیچ مین تھا،

اسلام سے پہلے اہل عرب عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت صلعم بھی معمولاً اس دن

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۷۲، [2] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۴ کتاب الصلوۃ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے [3] صحیح بخاری کتاب اللباس والصلوۃ،

روزہ رکھتے تھے، بعض حدیثون سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ مین آپ متواتر کئی کئی مہینون تک روزہ رکھتے تھے، لیکن مدینہ آکر اس معمول مین فرق آگیا، مدینہ مین یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، آپ نے بھی رکھا، بلکہ تمام مسلمانون کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی، لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ نفل رہ گیا،

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ مین آپ نے کبھی نہین رکھا، صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے، اس مین قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ روزہ سے رہتے، اس طرح سال مین دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزون مین گذرتے تھے، سال کے بقیہ مہینون مین یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی روزہ نہ توڑین گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھین گے، مہینہ کے نصف اوّل مین جنکو ایّام بیض کہتے ہین آپ اکثر روزون سے رہتے تھے مہینہ مین تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو آپ معمولاً روزے رکھا کرتے تھے، بعض روایتون مین ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات مین سے تھا، ان کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورا تک اور شوال کے آغاز مین چھ[1] دن دوسری سے ساتوین تک آپ روزون مین گذارتے تھے،

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے، آپ کبھی گھر مین تشریف لاکر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے جواب ملتا "کچھ نہین" آپ فرماتے تو مین آج روزہ سے ہون[2]، کبھی کبھی آپ **صوم وصال** بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے، بیچ مین مطلق افطار نہین کرتے تھے، یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے، لیکن جب صحابہ نے اس مین آپ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ نے منع فرمایا، بعض لوگون نے

---

[1] روزہ کے متعلق یہ حدیثین تمام کتب حدیث مین ہین، اسوقت ابوداؤد اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہین۔ [2] ابوداؤد باب النسیۃ فی الصیام،

اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ حکماً نہین بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہین، اس لیے اس ممانعت کے باوجود آپ کے ساتھ انھون نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کیے، آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا، تیسرے دن اتفاق سے چاند ہوگیا، آپ نے فرمایا "اگر مہینہ بڑھ سکتا تو مین اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب مین غلو کرنے والون کا سارا غلو جاتا رہتا" صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ پھر حضور کیون کئی کئی دن تک افطار نہین کرتے؟" ارشاد ہوا "تم مین مجھسا کون ہے؟ مجھکو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے" بعض روایتون مین یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہین "تم مین مجھ جیسا کون ہے، مین شب بسر کرتا ہون تو میرا خدا مجکو کھلا اور پلا دیتا ہے[1]"

عام مسلمانون کے لیے آپ اس قسم کی مذہبی سختیون کو ناپسند فرماتے تھے، اور عام طور پر خود بھی ان چیزون سے احتراز کرتے تھے (تفصیلی واقعات آگے آتے ہین)

زکوۃ آنحضرت صلعم اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرات کیا کرتے تھے، جیسا کہ آغاز اسلام مین حضرت خدیجہ نے شہادت دی[2] ہے، اسلام کے بعد آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہین دیتے تھے، جو کچھ آتا مستحقین مین تقسیم فرما دیتے لیکن بااین ہمہ زکوۃ کا ادا کرنا آپ سے ثابت نہین، اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیا علیہم السلام پر زکوۃ فرض نہین ہوتی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ زکوۃ کے دو مفہوم ہین، ایک مطلق صدقہ وخیرات اور اس باب مین جو آپ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو، اور سال بھر تک

[1] صوم وصال کی یہ حدیثین صحیح مسلم سے لی گئین ہین، [2] صحیح بخاری بدء الوحی،

مالک کے قبضہ مین رہی ہو، ایک خاص شرح رقم ادا کیجائے، یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ پر فرض ہی نہین ہوئی کاشانۂ نبوت مین کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تک توکیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزرجائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے، ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہوسکی آپ نے رات بھر مسجد مین آرام فرمایا، اور کاشانۂ اقدس مین اُسوقت تک قدم نہین رکھا جب تک حضرت **بلال** نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کیا[1]"

حج (اسلام سے پہلے آپ نے جسقدر حج کیے ان کی صحیح تعداد متعین نہین کیجاسکتی **ابن الاثیر** نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش عموماً ہرسال حج کیا کرتے تھے اس لیے قرینہ غالب یہی ہو کہ آنحضرت صلعم بھی ہر سال حج ادا کرتے ہون گے، ترمذی[2] مین ہو کہ قیام مکہ کے زمانہ مین آپ نے دو حج کیے تھے، اور ابن ماجہ اور حاکم مین ہے کہ تین حج کیے تھے، لیکن یہ سب[3] روایتین مرسل ہین، مدینہ کے زمانۂ قیام مین متفقاً[4] ثابت ہو کہ صرف ایک حج سنہ ۱۰ھ مین کیا[5] یہ وہی حجۃ الوداع ہے جسکا ذکر بتفصیل پہلے گزرچکا ہو،

حج کے علاوہ آپ نے عمرے بھی ادا کیے ہین، ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہین، ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ مین، ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوۂ حنین کے بعد، اور چوتھا حجۃ الوداع[6] کے ساتھ حضرت انسؓ کہتے ہین کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ نے ذیقعدہ کے مہینہ مین ادا کیے، ایک دفعہ حضرت ابن عمر سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت صلعم نے کئے عمرے کیے تھے؟ اُنھون نے جواب دیا چار عمرے ان مین سے ایک ماہ رجب مین، حضرت عائشہ نے یہ سنا تو کہا خدا ابو عبدالرحمٰن (ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہین کیا جس مین وہ شریک نہ ہون، آنحضرت صلعم نے رجب مین کوئی عمرہ

---

[1] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین، [2] باب کم حج النبی صلعم، [3] زرقانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۲، [4] صحیح مسلم وابوداؤد حجۃ الوداع وترمذی باب کم حج النبی صلعم، [5] جامع ترمذی باب مذکور،

نہین[1] کیا"۔

سال حدیبیہ مین سب سے پہلے دفعہ جب آپ عمرہ اداکرنے کے لیے روانہ ہوتے ہین تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی، صحابہ ان کی مدافعت مین آپ سے پیچھے رہ گئے، لیکن آپ کو خانۂ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق وشوق تھا کہ اپنے ہمراہیون کا انتظار کیے بغیر بےخطر آپ سب سے آگے بڑھے چلے جاتے تھے، آخر جان نثارون نے ابوقتادہ انصاری کو بھیجا کہ وہ جاکر ہماری جانب سے سلام عرض کرین اور یہ درخواست کرین کہ "آپ ذرا توقف فرمائین، ہمین یہ ڈر ہے کہ دشمن کہین ہمارے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہوجائین" بارے آپ نے ان کی یہ درخواست قبول[2] فرمائی،

دوام ذکر الٰہی | قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے،

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ   جو خدا کو اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے یاد کرتے ہین (آل عمران)

لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ   جنکو اشغال دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہین کرتے۔

اور قرآن کا مبلغ اِن اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ آنحضرت صلعم ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد مین مصروف رہتے[3] تھے، ربیعہ بن کعب اسلمی رات کو آپ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے وہ بیان کرتے ہین کہ آپ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے مین تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آجاتی تھی[4]، اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر مین جاتے، واپس آتے گھر مین داخل ہوتے، مسجد مین قدم رکھتے، غرض ہر حالت مین دل وزبان ذکر الٰہی مین مصروف رہتے، چنانچہ اسی بناپر احادیث مین مختلف اوقات وحالات کے لیے کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہین، اخیر زندگی

---

[1] بخاری ومسلم کتاب الحج [2] صحیح بخاری صفحہ ۲۴۵ باب جزاء الصید [3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۹

مین جب سورۂ اِذَا جَاءَ اتری جس مین تحمید و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المومنین کا بیان ہو کہ ہر وقت اور ہر حالت مین زبانِ مبارک پر تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی[1]،

حضرت ابن عمر کہتے ہین کہ آپ اکثر یہ دعا رَبِّ اغْفِرْلِی وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم نے گنا تو ایک ایک نشست مین سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوئے[2]،) سفر اور کوچ کی بے اطمینانی مین بھی آپ یادِ الٰہی سے غافل نہین ہوتے تھے، سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے اور اسکی پرواہ نہین کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رُخ ہے یا نہین، سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ اُدھر ہی منہ کیے نماز کی نیت کر لیتے کہ[3] اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ، جدھر رخ کرو اُدھر ہی خدا کا منہ ہے،)

ذوق و شوق (آپ اصحاب کی محفل مین یا امہات المومنین کے حجرون مین بات چیت مین مشغول ہوتے کہ دفعتہً اذان کی آواز آتی، آپ اُٹھ کھڑے[4] ہوتے، رات کا ایک معتدبہ حصہ گو شب بیداری مین گذرتا تھا، تاہم صبح کے وقت اُدھر موذن نے اللہ اکبر کہا اِدھر آپ بستر سے اُٹھ بیٹھے[5] شب کے وقت جس ذوق شوق اور وجد کی حالت مین نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عایشہ نے ان الفاظ مین کھینچا ہی "کبھی پوری پوری رات آنحضرت صلعم کھڑے رہتے، سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء (قرآن کی سب سے بڑی سورتین ہین،) پڑھتے، جب کوئی خوف اور خشیۃ کی آیت آتی خدا سے دعا مانگتے، اور پناہ طلب کرتے کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے[6]، قرات اتنی زور سے فرماتے کہ

[1] ابن سعد جزء الوفاۃ، [2] ترمذی و ابن ماجہ و دارمی باب دعوات، [3] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، وغیرہ، [4] صحیح بخاری باب یکون الرجل فی خدمۃ اہلہ صفحہ ۸۰۰، [5] صحیح بخاری من انتظر الاقامۃ [6] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۲،

دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ کی آواز سنتے[1]، کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپ اس کے ذوق وشوق مین محو ہوجاتے، حضرت **ابوذر** کہتے ہین کہ ایک دفعہ آپ نے نماز مین یہ آیت پڑھی،

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ — اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہین، اور اگر معاف کردے تو تو غالب اور حکمت والا ہے،

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ یہی آیت پڑھتے رہ گئے[2]،

زید بن خالد جہنی ایک صحابی ہین وہ بیان کرتے ہین کہ مین نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب مین آپ کو نماز پڑھتے دیکھون گا (غالبًا یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے دو رکعتین معمولی ادا کین پھر دو رکعتین بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھین، پھر دو دو رکعتین کرکے آٹھ رکعتین بتدریج چھوٹی پڑھین، اور سب کے آخر مین وتر ادا کی[3]، **خباب** کی روایت ہے ایک شب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے[4]،

حضرت **حذیفہ** کہتے ہین کہ ایک شب مجکو آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) مین سمجھا آپ سو آیتون تک پڑھین گے لیکن آپ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے، مین نے دل مین کہا شاید پوری سورہ آپ ایک ہی رکعت مین ختم کرنا چاہتے ہین، چنانچہ آپ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو مین نے خیال کیا کہ اب آپ رکوع کرین گے لیکن آپ نے فورًا ہی سورۂ نسا شروع کردی، یہ بھی ختم ہوچکی تو سورہ آل عمران شروع کی (یہ تینون سورتین بلکہ سوا پانچ

---

[1] ابن ماجہ باب ما جاء فی صلوۃ اللیل، [2] ایضاً [3] صحیح مسلم موطا۔ ابوداؤد [4] نسائی احیاء اللیل،

پارون کے قریب ہین،) بہت ٹھر ٹھر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ قرأت کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ مین تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے، اس کے بعد آپ نے رکوع کیا، رکوع مین قیام ہی کے برابر توقف فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا، اور سجدہ مین بھی اسی قدر تاخیر فرمائی[1])

میدانِ جنگ مین یادِ الٰہی (عین اسوقت جب دونون طرف سے فوجین برسرِ پیکار ہوتین، تیر و سنان اور تیغ و خنجر کی چمک سے آنکھین خیرہ ہو رہی ہوتین اور ہر طرف سے شور دار و گیر برپا ہوتا، آپ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینان قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکر الٰہی مین مصروف ہوتے، سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیون پر بل ڈالے ہوئے دشمنون کے مقابلہ مین ہوتے، لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی، بدر، احد، خندق، خیبر، تبوک تمام بڑے بڑے معرکون مین آپ کی یہی کیفیت تھی۔

معرکہ ہائے جنگ مین سپہ سالارون کو اپنے بہادر سپاہیون کی قوت پر ناز ہوتا ہی، لیکن اسلام کے قائد اعظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا، عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان مین اپنی فوجین مرتب کین لیکن اصلی اعتماد اور بھروسا اسباب کائنات سے ماورا، قادرِ مطلق کی ذات پر تھا، بدر مین دو صحابی حاضر ہوتے ہین اور عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ! ہمکو کافرون نے اِس شرط پر رہا کیا ہی کہ ہم جنگ مین شرکت نہ کرین، ارشاد ہوتا ہے کہ "ہمکو صرف خدا کی مدد درکار ہی"[2] بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہی اور آپ خشوع و خضوع سے دونون ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی مین عرض کر رہے ہین "خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر" محویت اور بیخودی مین

---

[1] صحیح مسلم و نسائی صلوة اللیل۔ [2] صحیح مسلم باب الوفاء بالعہد،

ردائے مبارک کندھے سے گر گر پڑتی ہے اور آپ کو خبر نہیں ہوتی، کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا جائیگا[۱]" اِسی اثنا میں حضرت علیؓ تین دفعہ میدانِ جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے[۲]،

غزوۂ اُحد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو

اللّٰہُ مَولَانَا وَلَا مَولیٰ لَکُمْ اللّٰہُ اَعْلیٰ وَاَجَلُّ خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں، خدا بڑا اور بلند ہے،

غزوۂ احزاب میں آپ خود اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور لبِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے،

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الاٰخِرَۃ فَبَارِکْ فِی الاَنصَارِ وَالمُھَاجِرَۃ، خدایا، بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے، انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر،

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا، اور یہ محاصرہ متصل ۲۰، ۲۲ دن تک قائم رہا، لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں، ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہوگیا آپ کو سخت رنج ہوا، حملہ رُکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی[۳]،

---

[۱] صحیح بخاری ومسلم، بدر۔ [۲] سیرۃ جلد اول صفحہ ۴۵۰ [۳] صحیح بخاری احد

غزوۂ خیبر میں جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللّٰہُ اَکْبَر خربت خیبر، اللہ اکبر خیبر ویران ہو چکا، عمارتیں نظر آئیں تو صحابہ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ پھر یہ دعا مانگی

اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا	اے خدا! ہم تجھ سے اس آبادی کی، اس آبادی والوں کی
وخیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا	اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور ان سب
وشر ما فیھا، (ابن ہشام)	کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلبگار ہیں،

حنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی لیکن اوّل ہی حملہ میں اس کے پاؤں اُکھڑ گئے، اس فوج کا سپہ سالار اگر انہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدانِ جنگ میں اُترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا لیکن آپ کو جس قوت پر اعتماد تھا آپ اس کو اس تنہائی میں بھی اُسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے جس طرح فوج و لشکر کے ساتھ، عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ کے پہلو میں چند جان نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا، آپ سواری سے اتر آئے اور فرمایا "میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں" پھر بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو کر نصرت موعودہ کی درخواست کی، دفعۃً ہوا کا رُخ پلٹ گیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی، دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ و تنہا مناجات و زاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے،

اس مرقع کا سب سے موثر منظر غزوۂ بنی المصطلق میں نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعۃً نماز کا وقت آجاتا ہے اور آپ امام بنکر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں

---

۱ صحیح بخاری و مسلم حنین۔

صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہوکر نماز مین مصروف ہو جاتی ہے، اور دوسری دشمنون کا سامنا روک لیتی ہو، صلح حدیبیہ کے زمانہ مین اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا، آنحضرت صلعم مکہ کے پاس عسفان مین خیمہ زن تھے، قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیون مین دشمنون کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوئے موقع کی تاک مین تھے، آخر قریش کی یہ راے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہون تو عین اسوقت ان پر بے خبری مین حملہ کیا جائے، خداوند کارساز کی بارگاہ مین قصر صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی؛ چنانچہ قصر کی آیتین نازل ہوئین، عصر کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہ دو حصون مین منقسم ہوگئے، ایک حصہ نے آپ کے پیچھے آکر نماز کی صفین قائم کرلین اور دوسرا حصہ دشمنون کے مقابل کھڑا ہوگیا، پہلی جماعت فارغ ہوکر بتدریج دشمنون کے مقابل آگئی، اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹکر آپ کے ساتھ نماز مین جاملی، یہ تمام تبدیلیان مقتدیون کی صفون مین ہو رہی ہین لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلوارون کے سایہ مین تمام خطرات سے بے پروا عبادت الٰہی مین مصروف[1] ہی، اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہین ہوتی ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہان تک تعمیل ہوئی۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا	مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو
وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال)	اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ، تم کامیاب ہوگے،

صحیح بخاری مین روایت ہو کہ آنحضرت صلعم جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار[2] اللہ اکبر کہتے

خشیۃ الٰہی آپ خاتم الانبیا تھے، افضل رُسل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیۃ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے

---

[1] ابوداؤد جلد اول باب صلوٰۃ المسافرین، [2] باب التکبیر عند الحرب۔

کہ" مجھکو کچھ نہین معلوم کہ میرے اوپر کیا گذرے گی" حضرت عثمان بن مظعون نے جب وفات پائی تو آپ تعزیت کو گئے، لاش دھری تھی، ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہوکر کہا" خدا گواہ ہی کہ خدا نے تجھکو نوازا" آنحضرت صلعم نے فرمایا" تمکو کیونکر معلوم ہوا" بولین" خدا نے اُن کو نہین نوازا تو اور کسکو نوازے گا" ارشاد ہوا کہ" ہان مجھکو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہی لیکن مین پیغمبر ہوکر بھی یہ نہین جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا"[1]

(جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ سہم جاتے کسی ضروری کام مین ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رُخ ہو جاتے[2] اور فرماتے" خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہون" جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے، ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عایشہ نے پوچھا، یا رسول اللہ آپ کیون مضطرب ہو جاتے ہین" ارشاد ہوا" عایشہ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے، جس نے بادل دیکھکر کہا کہ یہ ہماری کھیتون کو سیراب کرنے والا ہی، حالانکہ وہ عذاب[3] الٰہی تھا"

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کے بال پکنے لگے، فرمایا" مجھے سورۂ ہود و واقعہ، والمرسلات، اور عم یتساءلون نے بوڑھا[4] کر دیا" (ان سورتون مین قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہین) ابی بن کعبؓ سے روایت ہی کہ جب دو ثلث شب گزر چکتی، باواز یہ الفاظ ادا فرماتے" لوگو خدا کو یاد کرو، زلزلہ آرہا ہی اُس کے پیچھے پیچھے آنے والا آرہا ہے، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی[5]"

فرمایا کرتے تھے لوگو جو کچھ مین جانتا ہون اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم، اور رونا زیادہ آتا[6]

---

[1] صحیح بخاری باب الجنائز [2] سنن ابن ماجہ باب ما یدعو بہ الرجل اذا رای السحاب [3] یہ واقعہ بخاری و مسلم اور دیگر حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہی اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہی [4] شمایل ترمذی ما جاء فی شیبہ صلعم [5] مشکوۃ بحوالہ ترمذی باب البکاء والخوف [6] صحیحین

ایک دفعہ آپ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ مین فرمایا "اے معشر قریش! اپنی آپ خبر لو، مین تمکو خدا سے نہین بچا سکتا، اے بنی عبد المناف! مین تمکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! مین تمکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے صفیہ! رسول خدا کی پھوپھی! مین تجھکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! مین تجھکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، (صحیحین)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی مین اتنا ہجوم ہوا کہ آپ پسینے کے قریب ہو گئے، مہاجرین نے اُٹھ کر لوگون کو ہٹایا، آپ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ مین داخل ہو گئے اور تقاضائے بشری سے بد دعا زبان سے نکل گئی، فوراً قبلہ رُخ ہو کر دونون ہاتھ خدا کی بارگاہ مین اُٹھائے اور دعا کی، خدایا! مین ایک انسان ہون اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہونچے تو مجھے سزا نہ دینا، [1]

گریہ وبکا (خشیت الٰہی کیوجہ سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے[2]، اکثر نماز مین رقت طاری ہوتی، اور آنسو جاری ہو جاتے، ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف مین آپ ٹھنڈی سانسین بھرتے اور فرماتے تھے خدایا تو نے وعدہ کیا ہو کہ تو لوگون پر میرے ہوتے عذاب نہین نازل کریگا[3]،

عبداللہ بن شخیرؓ ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ مین ایک بار خدمت نبوی مین حاضر ہوا دیکھا تو آپ نماز مین مشغول ہین، آنکھون سے آنسو جاری ہین، روتے روتے اس قدر ہچکیان بندھ گئی تھین کہ معلوم

---

[1] (مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ و ۱۲۳، دونون صفحون مین دو روایتین ہین مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے،) [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ، [3] ابو داؤد، صلاۃ الکسوف،

ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے[1]،

ایک بار آپ ایک جنازہ مین شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤن سے زمین نم ہوگئی، پھر فرمایا، بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو[2]،

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ مین ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہین، ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی، پاس ہی اسکا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لیکر آپ کی خدمت مین آئی، اور بولی آپ رسول اللہ ہین؟ ارشاد ہوا ہان بیشک، پھر اس نے پوچھا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے بندون پر اس سے زیادہ مہربان نہین ہے؟ آپ نے فرمایا ہان بیشک، اس نے کہا تو مان اپنے بچہ کو آگ مین نہین ڈالتی، آپ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا، خدا اس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکش اور متمرد ہے خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہین کہتا[3]،

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیم کی دعا،

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ،

پروردگار! ان بتون نے بہت سے لوگون کو گمراہ کیا ان مین سے جسنے میری پیروی کی وہی میری جماعت مین ہے،

اس کے بعد حضرت عیسیٰ والی دعا پڑھی،

---

[1] ترمذی و ابو داؤد باب البکاء فی صلوٰۃ اللیل۔ [2] سنن ابن ماجہ باب الحزن والبکاء۔ [3] سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من رحمۃ اللہ۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہین، اور اگر
فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، معاف کر دے تو تو غالب و دانا ہے،

دونون ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرماتے جاتے تھے اور آنکھون سے آنسو جاری[1] تھے،)

محبت الٰہی | (دنیا مین دو قسم کے پیغمبر آئے ہین، ایک وہ جنکی آنکھون کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوح وحضرت موسیٰ علیہما السلام، دوسرے وہ جو محبت الٰہی مین سرشار تھے، اور وہ لوگون کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام، لیکن یہ دونون افراط و تفریط کے راستے تھے، پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک نہین پہنچاتی، اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے، جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرۂ مسیح مین ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، لیکن اسلام دونون جلوون کو یکسان نمایان کرنا چاہتا ہے، یہی سبب ہو کہ حاملِ شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک مین یہ دونون پہلو بیک دفعہ نظر آتے ہین، قرآن مجید نے کمالِ ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہو:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ جو ایمان لائے ہین انکو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے

صحیح روایتون مین ہو کہ آپ راتون کو اتنی دیر تک نماز مین کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ دیکھکر بعض صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے آپ یہ زحمت کیون اُٹھاتے ہین؟ ارشاد ہوا کہ "کیا مین عبدِ شکور نہ بنون" ارباب باطن کہتے ہین کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیۃ الٰہی سے ہے، اور چونکہ آپ گناہون سے پاک کر دیے گئے تھے اس لیے آپکو

[1] صحیح مسلم باب بکائہ صلعم لامتہ

ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی، آپ نے اپنے جواب مین اسی شبہہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبت الٰہی ہے خشیتہ الٰہی نہین، اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے،

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ [1] میری آنکھون کی ٹھنڈک نماز مین ہے،

راتون کے سناٹے مین اٹھکر آپ کبھی دعا وزاری مین مصروف ہوتے، کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت مین خدا سماے دنیا پر نزول فرماتا ہے[2]، عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتون پر ہوتا تھا، جنکی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ "ان کے معاوضہ مین دنیا اور ما فیہا کی نعمتین بھی میرے سامنے ہیچ ہین[3]"

ایک دفعہ ایک غزوہ مین کوئی عورت گرفتار ہوکر آئی اس کا بچہ گم ہوگیا تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ ملجاتا تو وہ سینہ سے لگالیتی، اور اس کو دودھ پلاتی، آپ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ مین ڈال دے، لوگون نے عرض کی "ہرگز نہین" فرمایا "تو خدا کو اپنے بندون سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے[4]"

اسی طرح ایک اور واقعہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک عورت اپنے بچہ کو گود مین لیکر خدمت اقدس مین آئی اور عرض کی یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جسقدر محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندون سے اس سے زیادہ نہین ہے؟ فرمایا ہان بیشک ہے! اس نے کہا کوئی ماں تو اپنے بچہ کو آگ مین ڈالنا گوارا نہین کرتی، یہ سنکر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اٹھاکر فرمایا خدا صرف اس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے[5]،

---

[1] صحیح بخاری، [2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ [3] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۰ باب رحمۃ الولد، [4] سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من الرحمۃ -

ایک دفعہ آپ صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے، ایک صاحب ایک چادر مین ایک پرندکو مع اس کے بچون کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! مین نے ایک جھاڑی سے ان بچونکو اُٹھاکر کپڑے مین لپیٹ لیا، اس کی مان نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، مین نے ذراسا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچون پر گر پڑی، ارشاد ہوا کیا اپنے بچون کے ساتھ مان کی اس محبت پر تمکو تعجب ہی قسم ہی اس ذات کی جس نے مجکو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہی، جو محبت اس مان کو اپنے بچون کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندون کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہی[1]

آپ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتون کو ہیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے صحابہ کے مجمع مین ایک خطبہ دیا اس مین فرمایا مین خدا کے سامنے اس بات سے براءت کرتا ہون کہ تم مین سے (یعنی انسانون مین سے) کوئی میرا "دوست" ہو، کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا جسطرح ابراہیم کو اُس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر مین اپنی اُمت مین سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا[2]،

وفات کے وقت زبانِ مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا،

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی — خدایا صرف رفیق اعلےٰ مطلوب ہی

یہ الفاظ سنکر حضرت عایشہ نے کہا کہ "اب آپ ہم لوگون کو چھوڑ دین گے[3]"،

اس "رفاقت علوی" کے رازسے جو کسی قدر آشنا ہین وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہین

"انبیا علیہم السلام چون از مقام دعوت فارغ میگردند، ومتوجہ عالم بقامی شوند بمصلحت رجوع (الی الخلق) تمامی شود، بشوق تمام ہذا الرفیق الاعلیٰ برآوردہ، بہ کلیت متوجہ حق

[1] (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد وباب رحمۃ اللہ۔ [2] صحیح مسلم صفحہ ۲۰۱ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔ [3] صحیح بخاری باب الوفات۔

جل شانہ میسر گردند و در مراتب قرب ترقی می نمایند") [1]

توکل علی اللہ (توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعات عالم کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کردے، اسباب وعلل کے پردے اس کے سامنے سے اُٹھ جائیں اور براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں نظر آئے، بظاہر اسباب وعلل گو ناموافق ہوں مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرّہ بھر موثر نہیں ہو سکتے، بلکہ اصلی قوت وقدرت عالم اسباب سے ماوراء ہستی کے ہاتھ میں ہے، انسان کا استقلال، عزم، جرأت دلیری، یہ تمام باتیں اسی ایک اصل کی پرتو ہیں، اسی کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمام صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی، پرخطر سے پرخطر راستوں میں بھی جبن اور ضعف ہمت اُس کے قلب میں راہ نہیں پاتا، شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا،

آنحضرت صلعم کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد ومصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپ کی راہ میں حائل نہوئی ہو، لیکن آپ کا دل کبھی اضطراب وانتشار یا یوسی وناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہوا، مکہ کی تنہائیوں میں۔ مصائب کے ہجوم میں، دشمنوں کے نرغہ میں حنین واحد کے خونریز معرکوں میں ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے، **ابوطالب** سمجھاتے ہیں کہ "جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اُٹھاؤ" آپ فرماتے ہیں، "عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ عجم وعرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا" [2] ایک دوسرے کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ "خدا مجھے تنہا نہیں چھوڑیگا" مکہ میں ایک

---

[1] مکتوبات امام ربانی، مجدد الف ثانی ۲ مکتوب ۲۰۷ جلد اول [2] یہ دونوں واقعہ ابن ہشام میں ہیں۔

مصیبت زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے "خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے گا، اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا"[1]

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے، حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریریں سن رہی تھیں، روتی ہوئی آپ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا، آپ نے اُن کو تسکین دی، اور وضو کے لیے پانی مانگا، وضو کر کے آپ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہو گئے، جب خاص صحنِ حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ پر پڑی خود بخود اُن کی نگاہیں جھک گئیں[2]،

جلد اوّل میں پڑھ چکے ہو کہ شبِ ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے لیکن آپ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے عزیز، قوتِ بازو علی مرتضیٰ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا، حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے، بستر خواب نہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادر کل ہستی ہے جو تختۂ مقتل کو فرش گل بنا سکتی ہے، اُن کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تمکو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا[3]،

گھر کے چاروں طرف دشمنان قریش محاصرہ کئے ہوئے تھے اور خیال ہو سکتا تھا کہ صبح امید کے انتظار میں مکہ کے برنا و پیر عجب نہیں کو یوں اور گلیوں میں مشتاقِ خبر چلے پھر رہے ہوں، لیکن آپ نے اذنِ الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا اُس وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبانِ مبارک پر تھیں جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے، آخری آیت یہ تھی،

---

[1] صحیح بخاری اور احمد جلد اول۔ [2] مسند احمد جلد اول صفحہ ۳۶۸، [3] ابن ہشام و طبری

وَجَعَلْنَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (یٰسین) ہمنے اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے دیواریں کھڑی کردی ہیں ہمنے انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں

اور یہ بالکل سچ تھا،

مکہ سے نکلکر آپ نے مع حضرت ابوبکر کے غار ثور میں پناہ لی، قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لیے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اُسی غار کے پاس پہنچگئے، کون کہسکتا ہے کہ اس پرخطر حالت میں کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر نے گھبراکر عرض کی کہ "یا رسول اللہ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی" لیکن آپ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا "ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو"[۱] پھر جیساکہ قرآن مجید میں ہے، فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے،

سینۂ نبوت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آسکتا ہے،

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمد کو زندہ، یا اُن کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ ملیں گے سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا، اور اس قدر قریب پہنچگیا، کہ وہ آپ کو پاسکتا تھا، حضرت ابوبکر بار بار گھبراکر اُدھر دیکھ رہے تھے لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی مڑکر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آرہا ہے، یہاں دل پر وہی سکینتِ ربانی طاری تھی اور لب ہائے مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے،[۲]

۱؎ صحیح بخاری و مسلم ہجرت۔ ۲؎ صحیح بخاری ہجرت۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آکر آپ کی زندگی ہر قسم کے خطرون سے محفوظ ہوگئی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو اسلام کو یہان اعوان و انصار کی ایک معتد بہ تعداد مل گئی تھی لیکن اسی کے ساتھ ان دشمنون کا سامنا بھی تھا جو دشمنان مکہ سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ مین قریش گو آپ کے دشمن تھے لیکن ان مین اور رسول اللہ صلعم مین نسبی تعلقات تھے جو کبھی کبھی کسی کو غمخواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے، لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات و ہمدردی کی کوئی وجہ نہین ہوسکتی تھی۔ علاوہ برین یہود و منافقین مدینہ اور قریش مکہ مین باہم آنحضرت صلعم کے قتل و جلاوطنی کی سازشین شروع ہوگئین تھین[۱]، اس بناپر صحابہ جان نثاری کی بناپر آکر راتون کو پہرہ دیا کرتے تھے، اسی زمانہ مین ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی،

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) اور اللہ لوگون سے تیری حفاظت کریگا۔

اور آپ نے اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر صحابہ سے فرمایا[۲]،

ایھا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللہ، لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے

غزوہ نجد سے واپسی مین آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا، یہان بہت سے درختون کے جھنڈ تھے، دوپہر کا وقت تھا، صحابہ درختون کے سایہ مین اِدھر اُدھر سو رہے تھے، آپ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرماتے تھے، آپ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک مین تھا، چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار اُتار کر نیام سے باہر کی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ہشیار ہوئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے، بدو نے پوچھا "اے محمد اب مجھ سے تمکو کون بچا سکتا ہے"؟

[۱] سیرۃ جلد اول سلسلۂ غزوات۔ [۲] جامع ترمذی، تفسیر مائدہ

ایک پر اطمینان صدا آئی کہ "اللہ"!

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ پر حملہ کی گھات مین تھا، آپ نے فرمایا، "اسکو چھوڑ دو کہ یہ مجکو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہین کر سکتا تھا" یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے، خیبر مین جس یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا، اس سے آپ نے دریافت کیا کہ تمنے یہ حرکت کیون کی، اس نے جواب دیا کہ آپ کے قتل کرنے کے لیے" آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو اسپر مسلط نہ کرتا،

احد اور حنین کے معرکون مین جب میدانِ جنگ تھوڑی دیر کے لیے جان نثارون سے خالی ہو گیا تھا آپ کا استقلال، توکل علی اللہ و سکینت روحانی کی معجزانہ مثال ہی،

یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یکرخی تصویر ہے۔ اس مرقع کا دوسرا رُخ بھی کچھ اس سے کم موثر نہین ہے، آپ پر فقر و غنا کے مختلف دور گذرے، کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا، اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے، حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے اُٹھا رکھا جائے، لیکن تمام عمر آپ کا طرزِ عمل اس کے خلاف رہا کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اُٹھا کر نہین رکھی گئی، ضروری اور بقدر کفاف اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہل استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا، ترمذی مین حضرت انسؓ سے روایت ہے،

ان رسول اللہ صلعم کان لا یدخر لغد | آنحضرت صلعم کل کے لیے کوئی چیز اُٹھا کر نہین رکھتے تھے،

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱
[3] صحیح مسلم باب السم،

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر مین رہ جاتی تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی[1]، بلکہ آپ اُسوقت تک گھر مین تشریف نہین لے جاتے تھے، جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہان خدا کی برکت کے سوا کچھ نہین ہے[2]، اِس قسم کے متعدد واقعات جود وسخا کے عنوان مین مذکور ہین۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے، آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیان رکھوائی تھین، وہ پڑی ہون گی، اِس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا، ارشاد ہوا کہ "عائشہ! کیا محمدؐ، خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ پہلے ان کو خیرات کر دو[3]")

صبر و شکر | (رنج وغم کے متعاقب اور توام دور کسی کی زندگی مین نہین آتے، لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصولِ مقصد اور کامیابی کے نشہ مین سرشار اور ازخود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کرلے، اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے، کامیابی و ناکامی دونون کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ مین ہی قرآن مجید نے اِس آیت مین اِسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہی؛

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْ	جتنی مصیبتین زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہین وہ ان کے
اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ	وجود سے پہلے، دیوان قضا مین لکھ لی گئین ہین، یہ بات
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۖ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى	خدا کے لیے آسان ہے یہ اس لیے کیا گیا تاکہ تم ناکامی پر
مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ	غم، اور حصولِ مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغرور، اور

[1] صحیح بخاری باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاہم و مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۳، [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین،
[3] مسند احمد و ابن سعد جزء الوفاۃ،

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (حدید ۳) فخار کو دوست نہین رکھتا۔

رسول اللہ صلعم کو اپنی زندگی مین وہ بڑی سے بڑی کامیابیان حاصل ہوئین، جو اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہوسکتی تھین، تاہم آپکے آئینۂ دل مین کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہین ڈالا۔ آپنے فرمایا انا سید ولد آدم ولا فخر "مین آدم کے بیٹون کا سردار ہون، لیکن مجھے اس پر فخر نہین" عدی بن حاتم طائی نے جو مذہبا عیسائی تھے آپ کے جو حالات سنے تھے ان کی بناپر ان کو یہ شک تھا کہ آپ بادشاہ ہین، یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہِ اقدس مین آئی اور مجمع سے ذرا ہٹکر کچھ سن لینے کی درخواست کی آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک گلی مین کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہین گئی، عدی کہتے ہین کہ آپ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھکر مجھے یقین ہوگیا کہ آپ پیغمبر ہین بادشاہ نہین[1]،

مفتوح شہرون مین داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہوجاتا ہے، لیکن مکہ و خیبر کا فاتح اسوقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی مین جھکا کر شہر مین داخل ہوا، ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ مین جب آنحضرت صلعم ذی طوی مین پہونچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا،

ان رسول اللہ صلعم لما انتھی الی ذی طوی	جب آنحضرت صلعم ذی طوی مین پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپکو فتح
وقف علی راحلتہ ...... لیضع راسہ تواضعاً	کی عزت عطا کی ہے تو آپنے اپنی سواری پر توقف کیا..... تاکہ اپنا

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۰۷ جلد ۲،

لله حین رای ما اکرمه الله به من الفتح — سر خدا کے سامنے جھکا لیں۔ پھر یہان تک آپ جھکے کہ آپ کی
حتی ان عثنون لیکاد یمس واسطة الرحل[1] — ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔

آنحضرت صلعم کثرت سے عبادت اور تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ
خدا تو آپ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا اب آپ کیون یہ زحمت اُٹھاتے ہین، ارشاد ہوا

افلا اکون عبدًا شکورًا[2] — کیا مین خدا کا شکر گذار بندہ بنون،

یعنی اگر یہ تعبّد و تسبیح و تحمید پہلے اِس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گذاری اور احسان مندی کے اعتراف مین ہے۔

دنیا کے اعاظمِ رجال جنکو روحانیت کا کوئی حصہ نہین دیا گیا اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و داب کی طرف منسوب کرتے ہین لیکن مقربین الٰہی کی اِصطلاح مین یہ تخیل شرک و کفر کے ہمپایہ ہے، ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر خود قادرِ کل کا دستِ غیر مرئی کا کام کرتا نظر آتا ہے، حدیث مین ہے[3] کہ

انه کان اذا جاءه امر سرور او بشر به خر ساجدًا شاکرًا لله تعالیٰ، — آنحضرت صلعم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ فوراً سجدہ مین گر پڑتے تھے،

قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ کو پہونچی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا[4]۔ اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپ کو خبر دی گئی تو آپ فوراً سجدۂ الٰہی بجا لائے[5]،

---

[1] سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ، [2] صحیح بخاری قیام اللیل، [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔ [4] زاد المعاد بحوالہ بیہقی بسند علے شرط البخاری جلد اوّل صفحہ ۷ ۹ [5] زاد المعاد مذکور بحوالہ ابن ماجہ

وحی کے ذریعہ سے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھپر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا تو اِس ا منزلت پر آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا[1]،

حضرت سعد بیان کرتے ہین کہ ہم لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام زدعزا کے قریب پہونچے تو سواری سے اُتر گئے اور ہاتھ اُٹھاکر دیر تک بارگاہِ الٰہی مین دعا کی پھر سجدہ مین گئے اور دیر تک اِسی حالت مین پڑے رہے، پھر سر اُٹھا کر بدستور دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ مین رہے، پھر اُٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی، اِس دعا و سجود سے فارغ ہو کر آپ نے صحابہ سے فرمایا "مین نے اپنی امت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، مین شکر کے لیے سجدہ مین گرا، پھر مزید درخواست کی اس نے وہ بھی قبول کی مین سجدۂ شکر بجالایا اور پھر دعا و زاری کی اس نے اس کو بھی درجہ استجابت بخشا، اور پھر مین[2] سجدہ مین گر پڑا،

سورہ والضحیٰ مین اللہ تعالیٰ نے آپ کے اِسی وصف کو نمایان کیا ہے

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ٥ مَا وَدَّعَكَ	(اے پیغمبر!) دن کے پہلے پہر کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالدے
رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ٥ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ	کہ تیرے پروردگار نے نہ تجکو چھوڑا، اور نہ تجھسے ناراض ہوا، یقیناً
مِنَ الْاُوْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ	تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے وہ تجکو وہ کچھ دیگا جس سے تو خوش
فَتَرْضٰى ٥ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ٥ وَوَ	ہو جائیگا کیا اس نے تجکو یتیم نہین پایا تو اپنے پناہ مین لے لیا
جَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ٥ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا	اور تجکو راہِ حق کا جویان پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھادی

[1] مسند احمد عن عبد الرحمن بن عوف [2] ابوداؤد کتاب السجود، [3] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔

فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

اور تجھکو مفلس پایا تو غنی کردیا تو (ان نعمتوں کے شکریہ مین) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا

آپ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپ عمر بھر کیونکر اس ارشاد ربانی کی تعمیل کرتے رہے،

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ صلعم کی ذات پاک مین یہ دونون متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہوگئے تھے اور آپ کو عملاً دونون کے اظہار کا موقع ملا، حدیث شریف مین ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟" ارشاد ہوا کہ پیغمبرون پر، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگون پر"[1] واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہین، آپ سرور انبیاء تھے، اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ مین سب سے زیادہ آپ کے دوش مبارک پر تھا، اسی لیے قرآن مجید مین بار بار آپ کو صبر کی تلقین کیگئی ہے، سورۂ احقاف مین ہے

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ،

(اے پیغمبر!) جسطرح اولوالعزم پیغمبرون نے صبر کیا، تم بھی صبر کرو،

آپ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا، عہد طفولیت مین تھے کہ سر سے مان کا سایہ اُٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جنکی نگاہ لطف زخم یتیمی کا مرہم تھی وفات پائی، نبوت کے بعد ابوطالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کی سپر تھے، مفارقت کی، محرم اسرار اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ جو اس ہجوم مصایب مین آپ کی تنہا مونس و غمخوار تھین، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ مین آپ سے علیحدہ کردیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے جسکی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہین ہوتا، آپ کی اولاد ذکور حسب اختلاف روایت کم سے کم دو، اور زیادہ سے

[1] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔

زیادہ آٹھ تھی، لڑکیون کی تعداد چار تھی، لیکن ایک (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی مین آپ کی نگاہون کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپ کی آنکھین اشک آلود ہوگئین لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مہر لگی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبانِ مبارک سے ایسا نہین نکلا جس سے کارکنانِ قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو،

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب نے سنہ مین وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپ نے خود بنفس نفیس ہدایات دین، جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، لیکن زبانِ مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا، حضرت زید رضی اللہ عنہ (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ (ابن عم) دونون آپ کو بہت محبوب تھے، غزوۂ موتہ مین ان کی شہادت کی خبر آئی تو چشمِ مبارک اشک آلود ہوگئی، لیکن اسی اثنا مین حضرت جعفر کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی، تو آپ نے منع کر بھیجا، آپ کا ایک نواسہ جس سے آپ کو محبت تھی مبتلاے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بُلا بھیجا لیکن آپ نے اس کے جواب مین سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا،

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکلٌ عندہٗ	اللہ نے جو لیا وہ اُسی کا تھا، اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے،
باجلٍ مسمًّی فلتصبر ولتحتسب،	اسکا ہر کام وقت مقررہ پر ہوتا ہی، صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو،

صاحبزادی نے دوبارہ باصرار بلایا، آپ چند صحابہ کے ساتھ وہان تشریف لیگئے، بچہ آپ کی گود مین رکھدیا گیا، وہ دم توڑ رہا تھا، آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، ایک صحابی نے کہا "یا رسول اللہ یہ کیا ہے" فرمایا یہ جذبۂ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندون کے دل مین رکھا ہے، خدا اپنے بندون مین سے رحمدلون ہی پر رحم کرتا ہے،

ایک بار آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لائے، اور ان کی حالت دیکھکر فرمایا کہ" انتقال کرگئے" صحابہ نے کہا نہین یارسول اللہ! آپ روپڑے، تو آپ کو روتے دیکھکر صحابہ بھی روپڑے، آپ نے فرمایا" اللہ تعالی آنکھون کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہین کرتا، لیکن زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہے، حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت جب آپ کی آنکھون سے اشک محبت جاری ہوئے تو عبدالرحمان بن عوف نے کہا "یارسول اللہ! یہ کیا بات ہو" فرمایا" یہ رحمت و شفقت ہے" حضرت عبدالرحمن نے دوبارہ گذارش کی، ارشاد ہوا[1]،

انّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول	آنکھ اشک ریز ہو، دل غمگین ہو، لیکن ہم وہی کہین گے جو
الا ما یرضی ربّنا وانّا بفراقک یا ابراھیم	ہمارے رب کی مرضی ہو، اے ابراہیم ہم تمہارے فراق
لمحزونون،	مین بہت غمگین ہین،

بہرحال یہ واقعات آتی ہین یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہو، پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب و حوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانہ صبر لبریز نہ ہونے پائے، سخت مشکل ہو، ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طایف اور مکہ کے اشقیا نے دعوت حق کا جس تحقیر و استہزا سب وشتم، تعذیب و ایذا رسانی کے ساتھ جواب دیا، اس کے دہرانے کی حاجت نہین، مدینہ منورہ مین آٹھ نو برس تک جن خونین معرکون کا ہمیشہ سامنا رہا، اور دشمنون نے آپ کی جلاوطنی و قتل و شکست کے جو جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہین لیکن ان تمام تیرون کی بوچھار صبر کے سوا آپ نے کس سپر پر روکی؟

---

[1] ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو،

اس سے بھی زیادہ مشکل اُن واقعات پر صبر ہی جو خود اختیاری ہون، فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقرا مین لٹ چکا ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر خود آپ اور تمام اہلبیت کی زندگی اکثر فقر و فاقہ مین گذرتی تھی، جسم مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہین ہوتا تھا، تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوانِ نعمت کی خوشگواری اور لباس ہاے فاخرہ کی مسرت سے کہین زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اس تیر کا نشانہ ہی جو دشمنون کے نہین بلکہ دوستون کے ہاتھ سے لگایا جاے دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانون نے آپ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا، اعتراض کیا، اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، صحیح بخاری مین ہی کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریون نے اعتراض کیا کہ آنحضرت صلعم نے یہ دوسرون کو کیون دیدیا حق تو ہمارا تھا، آپ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا

رحمۃ اللہ علی موسٰی قد اوذی اکثر من ذلک فصبر (باب غزوۂ حنین)

موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستون کی طرف سے) ستائے گئے ہین لیکن انھون نے صبر کیا)

اخلاق نبوی

إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

(حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہی جہان آکر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہی، تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظون کا خود عملی نمونہ کیا تھا، تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق مین گوتم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلح اعظم (بودھ) عملاً خود کیا تھا، کوہ زیتون کے ریحانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اسکی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زرین مقولون کی تائید مین تم کو معلوم ہے؟

لیکن مکہ کا معلم اُمیّ پکار کر کہتا تھا،

لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (بقرہ) — جو نہین کرتے، وہ کہتے کیون ہو،

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانون کے مجمع عام مین وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ مین وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسرون کو سکھاتا تھا وہ خود اس کا عملی پیکر بنجاتا تھا، بیوی سے بڑھکر انسان کے اخلاق کا اور کون راز دان ہو سکتا ہے، چند صاحبون نے آکر حضرت عائشہ سے درخواست کی کہ حضرتؐ کے اخلاق بیان کیجیے، اُنھون نے پوچھا کیا تم قرآن نہین پڑھتے؟ ان خلق رسول اللہ صلعم کان القرآن، آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔[1]

---

[1] ابو داؤد باب الصلوۃ فی اللیل۔

موجودہ صحائفِ آسمانی اپنے داعیون کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہین لیکن کیا ان کا ایک حرف
بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہی، قرآن مجید لاکھون مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ مین اپنے داعی حق کی
نسبت گویا تھا،

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ — اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو،

بید رو نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپ کو سنگدل کہتے ہین لیکن اسوقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا
قرآن خود دشمنون کے مجمع مین آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)

خدا کی عنایت سے تم ان سے بنرمی پیش آتے ہو، اگر تم کہین کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے

دوسری جگہ کہتا ہے،

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ)

تمہارے پاس تم مین سے خود ایک پیغمبر آیا، اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہی تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہی،

مسئلۂ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کیگئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو
پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیدیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہ مین اور واقعات کے ہر
پہلو مین نمایان ہوتی ہی، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت
غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے، آنحضرت صلعم کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت
سے نظر ڈالنی چاہیے،

اخلاقِ نبوی کا جامع بیان (اس سے پہلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائین، اُن صاحبون کے بیانات زیر تحریر آتے ہین، جنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین سالہاسال اور مدتہاے دراز بسر کی ہین اور جو آپ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھکر دنیا مین کون ہوسکتا ہی، حضرت **خدیجۃ الکبریٰ** جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمتِ زوجیت مین رہی تھین زمانۂ آغاز وحی مین آپ کو ان الفاظ مین تسلی دیتی تھین "ہرگز نہین، خدا کی قسم، خدا آپکو کبھی غمگین نہ کریگا، آپ صلۂ رحم کرتے ہین، مقروضون کا بار اُٹھاتے ہین، غریبون کی اعانت کرتے ہین مہمانون کی ضیافت کرتے ہین، حق کی حمایت کرتے ہین، مصیبتون مین لوگون کے کام آتے ہین[1]"

امہات المومنین مین حضرت **عایشہ** سے بڑھ کر کسی نے آپ کے اوصاف تفصیل سے نہین بیان کئے ہین، فرماتی ہین "آنحضرت صلعم کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ مین برائی نہین کرتے تھے، بلکہ درگذر کرتے تھے، اور معاف فرما دیتے تھے، آپ کو جب دو باتون مین اختیار دیا جاتا تو ان مین جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہو، ورنہ آپ اُس سے بہت دور ہوتے، آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ مین انتقام نہین لیا، لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اُس سے انتقام لیتا تھا[3] (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ اس پر حد جاری فرماتے تھے) آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہین کی آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور[4] کو اپنے

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی، [2] جامع ترمذی و شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، کتاب الادب،
[4] یہ تفصیل مسلم اور ابو داؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات مین حضرت عایشہ سے مروی ہی،

ہاتھ سے نہین مارا، آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہین فرمائی، لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو[1]، آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خندان، ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستون مین پانون پھیلاکر نہین[2] بیٹھتے تھے، باتین ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے[3]"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلعم کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس مین رہے تھے، ایک دفعہ حضرت امام حسین ؓ نے اُن سے آپ کے اخلاق وعادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا "آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہین کرتے تھے، کوئی بُرا کلمہ منہ سے کبھی نہین نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحۃً انکار و تردید نہین کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے، اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزین آپ نے بالکل دور کردی تھین، بحث ومباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس مین پڑنا، دوسرون کے متعلق بھی تین باتون سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو بُرا نہین کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہین کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ مین نہین رہتے تھے، وہی باتین کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سرون پر پرندے بیٹھے ہین، جب آپ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس مین بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کرلیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتون پر

---

[1] حاکم بسند متصل اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم مین بھی ہین۔ [2] ابن سعد [3] صحیح بخاری ومسلم وابو داؤد۔

ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے، دوسرون کے منھ سے اپنی تعریف سننا پسند نہین کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہو جاتا آپ اسکی بات درمیان سے نہین کاٹتے تھے، نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع، اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعۃً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا[۲]"

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت صلعم کے آغوش پروردہ تھے وہ بیان کرتے ہین کہ[۳] "آپ نرم خو تھے سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہین رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتون پر اظہار شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہین کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے، اور اس کو برا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا، اور اسکی پوری حمایت کرتے، لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپکو غصہ نہین آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔)

مداومتِ عمل اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہی کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اُس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اسکی فطرت ثانیہ بن جائے انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرۃً اُسی پر مجبول ہے، آفتاب صرف روشنی بخشتا ہی اُس سے تاریکی کا صدور نہین ہو سکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہی، وہ روشنی کی علت نہین، درخت اپنے موسم ہی مین پھلتے ہین اور پھول ایام بہار ہی مین پھولتے ہین، حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے ایک سر مو تجاوز نہین کر سکتا، لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہی، اور

---

۱ یہ پوری تفصیل شمائل ترمذی بیانِ اخلاق مین ہی ۲ یہ ٹکڑہ شمائل ترمذی بیان حلیۂ مبارک مین ہی ۳ شمائل ترمذی،

رات کی تاریکی بھی، اس کے جوہر کا درخت ہر موسم مین پھلتا ہے، اور اُس کے اخلاق کے پھول ایام ؛
کے پابند نہین۔ وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال واخلاق پر مجبور نہین، اس کو اختیار د
اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اُ
اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا و
اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے، اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلین کہ اس شخص۔
اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہین سکتی، گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہین
آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت مین الگ
نہین ہوسکتین، اِسی کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے،

آنحضرت صلعم اپنے تمام کامون مین اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس ط
سے جو وقت آپ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سُنّت کا لفظ ہما
شریعت مین اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت صلعم نے ہمیشہ مداومت
ہے، اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہین فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہین وہ درحقیقت آ
استقامت حال اور مداومت عمل کی ناقابل انکار مثالین ہین، آپکے معمولات کا ذکر اس سے پہلے
ہے جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپکے تمام اخلاق واعمال کسقدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر اس:
ایک ذرہ فرق نہین پیدا ہوا، ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم کے عبادات واعمال کے متعو
حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کسی خاص دن یہ کرتے تھے، انھون نے جواب دیا کا کان ؟

آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہین رکتی، اسی طرح آپکا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کرلی ہمیشہ اسکی پابندی کی پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلعم یستطیع آنحضرت صلعم جو کرسکتے تھے وہ تم مین سے کون کرسکتا ہے[1]، دوسری روایت مین ہی

وکان اذا عمل عملا اثبته[2] جب آنحضرت صلعم کوئی کام کرتے تھے تو اسپر مداومت فرماتے تھے

اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خود ارشاد ہے[3]،

ان احب العمل الی اللہ ادومہ، خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہی جسپر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے

آپ راتون کو اٹھکر عبادت کیا کرتے تھے، حضرت عایشہ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہین کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سست ہوا تو بیٹھکر ادا کرتے تھے[4]، جریر بن عبد اللہ ایک صحابی ہین جنکو دیکھکر آپ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے، ان کا بیان ہی کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ مین خدمت اقدس مین حاضر ہوا ہون اور آپ نے مسکرا نہ دیا ہو[5]،

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ نے مقرر کرلیا تھا اس مین کبھی تخلف نہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز مین کبھی فرق نہین آیا، اور اب وہی مسلمانون کی زندگی کا دستور العمل ہے،)

حسن خلق! (حضرت علی، حضرت عایشہ، حضرت انس، حضرت ہند بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتون آپ کیخدمت مین رہے تھے، ان سب کا متفقہ بیان ہی کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نکو سیرت تھے آپکا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق، [2] ابو داؤد آخر کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الادب [3] ایضاً [4] ابو داؤد قیام اللیل [5] صحیح مسلم مناقب جریر بن عبد اللہ،

چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہین کرتے تھے،)

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ کے کان مین کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اُسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود مونھہ نہ ہٹالے۔ مصافحہ مین بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہات ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اُنکا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس مین بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینون سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[۱]،

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمت اقدس مین پانی لیکر آتے کہ آپ اس مین ہات ڈال دین تاکہ متبرک ہوجائے، جاڑون کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ کبھی انکار نہ فرماتے[۲]؛

ایک دفعہ آپ سعد بن عبادۃ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انھون نے اپنے صاحبزادہ قیس کو ساتھ کردیا، کہ آنحضرت صلعم کے ہمرکاب جائین۔ آنحضرت صلعم نے قیس سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہولو، اُنھون نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہولو، یا گھر واپس جاؤ، وہ واپس چلے آئے[۳]،

ایک دفعہ نجاشی کے ہان سے ایک سفارت آئی آپ نے اس کو اپنے ہان مہمان رکھا اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیے، صحابہ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دین گے، ارشاد ہوا کہ ان لوگون نے میرے دوستون کی خدمت گذاری کی ہے اس لیے مین خود ان کی خدمت گذاری کرنی چاہتا ہون[۴]۔

---

[۱] ابوداؤد و ترمذی [۲] صحیح مسلم باب فی قرب النبی صلے اللہ علیہ وسلم من الناس۔ [۳] سنن ابوداؤد کتاب الادب [۴] شرح شفاے قاضی عیاض بحوالہ دلایل بیہقی جلد اخلاق۔

عتبان بن مالک جو اصحاب بدر مین تھے ان کی بینائی مین فرق آگیا تھا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر درخواست کی کہ مین اپنے محلہ کی مسجد مین نماز پڑھاتا ہون لیکن جب بارش ہو جاتی ہو تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ میرے گھر مین تشریف لاکر نماز پڑھ لیتے تو مین اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنالیتا' دوسرے دن صبح کے وقت آپ حضرت ابوبکر رضؓ کو ساتھ لیکر اُن کے گھر گئے' اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا' اندر سے جواب آیا تو گھر مین تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہان نماز پڑھون؟ اُنھون نے جگہ بتا دی' آپ نے تکبیر کہکر دو رکعت نماز ادا کی' نماز کے بعد لوگون نے کھانے کے لیے اصرار کیا' حریرہ ایک کھانا ہوتا ہو' قیمہ پر چھڑک کر تیار کرتے ہین وہ سامنے آیا' محلہ کے تمام لوگ کھانے مین شریک ہوئے' حاضرین مین سے کسی نے کہا مالک بن دخشن نظر نہین آتے' ایک نے کہا وہ منافق ہو' ارشاد فرمایا یہ نہ کہو' وہ لا اِلٰہ الا اللہ کہتے ہین' لوگون نے کہا ہان لیکن ان کا میلان منافقین کی طرف ہے' آپ نے فرمایا جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہو خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے[1]۔

(ابتداے ہجرت مین خود آنحضرت صلعم اور تمام مہاجرین انصار کے گھر مہمان رہے تھے' دس دس آدمیون کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر مین مہمان اتاری گئی تھی مقداد بن الاسود کہتے ہین کہ مین اس جماعت مین تھا جسمین خود آنحضرت صلعم شامل تھے' گھر مین چند بکریان تھین جن کے دودھ پر گذارہ تھا' دودھ دُہ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپ کے لیے پیالہ مین چھوڑ دیتے' ایک شب کا واقعہ ہو کہ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری مین تاخیر ہوئی' لوگ دودھ پی پی کر سو رہے' آپ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا' خاموش ہو رہے' پھر فرمایا خدایا! جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا' حضرت مقدادؓ

[1] بخاری جلد اول صفحہ ۶۱ کتاب الصلوٰۃ'

چھری لیکر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کرکے گوشت پکائین، آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دُہ کر جو کچھ نکلا اُسی کو پی کر سو رہے[1] اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی"،

ابو شعیب رضؓ ایک انصاری تھے، ان کا غلام بازار مین گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت اقدس مین آئے، آپ صحابہ کے حلقہ مین تشریف فرما تھے، اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، **ابو شعیب رضؓ** نے جاکر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیون کا کھانا طیار کرد، کھانا طیار ہوچکا تو آکر آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ صحابہ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائین، کل پانچ آدمی تھے، راہ مین ایک اور شخص ساتھ ہولیا، آنحضرتؐ نے ابو شعیب سے کہا کہ یہ شخص بے کہے ساتھ ہولیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے، ورنہ رخصت کردیا جائے، اُنھون نے کہا آپ اِن کو بھی ساتھ لائین[2]۔

عقبہ بن عامر ایک صحابی تھے ایک دفعہ آنحضرت صلعم پہاڑ کے درہ مین اونٹ پر سوار جا رہے تھے یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت صلعم نے ان سے کہا کہ "آؤ سوار ہو لو" انھون نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بناکر خود سوار ہون، آنحضرت صلعم نے دوبارہ کہا، اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا، آنحضرت صلعم اُتر پڑے اور یہ سوار ہو لیے[3]،

مجالسِ صحبت مین لوگون کی ناگوار باتون کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب رضؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھاکر وہین بیٹھے رہے، اس وقت پردہ کا حکم نازل نہین ہوا تھا، اور حضرت زینبؓ بھی مجلس مین شریک تھین آپ چاہتے تھے کہ لوگ اُٹھ جائین، لیکن زبان سے کچھ نہین فرماتے تھے، لوگون نے کچھ خیال نہ کیا، آپ اُٹھ کر حضرت عایشہ کے حجرۃ تک گئے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴ - [2] بخاری صفحہ ۸۲۱ [3] نسائی صفحہ ۸۰۳،

واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے، پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری[1]۔

غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ مین نماز کا وقت آگیا، حسب دستور ٹھہر گئے، موذن نے اذان دی **ابو محذورہ** جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے، چند دوستون کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سنکر سب نے چلا چلا کر استہزاء کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت صلعم نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی، ابو محذورہ خوش لحن تھے ان کی آواز پسند آئی سامنے بٹھا کر سر پر ہات پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی، پھر اُن کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم مین اذان دیا کرنا[2]۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن مین مین انصار کے نخلستان مین چلا جاتا اور ڈھیلون سے مار کر کھجورین گراتا، لوگ مجکو خدمتِ اقدس مین لے گئے، آپ نے پوچھا ڈھیلے کیون چلاتے ہو؟ مین نے کہا کھجورون کے لیے، ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجورین کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[3]۔

عباد بن شرحبیل مدینہ مین ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت مین ایک باغ مین گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن مین رکھ لیے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اُسنے آکر ان کو مارا اور کپڑے اُتروا لیے یہ آنحضرت صلعم کے پاس شکایت لیکر آئے، مدعا علیہ بھی ساتھ تھا، آپ نے اسکی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا، یہ بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا تھا، یہ کہکر کپڑے

---

[1] بخاری صفحہ ۹۲۲، باب آیۃ الحجاب، [2] دارقطنی مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۸۶ کتاب الصلوۃ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد،

واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا[1]۔

یہود کا دستور تھا کہ عورتون کو جب ایّام آتے تو ان کو گھرون سے نکال دیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے، آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، اس پر آیت اتری کہ اس حالت مین مقاربت ناجائز ہے، اس بناپر آپ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہین، یہودیون نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات مین ہماری مخالفت کرتا ہی صحابہ آپ کی خدمت مین آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہین تو ہم مقاربت بھی کیون نہ کرین، رخسارۂ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا، دونون صاحب چلے گئے، آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزین بھیجین اس وقت انکو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے[2]،

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے، ایک دفعہ ایک صاحب زرد کپڑے پہنکر خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے کچھ نفرمایا، جب وہ اُٹھکر چلے گئے تو لوگون سے کہا کہ ان سے کہدینا کہ یہ رنگ دھوڈالین[3]،

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا اچھا آنے دو، وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہین ہی لیکن جب وہ خدمت مبارک مین حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی، حضرت عائشہ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہین سمجھتے تھے، پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا، آپ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جسکی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دین[4]،

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ کتاب البیوع، [2] ابوداؤد باب مواکلۃ الحائض، [3] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب، [4] صحیح بخاری و ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب،

یہود جس درجہ شقی اور دشمن اسلام تھے، اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، بااین ہمہ آنحضرت صلعم ان سنگدلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور اُن سے داد و ستد رکھتے، سخت سے سخت غصہ کی حالت مین صرف اس قدر فرماتے "اسکی پیشانی خاک آلود ہو"[1]

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہین کہ مدینہ مین ایک یہودی رہتا تھا جس سے مین قرض لیا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے کھجورین نہین پھلین اور قرضہ ادا نہ ہو سکا اس پر پورا سال گذر گیا، بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بھی پھل کم آئے، مین نے آیندہ فصل کی مہلت مانگی، اس نے انکار کیا، مین نے آنحضرتؐ سے آکر تمام واقعات بیان کیے، آپ چند صحابہ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دیدو، اُس نے کہا "ابوالقاسم! مین کبھی مہلت نہ دونگا" آپ نخلستان مین تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہوا، بالآخر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقّف تھا) فرش بچھادو، اس پر آرام فرمایا اور سو گئے، سو کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دیدے، اُس شقی نے اب بھی نہ مانا، اب آپ درختون کے جھنڈ مین جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر سے کہا کہ کھجورین توڑنی شروع کرو، آنحضرت صلعم کی برکت سے اتنی کھجورین نکلین کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہین[2]،

(مجلس نبوی مین جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہین رہتی تھی ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ خود اپنی رداے مبارک بچھا دیتے تھے، ایک دفعہ مقام جعرانہ مین آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھ سے لوگون کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے مین

---

[1] ادب المفرد امام بخاری [2] بخاری صفحہ ۸۱۰ باب الرطب والتمر

ایک عورت آئی اور آپ کے پاس چلی گئی، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو اسکی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھا دی، راوی کہتا ہے کہ مین نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی، تو لوگون نے کہا یہ حضور کی رضاعی مان تھین[1]،

اسی طرح ایک دفعہ کا اور ذکر ہے کہ آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آئے، آپ نے اُن کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا، پھر رضاعی مان آئین، آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا، آخر مین رضاعی بھائی آئے، تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھالیا[2]،

حضرت ابوذر مشہور صحابی ہین، ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر مین نہین ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ لیٹے ہوئے تھے، ان کو دیکھکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگالیا[3]،

حضرت جعفر بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو آپ نے ان کو گلے لگالیا اور انکی پیشانی کو بوسہ دیا[4]،

سلام مین پیشدستی فرماتے، راستہ مین جب چلتے تو مرد، عورتین بچے جو سامنے آتے انکو سلام کرتے[5]، ایک دفعہ آپ راستہ سے گذر رہے تھے ایک مقام پر مسلمان اور منافق دکافر یکجا بیٹھے ملے۔ آپ نے سب[6] کو سلام کیا۔

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس مین نام لیکر اس کا ذکر نہین کرتے تھے، بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہین، لوگ ایسا کہتے ہین۔ بعض لوگون کی یہ عادت ہے، یہ طریقۂ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہو اور اس کے احساس غیرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب، [2] ابوداؤد کتاب الادب بر الوالدین۔ [3] ابوداؤد کتاب الادب باب المعانقہ [4] حوالہ سابق۔ [5] بخاری وابوداؤد، باب السلام [6] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا الکافر۔

مین کمی نہ آجاے

حسنِ معاملہ | اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہان تک کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ مین بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہان گرو تھی لیکن ہرحال مین حسنِ معاملہ کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ مین دولتمند عموماً یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ قرض لیا کرتے، یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہین آپ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیان برداشت فرماتے تھے،

(نبوت سے پہلے جن لوگون سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انھون نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا اعتراف کیا ہے اسی لیے قریش نے متفقاً آپ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض وکینہ کے جوش سے لبریز تھے تاہم انکی دولت کے لیے مامون مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا، عرب مین سائبؓ نام ایک تاجر تھے وہ مسلمان ہوکر بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوے، لوگون نے مدحیہ الفاظ مین آپ سے ان کا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا "مین ان کو تم سے زیادہ جانتا ہون" سائب نے کہا میرے مان باپ فدا، آپ میرے ساجھی تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا[1]

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجورین قرض کے طور پر لین چندروز کے بعد وہ تقاضا کو آیا آپنے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کرین، انصاری نے کھجورین دین لیکن ویسی عمدہ نہ تھین جیسی اُسنے دی تھین، اس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہان، رسول اللہ عدل نہ کرین گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے، آنحضرت صلعم نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے[2]

[1] ابوداؤد، جلد ۲ صفحہ ۲۱۷، [2] ترغیب وترہیب بحوالہ مسند احمد صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ مصر، جلد ۲،

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت صلعم پر تھا، بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہین اُسنے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی، صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھکو خبر ہے تو کس سے ہمکلام ہی، بولا کہ مین تو اپنا حق مانگ رہا ہون، آنحضرت صلعم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگون کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ اس کا حق ہی (قرضخواہ کو بولنے کا حق ہی) اس کے بعد صحابہ کو اس کا قرض ادا کردینے کا حکم فرمایا اور زیادہ دلوایا[1])

ایک غزوہ مین حضرت عبداللہ بن جابر انصاری ہمرکاب تھے، ان کی سواری مین جو اونٹ تھا سست رو تھا، اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہوگیا تھا، آپ نے اونٹ اُن سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دیدیا کہ دونون تمھارے ہین[2]،

(یہی واقعہ ایک روایت مین اس طرح پر ہی کہ آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا تمھارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو، اُنھون نے دی، آپ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا، پھر آنحضرت صلعم نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے مدینہ پہنچکر جابر بن عبداللہ نے قیمت طلب کی آپ نے بلال رض سے فرمایا کہ ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو، چنانچہ حضرت بلال رض نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا[3]۔)

• معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہین ہی اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہ سے فرماتے تم جنازہ کی نماز پڑھاو، خود شریک نہ ہوتے[4]،

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا

---

[1] ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان [2] بخاری صفحہ ۲۸۲ باب شری الدواب [3] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ [4] صحیح بخاری صفحہ ۸۰۹ کتاب النفقات

سب سے بہتر وہ لوگ ہین جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہین[1]۔

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سوء اتفاق سے وہ گم گیا تو اس کا تاوان ادا فرمایا[2]، عموماً فرمایا کرتے تھے کہ مین تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہین کرتا، بجز اوس دینار کے جنکو قرض ادا کرنے کے انتظار مین اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہون[3]۔

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا آنحضرت صلعم کو خیال یہ تھا کہ گھر مین چھوہارے موجود ہین آپ نے ایک وسق چھوہارون پر گوشت چکالیا، گھر مین آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے، باہر تشریف لاکر قصاب سے فرمایا کہ مین نے چھوہارون پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہین ہین اُسنے واویلا مچائی کہ ہاے بددیانتی! لوگون نے سمجھایا کہ رسول اللہ بددیانتی کرین گے؟ آپ نے فرمایا نہین چھوڑدو اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کرکے وہی فقرہ ادا کیا اُس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگون نے پھر روکا، آپ نے فرمایا اس کو کہنے دو اس کو کہنے کا حق ہی اور اس جملہ کو کئی بار دھراتے رہے، اس کے بعد آپ نے ایک انصاریہ کے ہان اس کو بھجوادیا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہان سے لے لے، جب وہ چھوہارے لیکر پلٹا تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپ کے حلم و عفو اور حسن معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا محمدؐ! تمکو خدا جزاے خیر دے تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی[4]"

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش تھا ایک سرخ رنگ کا اونٹ اُسکے ساتھ تھا، اتفاقاً اُدھر سے آپ کا گذر ہوا آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگون نے قیمت بتائی،

[1] ترمذی صفحہ ۱۶۷، [2] ترمذی صفحہ ۱۷۲۔ [3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۲ کتاب الاستقراض [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۶۸

بے مول تول کئے آنحضرت صلعم نے وہی قیمت منظور کرلی، اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، بعد کو لوگون کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہمنے جانور کیون حوالہ کردیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اُس نے کہا "مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہین دیکھا" یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپ نے اُن کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجورین بھجوا دین[1]،

غزوۂ حنین مین آپ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی، صفوان اس وقت تک کافر تھے، اُن کے پاس بہت سی زرہین تھین، آپ نے اُن سے کچھ زرہین طلب کین، انہون نے کہا "محمد! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟" فرمایا "نہین، مین عاریۃً مانگتا ہون، اگر ان مین سے کوئی تلف ہوئی تو مین تاوان دونگا" چنانچہ انھون نے تیس چالیس زرہین مسلمانون کو عاریۃً دین، حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامانون کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہین کم نکلین، آپ نے صفوان سے کہا، تمہاری چند زرہین کم ہین، انکا معاوضہ لے لو، صفوان نے عرض کی "یا رسول اللہ صلعم میرے دل کی حالت اب پہلی جیسی نہین[2]" یعنی مسلمان ہوگیا، اب معاوضہ کی حاجت نہین،

عدل و انصاف کوئی شخص گوشہ نشین ہوکر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے، آنحضرت صلعم کو عرب کے سیکڑون قبایل سے کام پڑتا تھا، یہ آپس مین ایک ایک کے دشمن تھے، ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بنجاتا، اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت صلعم کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات اور پیچیدگیون پر بھی عدل و انصاف

[1] دارقطنی جلد ثانی ص ۳۰۰ کتاب البیوع، [2] ابوداؤد باب تضمین العاریۃ،

کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا،

فتح مکہ کے بعد تمام عرب مین صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردنِ تسلیم خم نہین کی، آنحضرت صلعم نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اُٹھا لینا پڑا، صخر ایک رئیس تھے اُن کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جاکر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہوگئے، صخر نے بارگاہِ نبوت مین اطلاع کی مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے کہ صخر نے میری پھوپی کو قبضہ مین کر رکھا ہے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو، اس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ مین ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو دلا دیا جائے، آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان ومال کی مالک ہوجاتی ہے اِس لیے ان کو انکا چشمہ دیدو، صخر کو منظور کرنا پڑا، راوی کا بیان ہو کہ جب آنحضرت کے حکم سے صخر نے دونون حکم منظور کیے تو مین نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کے چہرہ پر شرم سے سرخی آگئی[1] کہ صخر کو دونون معاملون مین شکست ہوئی، اور فتح طائف کا اُن کو کوئی صلہ نہ ملا،

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندانِ مخزوم سے تھی چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ کے محبوب خاص تھے لوگون نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجیے، انھون نے آنحضرت صلعم سے معافی کی درخواست کی، آپ نے غضب آلود ہوکر فرمایا کہ بنی اسرائیل اِسی کے بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امرا سے درگذر کرتے تھے[2]،

[1] ابو داؤد صفحہ ۸۰ جلد ۲ - [2] صحیح بخاری کتاب الحدود -

خیبر کے یہودیون سے جب صلح ہوکر وہان کی زمین مجاہدین مین تقسیم کردی گئی تو عبد اللہ بن سہل ایکدفعہ کھورون کی بٹائی کے لیے گئے، محیصتہ ان کے چچیرے بھائی بھی ساتھ تھے، عبد اللہ گلی مین جارہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کرکے لاش ایک گڈھے مین ڈال دی، محیصتہ نے آکر رسول اللہ صلعم کے پاس جاکر استغاثہ کیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "تم قسم کھاسکتے ہوکہ یہودیون نے ان کو قتل کیا" بولے "مین نے اپنی آنکھ سے نہین دیکھا" آپ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیاجائے؟ بولے "حضرت! یہودیون کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالین گے"

خیبر مین یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی یہ یقینی تھا کہ یہودیون نے ہی عبد اللہ بن سہل کو قتل کیا ہے تاہم چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی آنحضرت صلعم نے یہود سے تعرض نہین فرمایا اور خونبہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے[1]،

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب مین پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے شہر کے قریب پہنچکر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، اور سلام علیک کی، ہمنے سلام کا جواب دیا، ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا اسکی قیمت پوچھی، ہمنے جواب دیا اتنی کھجورین، انھون نے کچھ مول تول نہین کیا اور وہی قیمت منظور کرلی پھر اونٹ کی مہار پکڑکر شہر کی طرف بڑھے نظرون سے اوجھل ہوگئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ ان کو پہچانتے نہین، لوگون نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا، محمل نشین خاتون نے کہا مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودھوین رات کے چاند کی طرح

[1] یہ واقعہ بخاری ونسائی وغیرہ مین (باب القسامۃ) مین باختلاف روایات مذکور ہے،

روشن نہین دیکھا(یعنی ایسا شخص دغانہ دیگا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ نے تمھارے لیے کھانا اور کھجورین بھیجی ہین، دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ مین آئے آنحضرت صلعم مسجد مین خطبہ دے رہے تھے، ہملوگون کو دیکھکر ایک انصاری نے اُٹھکر کہا "یا رسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہین اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اس کے بدلہ مین ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجیے"، آپ نے فرمایا "باپ کا بدلہ بیٹے سے نہین لیا جا سکتا"[۱]،

سرق ایک صحابی تھے، اُنھون نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا، لیکن قیمت نہ ادا ہوسکی، بدو انکو پکڑ کر آنحضرت صلعم کیخدمت مین لے گیا اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کردو، انھون نے ناداری کا عذر کیا، آپ نے بدو سے کہا بازار مین لیجا کر انکو فروخت کر لو، بدو ان کو بازار مین لیگیا، ایک صاحب نے دام دیکر بدو سے خرید ا اور آزاد کر دیا[۲]،

(ابو حدرد اسلمی ایک صحابی تھے، جنپر ایک یہودی کا قرض آتا تھا، اور اُن کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے، اُن کے سوا کچھ نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلعم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے، ابو حدرد نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور انکو پکڑ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین لایا، آپ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کردو، انھون نے عذر کیا، آپنے پھر فرمایا، انھون نے پھر یہی جواب دیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے شاید وہان سے واپسی پر کچھ ہات آئے تو مین اسکو ادا کردون، آپنے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو، آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض مین نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا[۳]،

اِس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ کے شدید ترین دشمن تھے

[۱] دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۱، [۲] دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ [۳] مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ معجم صغیر طبرانی معجم عبدان۔

اپنے مقدمات اسی بارگاہِ عدالت مین لاتے تھے[1] اور اُن کی شریعت کے مطابق اُس کا فیصلہ ہوتا تھا، چنانچہ قرآن مجید مین اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے، اسلام سے پہلے یہودیانِ بنو نضیر و قریظہ مین عزت و شرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص مین وہ مارا جاتا، لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی، اسلام مین جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت صلعم کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فوراً توراۃ کے آئین کے مطابق اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ کے حکم سے دونون قبیلون مین برابر کا قصاص جاری کردیا۔[2]

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ مین بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے لوگون کا گرد وپیش ہجوم تھا، ایک شخص آکر منھ کے بل آپ پر لدگیا، دست مبارک مین پتلی سی لکڑی تھی آپ نے اس سے اس کو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اُس کے منھ مین لگ گیا اور خراش آگئی فرمایا مجھسے انتقام لے لو اس نے عرض کیا یارسول اللہ مین نے معاف کردیا،[3]

مرض الموت مین آپ نے عام مجمع مین اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر مین نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال آبرو حاضر ہے اِسی دنیا مین وہ اپنا انتقام لے لے، مجمع مین سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے،[4])

جود وسخا جود وسخا آپ کی فطرت تھی، (ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ تمام لوگون سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ مین آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے[5]) تمام عمر کسی کے سوال پر "نہین" کا لفظ نہین فرمایا[6]،

[1] ابوداؤد باب تضمین العاریۃ جلد ثانی [2] ابوداؤد کتاب الدیات، [3] ابوداؤد باب القود بغیر حدید [4] ابن اسحاق بحوالہ ابن ہشام [5] صحیح بخاری باب بدء الوحی [6] صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق۔

انّما انا قاسم وخازن واللہ یعطی (بخاری) مین تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہون دیتا اللہ ہے[1]

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس مین آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریون کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دیدین۔ اسنے اپنے قبیلہ مین جاکر کہا کہ اسلام قبول کرلو، محمد صلعم ایسے فیاض ہین کہ مفلس ہوجانے کی پرواہ نہین کرتے[2]،

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہین ہے تم میرے ساتھ آؤ، حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہین تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے، ایک اور صاحب حاضر تھے، انھون نے کہا یارسول اللہ! آپ دیے جایے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریئے وہ آپ کو محتاج نہ کریگا آپ فرط بشاشت سے مسکرا دیئے[4]،

(عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا اگر آپ کے پاس کچھ سرمایہ موجود رہتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے، ورنہ وعدہ فرماتے، اس معمول کی بناپر لوگ اس قدر دلیر ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ مین اقامتِ نماز کے وقت ایک بدّو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ مین اس کو بھول نہ جاؤن اس کو پورا کردیجیے، چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اسکی حاجت براری کرکے آئے تو نماز پڑھی[3]،

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اسکو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اُسی وقت اسکو عبداللہ بن عمرؓ کو دیدیا[4]، حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے[5]،

[1] صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا، [2] صحیح مسلم صفحہ ۲۹۰، [3] ادب المفرد امام بخاری [4] صحیح بخاری جلد اصفحہ ۲۸۴،
[5] صحیح بخاری جلد اصفحہ ۲۸۲،

کھانے پینے کی چیزون مین معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے، بلکہ تمام صحابہ کو شریک فرما لیتے، کسی غزوہ مین ۱۳۰ صحابہ ہمراہ تھے آپ نے ایک بکری خرید فرما کر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا،[1]

جو چیز آنحضرت صلعم کے پاس آتی جب تک صرف نہو جاتی آپ کو چین نہ آتا، بیقراری سی رہتی ام المومنین ام سلمہ بیان کرتی ہین کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے،[2]

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے آنحضرت صلعم نے فرمایا، ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو مین کبھی یہ پسند نہ کرونگا کہ تین راتین گزر جائین اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، لیکن ہان وہ دینار جس کو مین ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑون،[3]

اکثر یہان تک معمول تھا کہ گھر مین نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کردی جاتی گھر مین آرام نہ فرماتے، رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمتِ نبوی مین بھیجا، حضرت بلال رض نے بازار مین غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر آنحضرت کی خدمت مین آکر اطلاع کی، آپ نے پوچھا کچھ بچ تو نہین رہا، بولے ہان کچھ بچ بھی رہا، فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا مین گھر مین نہین جا سکتا، حضرت بلال رض نے کہا مین کیا کرون کوئی سائل نہین، آنحضرت صلعم نے مسجد مین رات بسر کی، دوسرے دن حضرت بلال رض نے آکر کہا یا رسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۹۳ [3] صحیح بخاری کتاب الاستقراض صفحہ ۳۲۱،

کردیا یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُٹھکر گھر تشریف[1] لے گئے،

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھکر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے لوگون کو تعجب ہوا، آپنے فرمایا مجکو نماز مین خیال آیا کہ کچھ سونا گھر مین پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہین ایسا نہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر مین پڑا رہ جائے اس لیے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا[2]

غزوۂ حنین مین جو کچھ ملا آنحضرت صلعم اس کو خیرات فرما کر واپس آرہے تھے، راہ مین بدوؤن کو خبر لگی کہ ادھر سے آنحضرت صلعم کا گذر ہونے والا ہے اس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمین بھی کچھ عنایت ہو، آپ ازدحام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ مین کھڑے ہو گئے انھون نے رداے مبارک تھام لی، بالآخر اس کشاکش مین جسم اطہر سے چادر اُتر کر اُن کے ہاتھ مین رہ گئی، فیاضِ عالم نے کہا "میری چادر دیدو، خدا کی قسم، اگر ان جنگلی درختون کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو مین سب تمکو دیدیتا اور پھر مجکو بخیل نہ پاتے نہ دروغگو نہ نامرد[3]"،

لوگون کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، مین اس کو ادا کر دون گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثون کا حق ہے[4] مجھے اس سے کوئی مطلب نہین۔

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع مین تشریف فرما تھے ایک بدّو آیا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچکر بولا "محمد! یہ مال نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے ایک بار شتر دے" آپ نے اس کے اونٹ کو جَو، اور کھجورون سے لدوا دیا[5]،

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا، اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام مین

[1] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین [2] صحیح بخاری یفکر الرجل الشئی فی الصلوۃ [3] صحیح بخاری باب الشجاعۃ فی الحرب، [4] صحیح بخاری [5] ابوداؤد کتاب الادب،

نہین آئی تھی، آپ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد مین ڈلوا دو، اس کے بعد جب آپ مسجد مین تشریف لائے تو آپ مڑ کر بھی نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اسکی تقسیم شروع کی جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے۔ حضرت عباسؓ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہین رہے تھے اتنا دیا کہ اٹھکر چل نہین سکتے تھے، اسی طرح اور لوگون کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے، جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے[1]،

اسلام مین قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مرجائے تو اس کا ترکہ آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ آپکا اسی قسم کا ایک غلام مرگیا، لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپ کے پاس لائے، آپ نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہان ہموطن ہے، لوگون نے کہا ہان ہے، آپ نے فرمایا یہ تمام چیزین اسی کے حوالہ کردو[2]

ایک دفعہ چند انصار نے آپ سے کچھ مانگا آپ نے دیدیا، پھر مانگا، پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ دیتے رہے یہان تک کہ آپ کے پاس کچھ نہین رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی فرمایا میرے پاس جو کچھ ہو مین اس کو تم سے بچا کر نہین رکھون گا[3])

ایثار، آپ کے اخلاق و عادات مین جو وصف سب سے زیادہ نمایان اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا، اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی اور ان مین حضرت فاطمہؓ اس قدر عزیز تھین کہ جب آتین تو فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ بٹھاتے تاہم حضرت فاطمہ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر مین کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستین اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتین چکی پیستے پیستے ہتیلیان گھس گئی تھین اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے، ایک دن خدمت اقدس مین حاضر ہوئین، خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کرسکین، جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا، اور

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب القسمۃ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۷۵، [3] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۸ کتاب الصدقات۔

درخواست کی کہ فلان غزوہ مین جو کنیزین آئی ہین ان مین سے ایک کنیز ملجائے، آپ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہین ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے مین اور طرف توجہ نہین کر سکتا۔[1]

ایک روایت مین ہو کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیان اور حضرت فاطمہ زہرا خدمت اقدس مین گئین اور اپنے افلاس و تنگدستی کی شکایت کرکے عرض کی کہ اب کی غزوہ مین جو کنیزین آئی ہین ان مین سے ایک دو ہمکو ملجائین، آپ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہین۔[2]

(ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی، فرمایا یہ نہین ہوسکتا کہ مین تمکو دون اور اہل صفہ کو اس حال مین چھوڑ دون کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ[3] لپیٹتے پھرین،

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لاکر پیش کی، آپ کو ضرورت تھی، آپ نے لے لی ایک صاحب حاضر خدمت تھے، انہون نے کہا کیا اچھی چادر ہے، آپ نے اتار کر ان کو دیدی، جب اٹھکر چلے گئے تو لوگون نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کسی کا سوال رد نہین کرتے، انھون نے کہا ہان لیکن مین نے تو برکت کے لیے لی ہی کہ مجکو اسی چادر کا کفن دیا جائے،[4]

زہد و قناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہین اُن سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلعم کس عسرت اور تنگدستی مین بسر فرماتے تھے، ۳ھ کے بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے،

---

[1] یہ روایت کتب احادیث (سنن ابوداؤد وغیرہ) مین مختلف طریقون سے مروی ہے۔ ایک روایت مین ہو کہ آپنے حضرت فاطمہ کو ایک دعا بتا دی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے۔

[2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ - [3] مسند احمد جلد ا صفحہ ۷۹ -

[4] صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا، و باب من استعد الکفن

عرب مین باغات سب سے بہتر جائداد تھے سنہ ٣ ہجری مین یہودان بنو نضیر مین سے مخیرق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مثیب۔ صائفہ۔ دلال حسینی۔ برقہ۔ اعواف۔ مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت صلعم کو وصیت کر دیے، آپ نے سب کو خیرات کر دیا، یعنی وہ خدا کی راہ مین وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا غربا اور مساکین کو دیدیا جاتا تھا۔[1][2]

ایک صحابی نے شادی کی، سامان ولیمہ کے لیے گھر مین کچھ نہ تھا آنحضرت صلعم نے اُن سے فرمایا کہ عایشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جاکر لے آئے، حالانکہ کاشانۂ نبوت مین اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا،[3]

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپ نے اس کے نذر کر دیا، یہ تمام رات خانۂ نبوی مین فاقہ سے گذری حالانکہ اس سے پہلی شب مین بھی مہمان فاقہ ہی تھا،[4])

مہمان نوازی | (عرب کے مختلف اطراف اور صوبون سے جوق جوق لوگ بارگاہ نبوی مین آتے تھے، رملہ ایک صحابیہ تھین، انکا گھر دار الضیوف[5] تھا، یہین لوگ مہمان اترتے تھے، ام شریک جو ایک دولتمند اور فیاض انصاریہ تھین ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان[6] خانہ تھا، مخصوص لوگ مسجد نبوی مین اتارے جاتے تھے، چنانچہ وفد ثقیف یہین اترا تھا، آنحضرت صلعم خود بنفس نفیس ان مہمانون کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے، یون بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیے واپس نہ آتے تھے،[7]

فیاضی مین کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا، مشرک و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے اور آپ

---

[1] فتح الباری شرح کتاب الفرائض [2] اصابہ تذکرہ مخیرق [3] مسند احمد ج۴ ص ۵۸ [4] مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۹۷ [5] زرقانی ذکر وفود [6] مسلم جلد ۲ ص ۵۱۹ [7] شمایل ترمذی۔

یکسان ان کی مہمان نوازی کرتے، جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے ہان انکو مہمان اُتارا، اور خود بنفس نفیس انکی خدمت[1] کی، ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اُسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہوئی، غرض سات بکریون تک نوبت آئی، جب تک وہ سیر نہوا آپ پلاتے گئے[2]۔

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر مین جو کچھ موجود رہتا وہ انکی نذر ہوجاتا اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے[3]، آپ راتون کو اُٹھ اُٹھ کر اپنے مہمانون کی خبر گیری کرتے تھے[4]،

صحابہ مین سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا، وہ مسلمانون کے مہمان عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت صلعم کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ اُن مین سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان مین سے پانچ آدمی کو ساتھ لیجائے، چنانچہ حضرت ابوبکر تین آدمی کو ساتھ لائے لیکن آنحضرت صلعم دس آدمیون کو ہمراہ[5] لے گئے،

اصحاب صفہ مین حضرت ابوہریرہ اپنے فقر وفاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہین، وہ فرماتے ہین کہ مین ایک روز شدت گرسنگی کی حالت مین گذرگاہ عام پر بیٹھ گیا، حضرت ابوبکر راستے سے گذرے تو مین نے بطور حسن طلب کے اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آنحضرت صلعم کا گذر ہوا تو آپ مجکو دیکھکر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ، آپ گھر مین پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ

[1] شفائے قاضی عیاض بسند متصل۔ [2] صحیح مسلم باب المؤمن یاکل فی معیٰ [3] سند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۰ [4] ابوداؤد کتاب الادب، [5] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰،

نظر آیا، آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہی، آپ نے مجھ سے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ، مین ان کو بلا لایا تو آپ نے مجکو دودھ کا وہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کردو[1]،

آنحضرت صلعم کے گھر مین ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اُٹھا سکتے تھے، جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا، اور اصحاب صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے، یہان تک کہ جب زیادہ مجمع ہوجاتا تو آنحضرت صلعم کو اُوکڑون بیٹھنا پڑتا کہ لوگون کے لیے جگہ نکل آئے[2]،

مقدادؓ کا بیان ہے کہ مین اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی، ہم لوگون نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہین کیا، آخر ہم لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ دولت خانہ پر لوا گئے اور تین بکریون کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو، چنانچہ ہم مین ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا اپنا حصّہ پی لیا کرتا تھا[3]،

(ایک دن اصحاب صفہ کو لیکر حضرت عایشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ، جو ئی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا، آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اسکے بعد بڑے پیالہ مین دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی[4])

گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ کا ابرِ کرم ہر وقت برستا رہتا تھا، تاہم کسی کا بے ضرورتِ شدید سوال کرنا آپ پر سخت گران ہوتا تھا، ارشاد فرماتے کہ" اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد لائے اور بیچکر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگون سے سوال کرے[5]"

(ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہین ہے؟

[1] ترمذی صفحہ ۲۹۹ [2] ابو داؤد، کتاب الاطعمہ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ [4] ابو داؤد کتاب الادب، [5] صحیح بخاری کتاب الصدقات صفحہ ۱۹۸،

بولے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصّہ اوڑھ لیتا اور کچھ بچھا لیتا ہون اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے آپ نے دونون چیزین منگوائین پھر فرمایا یہ چیزین کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے دو درم لگائے، آپ نے فرمایا اس سے بڑھکر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کردیے۔ آپ نے دونون چیزین دیدین اور درہم انصاری کو دیے، کہ ایک درہم کا کھانا خریدکر گھر مین دے آؤ اور دوسرے سے رسّی خرید و اور جنگل سے لکڑیان لاکر شہر مین بیچو، پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس مین آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہوگئے تھے، اس سے کچھ کپڑا خریدا کچھ کا غلہ مول لیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت مین چہرہ پر گدائی کا داغ لگاکر جاتے"[1]

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا، آپ نے عنایت فرمایا، پھر جب تک کچھ رہا آپ نے انکی درخواست رد نہین فرمائی جب کچھ نہین رہا تو آپ نے فرمایا میرے پاس جب تک کچھ رہے گا مین تم سے بچاکر اسکو نہین رکھونگا لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال و گداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے، اور جو خدا سے غنا کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنا مرحمت فرماتا ہے، اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے، اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہین دی گئی ہے[2]۔

حکیم بن حزام فتح مکہ مین اسلام لائے تھے، ایک دفعہ انھون نے آپ سے کچھ طلب کیا آپ نے عنایت فرمایا، کچھ دن کے بعد پھر مانگا آپ نے پھر ان کو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، پھر کچھ مرحمت کیا اسکے بعد فرمایا "اے حکیم یہ دولت سبز و شیرین ہے جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے، اور اسکی مثال اس شخص کی جیسی ہے

---

[1] ابوداؤد و ترمذی صدقات، [2] صحیح بخاری ص ۱۹۸، کتاب الصدقات،

جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہین ہوتا، دستِ بالا دستِ زیرین سے بہتر ہے" حکیم پر آنحضرت صلعم کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہین[1] مانگی،

حجۃ الوداع مین آنحضرت صلعم صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہوئے آپ نے انکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پانون کے درست معلوم ہوئے، آپ نے فرمایا "اگر تم چاہو تو مین اس مین سے دے سکتا ہون لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لایق لوگون کا اس مین کوئی حصہ نہین[2] ہے"

قبیصہ نام ایک صاحب تھے وہ مقروض ہوگئے تھے، آپ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی، آپ نے وعدہ کیا اس کے بعد ارشاد فرمایا "اے قبیصہ سوال کرنا اور لوگون کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصون کو روا ہے، ایک اُس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اسکی ضرورت پوری ہوجائے تو اُسکو رک جانا چاہیے، دوسرے اس شخص کو جسپر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا، اُس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اسکی حالت کسی قدر درست نہوجائے تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلہ کے تین معتبر آدمی گواہی دین کہ ہان اس کو فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا[3] ہے"

صدقہ سے پرہیز: آنحضرت صلعم اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "مین گھر مین آتا ہون تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہون جی مین آتا ہے کہ اُٹھا کر منھ مین ڈال لون، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہین صدقہ کی کھجور نہ ہو اس لیے ڈال دیتا ہون[4]"

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ١٩٩، کتاب الصدقات، [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ، [3] ایضاً۔ [4] بخاری جلد ١ صفحہ ٣٢٠ کتاب اللقطہ،

ایک دفعہ راستہ مین ایک کھجور ہاتھ آگئی فرمایا اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو مین اس کو کھا جاتا[1]،

ایک بار امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجورون مین سے منہ مین ایک کھجور ڈال لی، آپ نے ڈانٹ کر کہا "کیا تمھین یہ خبر نہین کہ ہمارا خاندان صدقہ نہین[2] کھاتا" پھر منہ سے اگلوا دیا،

آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لیکر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبون کو عنایت فرما دیتے،)

ہدایا اور تحفے قبول کرنا (دوست واحباب کے ہدایا اور تحفے آپ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ نے اس کو ازدیاد محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے،

تهادوا تحابوا، (حدیث) باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی،

اسی لیے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے، اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ حجرۂ عایشہ مین قیام فرماتے[3] تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کیجاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ کہتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے[4]، ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس مین پیش کی آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی آپ نے ان کو عنایت فرما دی[5]،)

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپ کو تحفے بھیجا کرتے تھے، حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا، عزیز مصر نے بھی ایک خچر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے،

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱، کتاب الصدقات، [3] بخاری مناقب عائشہ، [4] صحیح بخاری کتاب الصدقہ، [5] صحیح بخاری کتاب الجنائز،

ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت مین ایک پوستین بھیجی جسمین دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی آپ نے ذرا دیر کے لیے پہن لی پھر اتار کر حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) کے پاس بھیجدی وہ پہنکر خدمت اقدس مین آئے، آپنے ارشاد فرمایا کہ "مین نے اس لیے نہین بھیجی کہ تم خود پہنو" عرض کی پھر کیا کرون، ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیجدو[1]، حضرت جعفر ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش مین رہے تھے اور نجاشی نے انہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی،

ہدایا اور تحفے دینا (جن لوگون کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے انکو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے، حضرت عائشہ سے روایت ہے کان یقبل الھدیۃ ویثیب علیھا آنحضرت صلعم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے) یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرت صلعم کو ایک قیمتی حُلّہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳، اونٹون کے بدلہ مین خریدا تھا آپ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیۃً بھیجا جو ۲۰، اونٹ دیکر خریدا گیا تھا[2]،

(ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ کی خدمت مین ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی آپ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا، آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور مین بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہون تو ناراض ہوتے ہو، آینده قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کرون گا[3]،

حضرت ابو ایوب انصاری جن کے مکان مین آپ چھ مہینے تک فروکش رہے تھے آپ اکثر انکو بچا ہوا کھانا[4] بھیجا کرتے ہمسایون اور پڑوسیون کے گھرون مین بھی تحفے بھیجتے تھے، اصحاب صفہ اکثر آپ کے

---

[1] ابوداؤد صفحہ ۲۰۵ جلد دوم [2] ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۲۰۳، [3] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۸۱ [4] مسلم کتاب الاطعمہ)

تھون سے مشرف ہوا کرتے تھے"

عدم قبول احسان | کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے، حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جان نثار کون ہو سکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انھون نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپ نے قیمت ادا کی[1]، مدینہ مین مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی مالکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپ نے قیمت دیکر لی،

ایک دفعہ عبداللہؓ بن عمر اور حضرت عمرؓ دونون ہمسفر تھے، عبداللہ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت صلعم کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبداللہ بن عمر روکتے تھے لیکن وہ قابو کا نہ تھا، حضرت عمر بار بار عبداللہؓ بن عمر کو ڈانٹتے تھے، آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو، انھون نے کہا کہ نذر ہے، آپ نے فرمایا نہین دام لو، انھون نے دوبارہ عرض کی کہ یون ہی حاضر ہے آپ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کیے، آپ نے خرید کر عبداللہؓ بن عمر کو دیدیا کہ اب یہ تمھارا ہی[2]

عدم تشدد | حضرت معاذ بن جبل (جو اکابر صحابہ مین سے تھے) ایک محلہ مین امامت کرتے اور نماز فجر مین بڑی بڑی سورتین پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہین کہ مین اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہون، ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ مین نے آنحضرت صلعم کو کبھی اس قدر غضبناک نہین دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا، آپ نے لوگون سے خطاب کرکے فرمایا، "بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جو لوگون کو متنفر کر دیتے ہین، جو شخص تم مین سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے، کیونکہ نماز مین بوڑھے کمزور کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہین[3]"

حدّ و قصاص مین نہایت احتیاط فرماتے اور جہان تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے، ماعز اسلمی ایک

[1] بخاری صفحہ ۵۵۳ - [2] بخاری صفحہ ۲۸۴ - [3] بخاری کتاب الصلوۃ و باب ہل یقضی الحاکم و ہو غضبان صفحہ ۱۰۶۰،

صاحب تھے جو زنا مین مبتلا ہوگئے تھے لیکن فوراً مسجد مین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مین نے بدکاری کی، آپ نے منہ پھیر لیا، وہ دوسری سمت آئے آپ نے اور طرف منہ پھیر لیا، آپ بار بار منہ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ تمکو جنون تو نہین ہے؟ بولے نہین! پھر پوچھا تمہاری شادی ہوچکی ہے؟ بولے ہان، آپ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا، بولے نہین بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہوکر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیے جائین[1]،

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپ حد (سزا) کا حکم دین، آپ چپ رہے اور نماز کا وقت آگیا، نماز کے بعد انھون نے پھر آکر وہی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم نے نماز نہین پڑھی بولے ہان پڑھ لی، ارشاد فرمایا کہ تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا[2]،

ایک دفعہ قبیلہ **غامد** کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ مین نے بدکاری کی، آپ نے فرمایا "واپس جاؤ"، دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجکو **ماعز** کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہین، خدا کی قسم مجکو حمل رہ گیا ہے پھر فرمایا واپس جاؤ، وہ چلی گئی، تیسرے دن پھر واپس آئی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو، بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود مین لیے ہوئے آئی، (یعنی اب زنا کی سزا دینے مین کیا تامل ہے؟) آپ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا، جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپ نے مجبور ہوکر سنگسار کرنے کا حکم دیا، لوگون نے اس پر پتھر برسانے شروع کیے، ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹین اُڑکر ان کے چہرہ پر آئین، انھون نے اس کو گالی دی، آنحضرت صلعم نے فرمایا "زبان روکو، خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول

[1] یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب مین ہے موقع کے لیے صفحہ ۱۰۰۸ دیکھنا چاہیے [2] بخاری صفحہ ۱۰۰۸ -

لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخشدیا جاتا[1]"

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیون اور عیسائیون کے ملک مین رہتے ہین کیا ان کے برتنون مین کھانا کھا لیا کرین، فرمایا اور برتن ہات آئین تو ان کے برتنون مین نہ کھاؤ، ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو[2]،

ایک بار ایک صحابی نے ماہ رمضان تک کے لیے اپنی بی بی سے ظہار کر لیا لیکن ابھی یہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی پھر لوگون کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہ کی خدمت مین لے چلو سب نے انکار کر دیا، انھون نے خود آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، آپ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا، پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، انھون نے ناداری کا عذر کیا تو آپ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، انھون نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے، اب آپ نے ساٹھ مسکینون پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انھون نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہین، آپ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمھین ایک وسق کھجور دیگا اس مین سے ساٹھ مسکینون کو دیدینا اور جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا، وہ پلٹے تو لوگون سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے، لیکن مجھے رسول اللہ کی خدمت مین حسن راے اور آسانی نظر آئی[3]،

ایک بار ایک اور صحابی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مین برباد ہو گیا روزہ مین اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا، آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر سکتے ہو، کہا نہین، فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو، کہا نہین، فرمایا ساٹھ محتاجون کو کھانا کھلا سکتے ہو، کہا اسکی بھی قدرت نہین، آنحضرت

[1] ابوداؤد کتاب الحدود، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۲۳، [3] ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۲۰،

نے تامل فرمایا کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی، آپ نے فرمایا
سائل کہاں گیا؟ سائل نے کہا یا رسول اللہ میں یہ ہوں، فرمایا ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات
دیدو، سائل نے عرض کی یا رسول اللہ مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا، آنحضرت صلعم ہنس پڑے
اور فرمایا جاؤ گھر ہی والوں کو کھلا دو[1]"

تقشف ناپسند تھا رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے، صحابہ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی
راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت صلعم نے ان کو باز رکھا، بعض صحابہ ناداری کی وجہ
سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے، انھوں نے قطع اعضا کرنا چاہا، آپ نے سخت
ناراضی ظاہر کی، قدامہ بن مظعون اور ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے
نے ترک نکاح کا عزم کر لیا ہے، آپ نے فرمایا کہ "میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں" آپ کی مرضی نہ پا کر دونوں
صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے۔ عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن
متصل روزے رکھتے تھے صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ نے سختی سے روکا، حضرت عبد اللہ بن عمرو
نہایت مرتاض زاہد تھے، انھوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت
کریں گے آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے، عرض کی "ہاں" فرمایا کہ "تم پر تمھارے
جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں، عبد اللہ بن عمرو نے کہا
مجکو اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا کہ اچھا تیسرے دن، بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں، تو
ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دیکر کہ یہی داؤد کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے، انھوں نے عرض کی کہ مجکو

[1] بخاری صفحہ ۲۰۹ باب اذا جامع فی رمضان۔

اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا بس اس سے زیادہ بہتر نہیں[1]،

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت صلعم خود اُن کے پاس تشریف لے گئے، انھون نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے، اور ان سے کہا کیا تم ہر مہینہ مین تین روزے بس نہین کرتے، عرض کی نہین، فرمایا پانچ، بولے نہین، غرض آپ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہوتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو[2]،

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ مین جوان آدمی ہون اور اتنا مقدور نہین کہ نکاح کرون، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت صلعم چپ رہے، حضرت ابوہریرہؓ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا، آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہین سکتا[3]،

(قبیلۂ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر واپس گئے، پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا لیکن اتنے ہی زمانہ مین ان کی شکل و صورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت صلعم انکو نہ پہچان سکے، انھون نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت صلعم نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے، تمہاری صورت کیونکر بگڑ گئی، انھون نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہون، آپ نے فرمایا اپنے آپ کو کیون عذاب مین ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ مین ایک دن کا روزہ کافی ہے، انھون نے کہا مین اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہون، آپ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انھون نے اور اضافہ کی درخواست کی آپ نے تین دن کر دیے، انکو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو آپ نے شہر حرام کے روزون

---

۱ بخاری کتاب الصوم ۲ بخاری کتاب الصوم، ۳ بخاری کتاب النکاح،

کا حکم دیا،[1]

ایک دن چند صحابہ خاص اس غرض سے ازواج مطہراتؓ کی خدمت مین حاضر ہوئے کہ آنحضرت صلعم کی عبادت کے حالات دریافت کرین، وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلعم رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہون گے، حالات سنے تو انکے معیار کے موافق نہ تھے، بولے کہ بھلا ہمکو آنحضرت صلعم سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کردیے ہین، پھر ایک صاحب نے کہا کہ مین تو رات بھر نماز پڑھا کرون گا، دوسرے صاحب بولے مین عمر بھر روزہ رکھون گا، ایک اور صاحب نے کہا مین کبھی شادی نہین کرونگا، آنحضرت صلعم سن رہے تھے فرمایا کہ "خدا کی قسم مین تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہون تاہم روزہ بھی رکھتا ہون اور افطار بھی کرتا ہون، نماز بھی پڑھتا ہون اور سوتا بھی ہون، عورتون سے نکاح بھی کرتا ہون، جو شخص میرے طریقہ پر نہین چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے[2]"،

کسی غزوہ مین ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا جس مین پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیان تھین، خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ! مجھکو ایک غار ملگیا ہے جس مین ضرورت کی سب چیزین ہین، میرا دل چاہتا ہے کہ وہان گوشہ گزین ہو کر ترک دنیا کرلون، آپ نے فرمایا "مین یہودیت یا نصرانیت لیکر دنیا مین نہین آیا، مین آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لیکر آیا ہون[3]"

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلس اقدس مین ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین مین سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ نے فرمایا "تمنے اپنے دوست کی گردن کاٹی" یہ الفاظ چند بار فرمائے، پھر ارشاد کیا کہ "تمکو اگر کسی کی خواہی

[1] ابوداؤد صفحہ ۲۴۲ [2] صحیح بخاری کتاب النکاح [3] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۶۶،

نخواہی مدح کرنی ہو تو یون کہو کہ میرا ایسا خیال ہے[1]"،

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا حضرت مقداد بھی موجود تھے انہون نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ مین جھونک دی اور کہا کہ ہمکو رسول اللہ نے حکم دیا ہی کہ مداحون کے منہ مین خاک بھر[2] دین۔

ایک دفعہ آپ مسجد مین تشریف لائے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، **محجن ثقفی** رضؓ سے پوچھا، یہ کون ہے، محجن نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا کہ "دیکھو یہ سن نپائے ورنہ تباہ ہو جائیگا" یعنی دل مین غرور پیدا ہوگا، جو موجب ہلاکت[3] ہوگا،

ایک دفعہ **اسود بن سریع** جو شاعر تھے، خدمت عالی مین آئے اور عرض کی کہ "مین نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح مین کچھ اشعار کہے ہین" فرمایا کہ ہان خدا کو حمد پسند ہے اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے اسی اثنا مین کوئی صاحب باہر سے آگئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتین کر کے چلے گئے پھر اسود نے پڑھنے شروع کیے، وہ صاحب پھر آگئے، آپ نے اسود کو پھر روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہین جنکے لیے آپ مجکو بار بار روک دیتے ہین، فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتین پسند نہین کرتا[4]۔

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم **حسان** کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس، حالانکہ یہ اشعار آنحضرتؐ کی مدح مین ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، عرب مین شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ

---

[1] ادب المفرد صفحہ ۶۶ [2] ایضاً صفحہ ۴۷ [3] ایضاً صفحہ ۷۰ [4] ایضاً۔

کہ زورِ کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے، ابن الزبعری اور کعب اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت صلعم کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسّان کی مداحی انکا رد عمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی | معمول تھا کہ مجلس سے اُٹھ کر گھر میں تشریف لیجاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے[1]،

روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے، ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دیکر کنگھا کرنا چاہیے۔

(کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اُٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف نہ تھا، کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو ملجاتا پہن لیتے، زمین پر چٹائی پر فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے[2]، آپ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کیجاتی تھی[3]۔ کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمایش کو ناپسند فرماتے تھے، سامان آرایش سے آپ طبعاً نفور تھے[4]، غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی)

امارت پسندی سے اجتناب | اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام، اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے۔ اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اُٹھاتے تھے، تاہم ناز و نعمت تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے،

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا، حضرت فاطمہ زہرا نے کہا کہ رسول اللہ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علی گئے اور آپ سے جا کر عرض کی آپ تشریف لائے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھکر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے، (حضرت علی نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی

---

[1] ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۲۰۸ [2] دیکھو شمائل [3] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ صفحہ ۸۱۴ [4] صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں

زیب وزینت کے مکان مین داخل ہو[1]۔)

فرمایا کرتے کہ گھر مین ایک بستر اپنے لیے ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے۔ چوتھا شیطان کا حصہ ہے[2]،

ایک دفعہ کسی غزوہ مین تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ رہ گئین، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر مین چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہمکو دولت اس لیے نہین دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائین[3]،

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپنے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے لوگون نے نام بتایا، آپ چپ ہو رہے، جب وہ حسب معمول خدمت اقدس مین آئے اور سلام کیا تو آپ نے منھ پھیر لیا، انہون نے پھر سلام کیا آپنے پھر منھ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے، جاکر گنبد کو زمین کے برابر کردیا ایک دن آپ بازار مین نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیے وبال ہے[4]،

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے پہن لی پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدی، حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجکو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ مین نے استعمال کے لیے نہین بلکہ فروخت کرنے کے لیے بھیجی چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دوہزار[5] دام اُٹھے،

ایک دفعہ کسی[6] نے ایک مخطط جوڑا بھیجا آپ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا، وہ پہنکر خدمت اقدس

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ - کتاب اللباس [3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ [4] ایضاً صفحہ ۳۰۶
[5] ایضاً کتاب اللباس [6] ایضاً -

مین آئے آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ مین نے اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادرین بنائی جائین[1]"

مُہر کرنے کی ضرورت سے جب آپ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی آپ کی تقلید سے صحابہ نے بھی زرین انگوٹھیان بنوائین، آپ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ اب نہ پہنون گا' صحابہ نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دین[2]۔

(جس طرح آپ خود سادگی پسند فرماتے تھے اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپکے اہل وعیال بھی سادہ زندگی بسر کرین اور تکلف وتنعم سے پاک رہین، عورتون کو شریعت مین سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے، مگر آنحضرت صلعم اہلبیت کرام کے لیے اس بات کو بھی خلاف اولیٰ تصور فرماتے تھے۔)

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے مین سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تمکو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہین گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے مین آگ کا ہار ہے[3]؛

ایک دفعہ حضرت عایشہ کے ہاتھون مین سونے کے کنگن (مسکۃ) دیکھے فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر درس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتین تو بہتر ہوتا[4]،

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت صلعم کیخدمت مین ہدیۃً بھیجے' ان مین ایک انگوٹھی بھی تھی جس مین حبشی پتھر کا ایک نگینہ جڑا تھا' آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے؛ اور لکڑی سے اس کو چھوتے تھے ہاتھ نہین لگاتے تھے[5]۔

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس، [2] ابوداؤد کتاب الخاتم، [3] نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳، [4] ایضاً" [5] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۹،

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا آپ نے پہن لیا اور اس کو پہنکر نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہوکر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا "پرہیزگاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہین"۔

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ وعیدین مین یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان وتجمل کے کپڑے زیب تن فرمائین اتفاق سے ایک بار راستہ مین ایک ریشمی کپڑا (حلّہ سیراء) بک رہا تھا حضرت عمرؓ نے موقع پاکر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کپڑا حضور خرید لین اور جمعہ مین اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائین، ارشاد ہوا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت مین کوئی حصہ نہین"،

اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور انہی کپڑون مین وفات[1] پائی۔

بستر کمل کا تھا کبھی چمڑے کا جس مین کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی کپڑا جو دوتہ کردیا جاتا تھا حضرت حفصہ بیان کرتی ہین کہ ایک شب کو مین نے بستر مبارک چارتہ کرکے بچھایا کہ ذرا نرم ہوجائے، صبح اٹھکر آنحضرت صلعم نے ناگواری[2] ظاہر فرمائی،

سنہ ۹ھ مین جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی فرمان روائے اسلام کے گھر مین صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ[3] تھا، حضرت عائشہ بیان کرتی ہین کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر مین کھانے کو کچھ نہ[4] تھا صحابہ سے فرمایا

---

[1] اوپر کی تمام روایتین صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہین [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری کتاب اللباس [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۰۔

کرتے تھے کہ "دنیا مین انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادراہ[1] کے لیئے"۔ ایک دفعہ ایک بورئیے پر آرام فرما رہے تھے اُٹھے تو لوگون نے دیکھا کہ پہلوے مبارک پر نشان پڑ گئے ہین، عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کرین، ارشاد ہوا کہ مجکو دنیا سے کیا غرض؟ مجکو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ مین کسی درخت کے سایہ مین بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے[2]،

ایلاء کے زمانہ مین حضرت عمر جب مشربہ مین جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو انکو نظر آیا کہ سرور عالم کے بیت قدس مین دنیا کی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھری چارپائی بچھی ہے سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس مین خرمے کی چھال بھری ہے ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہین، ایک کونے مین پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ کچھ مشکیزہ کی کھالین سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہین۔ یہ دیکھکر حضرت عمر کہتے ہین کہ میری آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے۔ آنحضرت صلعم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی یا رسول اللہ! مین کیون نہ روؤن، چارپائی کے بان سے جسم اقدس مین بدھیان پڑ گئی ہین، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے اس مین جو سامان ہے وہ نظر آرہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹین اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ اے ابن خطاب! تمکو یہ پسند نہین کہ وہ دنیا لین اور ہم آخرت[3]!،

مساوات | (آپ کی نظر مین امیر و غریب، صغیر و کبیر آقا و غلام سب برابر تھے، سلمان و صہیب و

---

[1] ابن ماجہ کتاب الزہد [2] جامع ترمذی کتاب الزہد۔ [3] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج۔

بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ مین رؤساے قریش سے کم رتبہ نہ تھے ایک دفعہ حضرت سلمان و بلال ایک موقع پر جمع تھے اتفاق سے **ابوسفیان** نکلے، ان لوگون نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کے گردن پر پورا قبضہ نہین پایا ہے، حضرت ابوبکر نے ان لوگون سے کہا سردار قریش کی شان مین یہ الفاظ! پھر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہین تم نے ان لوگون کو ناراض تو نہین کیا، ان لوگون کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکر نے فوراً جاکر ان بزرگون سے کہا بھائیو آپ لوگ مجھسے ناراض تو نہین ہوئے، ان لوگون نے کہا نہین۔ خدا تم کو معاف کرے[1]،

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم مین گرفتار ہوئی، اسامہ بن زید جنسے آنحضرتؐ نہایت محبت رکھتے تھے لوگون نے ان کو شفیع بناکر خدمت نبوی مین بھیجا، آپنے فرمایا اسامہ کیا تم حدود خداوندی مین سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے لوگون کو جمع کرکے خطاب فرمایا "تم سے پہلے کی امتین اسی لیے برباد ہوگئین کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے، اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے[2]"

غزوۂ بدر مین دوسرے قیدیون کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہوکر آئے تھے قیدیون کو زر فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا، بعض نیک دل انصار نے اس بناپر کہ وہ آپ سے قرابت قریبہ رکھتے ہین عرض کی کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زر فدیہ معاف کردین آپ نے فرمایا نہین ایک درہم بھی معاف نہ کرو[3]،

---

[1] صحیح مسلم فضائل سلمان وصہیب [2] بخاری ومسلم وابوداؤد کتاب الحدود، [3] صحیح بخاری باب فداء المشرکین۔

مجلس مین جو چیزین آتین ہمیشہ داہنی طرف سے اسکی تقسیم شروع فرماتے' اور ہمیشہ اس مین امیر و غریب، صغیر وکبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا)

ایک دفعہ خدمتِ اقدس مین صحابہ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباس بیٹھے ہوے تھے، جو بہت کمسن تھے، بائین جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے، کہین سے دودھ آیا آپ نے نوش فرماکر عبداللہ بن عباس سے کہا تم اجازت دو تو مین اِن لوگون کو دون۔ انہون نے عرض کی اِس عطیہ مین مین ایثار نہین کرسکتا، چونکہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی روسے اُنہی کا حق تھا آپ نے اُنہی کو ترجیح دی[1]۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا، مین نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکر بائین جانب' حضرت عمر سامنے، اور ایک بدّو داہنی طرف تھا، آپ نے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا، یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو' آپ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے، یہ کہکر بچا ہوا دودھ بدّو کو عنایت فرمایا[2]۔

(قریش اپنے فخروامتیاز کے لیے مزدلفہ مین قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت صلعم نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ بعثت سے[3] پہلے اور بعثت کے بعد[4] بھی ہمیشہ عام لوگون کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ برین یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہین خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھکر آپ کے لیے مخصوص کردی جائے اور وہان سایہ کے لیے کوئی چھپّر ڈال دیا جائے، صحابہ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا جو پہلے پہنچ جائے

---

[1] صحیح بخاری صفحہ ۸۰۰، [2] بخاری صفحہ ۳۵۰، [3] ابوداؤد کتاب المناسک، [4] ایضاً،

اسی کا مقام ہے[1]"

صحابہ جب سب ملکر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلعم ان کے ساتھ شریک ہوجاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ مین آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی، اس مسجد اقدس کی تعمیر مین دیگر صحابہ کی طرح خود آنحضرت صلعم بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانین قربان آپ کیون زحمت فرماتے ہین لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے[2]. غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کے چار دن طرف خندق کھودرہے تھے، آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہان تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی[3]"

ایک سفر مین کھانا طیار نہ تھا، تمام صحابہ نے ملکر کھانا پکانے کا سامان کیا، لوگون نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلعم نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کرلین گے، فرمایا ہان سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہین کہ مین تم سے اپنے کو ممتاز کرون، خدا اس بندہ کو پسند نہین کرتا جو اپنے ہمراہیون مین ممتاز بنتا ہے[4]"

غزوۂ بدر مین سواریون کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیون کے بیچ مین ایک ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے، آنحضرت صلعم بھی عام آدمیون کی طرح ایک اونٹ مین دو اور آدمیون کے ساتھ شریک تھے، ہمراہ جان نثارانہ اپنی باری پیش کرتے، اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ سوار رہین حضور کے بدلہ ہم پیادہ چلین گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۰۷، [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ وبناء المسجد، [3] صحیح بخاری باب غزوۂ احزاب، [4] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶، بحوالہ سیرت محب طبری۔ یہ روایت کسی اور کتاب مین نہین ہے۔

ادنہین تم سے کم ثواب کا محتاج ہون[1]،)

تواضع | گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑون مین پیوند لگاتے، گھر مین خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھا، غلامون اور مسکینون کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز[2] نہ تھا، ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے[3] نہ اُٹھو"

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسون اور فقیرون کے ہان جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے، صحابہ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا، کسی مجمع مین جاتے تو جہان جگہ ملجاتی بیٹھ جاتے[4]،

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہین، مین فرشتہ نہین ایک قریشی عورت کا بیٹا ہون جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی[5]،

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ اکڑون بیٹھکر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "مین بندہ اور بندون کی طرح کھاتا اور بندون ہی کی طرح بیٹھتا ہون" ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی، اور لوگ زیادہ آگئے آپ اکڑون بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے، ایک بدوی بھی مجلس مین شریک تھا اس نے کہا محمد! یہ کیا طرز نشست ہے؟ آپ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے، جبّار اور سرکش نہین بنایا[6] ہے،

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہین پسند فرماتے تھے، ایک بار

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۴۲۲ و مسند ابو داؤد طیالسی [2] شمائل ترمذی [3] ابو داؤد، و ابن ماجہ [4] شمائل ترمذی [5] ایضاً،
[6] ابو داؤد کتاب الاطعمہ،

ایک شخص نے اِن الفاظ سے آپ کو خطاب کیا "اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند، اور اے ہم مین سب سے بہتر اور ہم مین سب سے بہتر کے فرزند" آپ نے فرمایا لوگو، پرہیزگاری اختیار کرو شیطان تمھین گرانہ دے مین عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہون، خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجکو خدا نے جو مرتبہ بخشا مین پسند نہین کرتا کہ تم مجھے اُس سے زیادہ بڑھاؤ، [1]

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یاخیر البریۃ (یعنی اے بہترین خلق) کہکر مخاطب کیا آپ نے فرمایا وہ ابراہیمؑ تھے، [2]

عبداللہ بن شخیر کا بیان ہو کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس مین آئے تو عرض کی کہ حضور ہمارے آقا (سید) ہین، ارشاد فرمایا کہ "آقا خدا ہے" پھر ہم لوگون نے عرض کی آپ ہم مین سب سے افضل اور سب سے برتر ہین، ارشاد ہوا کہ "بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہین چلا رہا ہے"، [3]

مدینۂ منورہ مین ایک عورت تھی جس کے دماغ مین کچھ فتور تھا آپ کی خدمت مین آئی اور کہا کہ محمدؐ! مجکو تم سے کچھ کام ہے، فرمایا جہان کہو چلسکتا ہون، وہ آپ کو ایک کوچہ مین لوا گئی اور دہین بیٹھ گئی، آپ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دیدیا، [4]

مخرمہؓ ایک صحابی تھے ایک دفعہ انھون نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس کہین سے چادرین آئی ہین، اور وہ تقسیم فرمارہے ہین، آؤ ہم بھی چلین، آئے تو آپ زنانہ مین تشریف لیجا چکے تھے، کہا آواز دو، انھون نے کہا میرا یہ رتبہ ہو کہ مین آنحضرت صلعم کو آواز دون، مخرمہ نے کہا بیٹے! محمدؐ جبار نہین ہین، ان کی جرأت دلانے سے مسور نے آواز دی، آنحضرتؐ فوراً نکل آئے، اور ان کو دیبا کی قبا عنایت

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل ابراہیم [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ [3] ابوداؤد کتاب الادب [4] ایضاً

کی جسکی گھنڈیاں زرین تھین[1]،

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانون پرفضیلت دی، یہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم پر تعریض ہی غصہ مین آکر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، وہ وہ آنحضرت صلعم کے پاس فریادی آیا، آپ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ "مجکو انبیا پر فضیلت نہ دو[2]"،

(انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہی جب وہ اپنے چپ و راست جلو مین ہزارون آدمیون کو چلتے ہوئے دیکھتا ہی جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کردینے کو تیار ہوجاتے ہین خصوصًا جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پرجوش لشکر کے ساتھ شہر مین داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلعم کے تواضع وخاکساری کا منظر اس وقت اور نمایان ہوجاتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر مین داخل ہوئے تو تواضعًا سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر ملگیا[3]، غزوۂ خیبر مین جب آپ کا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس مین لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی[4]، حجۃ الوداع مین جس کجاوہ پر آپ سوار تھے سن چکے ہو کہ اسکی قیمت کیا تھی۔)

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے

(شرک کا پہلا دیباچہ انبیاء اور صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم ہے، آنحضرت صلعم اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے حضرت عیسیٰؑ کی مثال پیش نظر تھی، فرمایا کرتے تھے کہ "میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہین، مین تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہون[5]")

قیس بن سعد کہتے ہین کہ مین ایک دفعہ حیرۃ گیا وہان لوگون کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار

[1] بخاری صفحہ ۸۶۱ [2] بخاری کتاب الانبیا ذکر موسیٰ [3] شرح شفا قاضی عیاض و سیرۃ ابن ہشام [4] مشکوۃ اخلاق النبی بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی [5] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۰۔

مین جاتے ہین، تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم کی خدمت مین یہ واقعہ بیان کیا، اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہین، آپ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گذروگے تو سجدہ کروگے؟ کہا نہین، فرمایا تو جیتے جی بھی سجدہ نہین کرنا چاہیے[1]۔

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا اُس پر بیٹھ گئے، گھر کی لڑکیان آس پاس جمع ہوگئین اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگین۔ گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا،

فِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ — ہم مین ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی باتین جانتا ہے،

فرمایا یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھین[2]،

آنحضرت صلعم کے صاحبزادے حضرت قاسم نے جس روز انتقال کیا اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا، لوگون کے خیال مین ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اس کے درد وصدمہ سے کم از کم اجرام سماوی مین انقلاب پیدا ہو جائے، لوگون نے اِس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا۔ ایک جاہ پسند انسان کے لیے اِس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہوسکتا تھا، لیکن نبوّت کی شان اِس سے بدرجہا ارفع واعلیٰ ہے، آنحضرت صلعم نے اسی وقت لوگون کو مسجد مین جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج مین گرہن لگنا خدا کی آیات قدرت مین ہے، کسی کی زندگی اور موت سے ان مین گرہن نہین لگتا[3]،

(ایک دفعہ آنحضرت صلعم وضو کر رہے تھے وضو کا پانی جو دستِ مبارک سے گرتا فدائی برکت کے

---

[1] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأة [2] صحیح مسلم باب ضرب الدف فی النکاح [3] صحیح بخاری ومسلم باب صلوٰۃ الخسوف،

خیال سے اسکو چلو مین لیکر بدن مین مل لیتے، آپ نے پوچھا کہ تم یہ کیون کر رہے ہو، انھون نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت مین، فرمایا اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جب باتین کرے سچ بولے، جب امین بنایا جائے ادا ے امانت کرے، اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائگی کو اچھی طرح نباہے[1]،

ایک صاحب بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے اثنائے گفتگو مین انھون نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہین" ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہے"[1]۔

شرم وحیا (صحاح مین ہے کہ آپ دوشیزہ لڑکیون سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، اور شرم وحیا کا اثر آپ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہین کی، بازارون مین جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے، تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ و قہقہہ سے آشنا نہین ہوئے،)

بھری محفل مین کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے، چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے،

عرب مین (اور ممالک کی طرح) شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا، ننگے نہانا عام بات تھی، حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے، آنحضرت صلعم کو بالطبع یہ باتین سخت ناپسند تھین، ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو، لوگون نے عرض کی کہ حمام مین نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری مین فائدہ ہوتا ہے ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو، عرب مین حمام نہ تھے لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے، وہان کثرت سے حمام تھے، اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کروگے تو وہان

[1] (مشکوۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی [2] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷ مصر

حمام ملین گے ان مین جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

ایک دفعہ کچھ عورتین حضرت ام سلمہ کے پاس آئین، انھون نے وطن پوچھا، بولین حمص (شام کا ایک شہر ہی) حضرت ام سلمہ نے کہا تھین وہ عورتین ہو؟ جو حمام مین نہاتی ہین، بولین کیا حمام کوئی بری چیز ہے، فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر مین کپڑے اتارتی ہے خدا اسکی پردہ دری کرتا ہے[1]، ابو داؤد مین روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے حمام مین نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردون کو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دی لیکن عورتون کے لیے وہی حکم قائم رہا،

عرب مین جائے ضرور نہ تھے[2] لوگ میدانون مین رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ لیکن پردہ نہین کرتے تھے بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے، آنحضرت صلعم نے اسکی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اِس سے ناراض ہوتا ہی[3]۔

معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھون سے اوجھل ہو جاتے، مکہ معظمہ مین جب تک قیام تھا، حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا،

اپنے ہاتھ سے کام کرنا | (اگرچہ تمام صحابہ آپکے جان نثار خادمون مین داخل تھے، با اینہمہ آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ، ابوسعید خدری، اور امام حسن سے روایت ہی کہ کان یخدم نفسہ یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے[4]، ایک شخص نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ گھر مین کیا کیا کرتے تھے جواب دیا کہ گھر کے کام کاج مین مصروف رہتے تھے، کپڑون

---

[1] یہ تمام روائتین ترغیب و ترہیب مین کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہین۔ [2] صحیح بخاری حدیث افک،

[3] ابو داؤد و ابن ماجہ، [4] شرح شفاے قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۱۱۶،

مین اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر مین خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول مین ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ ملکر آٹا گوندھتے[1]۔

ایک دفعہ حضرت انس بن مالک خدمت مبارک مین حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہین، ان سے دوسری روایت ہے کہ انھون نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹون کو داغ رہے ہین، تیسری روایت مین وہ کہتے ہین کہ آپ بکریون کو داغ لگا رہے[2] تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی مین تشریف لے گئے دیکھا تو کسی نے مسجد مین ناک صاف کی ہے آپ نے خود دست مبارک سے ایک کنکرے کر اس کو کھرچ ڈالا، اور آئندہ لوگون کو اس فعل سے منع فرمایا[3]۔

آپ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معمارون کے پاس لاتے[4] تھے، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے مین جس طرح عام مزدورون کے ساتھ ملکر آپ نے کام کیا، خود دست مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھود دی اسکی تفصیل جلد اول کے واقعات مین گزر چکی ہے، ایک سفر مین صحابہ نے بکری ذبح کی اور اس کے پکانے کے لیے آپس مین کام بانٹ لیے، آپ نے فرمایا "جنگل سے لکڑی مین لاؤن گا" صحابہ نے تامل کیا، تو فرمایا، مین امتیاز پسند نہین[5] کرتا، ایک اور سفر مین آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا آپ نے خود اس کو درست

[1] صحیح بخاری کتاب الادب اور باب ما یکون الرجل فی مہنۃ اہلہ مین مجمل ہے، قاضی عیاض نے شفا مین متعدد حدیثون سے لیکر اور ٹکڑے بھی جمع کردیے ہین، زرقانی نے جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ مین مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اسکو صحیح کہا ہے، [2] یہ تینون روایتین صحیح مسلم مین ہین پہلی روایت کتاب الادب مین اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان مین ہے [3] سنن نسائی کتاب المساجد [4] صحیح بخاری باب الجاہلیۃ [5] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری -

کرنا چاہا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ لایئے مین ٹانک دون، فرمایا[1] "یہ تشخص پسندی ہی جو مجھے محبوب نہین ہے" ، وصحابی بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہین، ہملوگ بھی اس کام مین شریک ہوگئے، جب کام ختم ہوگیا تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی،[2])

دوسرون کے کام کردینا

(خباب بن ارت ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے انکو کسی غزوہ پر بھیجا خباب کے گھر مین کوئی مرد نہ تھا اور عورتون کو دودھ دوہنا نہین آتا تھا اس بنا پر آپ ہر روز ان کے گھر جاتے، اور دودھ دوہ دیا کرتے[3]، حبش سے جو مہمان آئے تھے صحابہ نے چاہا کہ وہ انکی خدمت گذاری کرین لیکن آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ "انہون نے میرے دوستون کی خدمت کی ہے اس لیے مین خود ان کی خدمت گذاری کا فرض انجام دونگا" ، کفار ثقیف جنھون نے طایف مین آپ کے پاے مبارک کو زخمی کیا تھا، ۹ھ مین وفد لیکر آئے تو آپ نے ان کو مسجد نبوی مین اتارا اور بہ نفس نفیس انکی مہمانی کے فرایض ادا کیے،

مدینہ کی لونڈیان آپ کی خدمت مین آتین اور کہتین "یا رسول اللہ میرا یہ کام ہے" آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے اور اُن کا کام کردیتے، مدینہ مین ایک پاگل لونڈی تھی وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ کا دست مبارک پکڑ لیا، آپ نے فرمایا "اے عورت! مدینہ کی جس گلی مین تو چاہے بیٹھ، مین تیرا کام کردون گا" ، چنانچہ آپ اُسکے ساتھ مدینہ کی ایک گلی مین جاکر بیٹھے اور اسکی ضرورت پوری کی[4]، عبد اللہ بن ابی اوفی ایک صحابی ہین وہ

---

[1] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف لابی الیمن بن عساکر، [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۹۶، [3] ابن سعد حصہ ہشتم صفحہ ۲۱۲ ترجمہ بنت خباب، [4] شفای قاضی عیاض بسند متصل بحوالہ بیہقی [5] مسلم اور ابو داؤد، اخلاق و آداب۔

فرماتے ہین،

ولا یانف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین — بیوہ اور مسکین کے ساتھ چلکر انکا کام کردینے مین

فیقضی لہ الحاجۃ (نسائی ودارمی) — آپ کو عار نہ تھا،

ایک دفعہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوچکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑکر بولا "میرا ذراسا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہوکہ مین بھول جاؤن پہلے اس کو کردو" آپ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دیکر نماز ادا کی[1]،

عزم واستقلال (خدانے قرآن مجید مین اولو العزم من الرسل کہکر انبیاء کبار کی مدح فرمائی ہی آنحضرت صلعم چونکہ خاتم الرسل تھے اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدانے یہ وصف آپ کی ذات مین ودیعت کیا تھا، ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت صلعم کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہے "عرب کے کفرستان مین ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہی بے یار ومددگار دعوتِ حق کی صدائین بلند کرتا ہی ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اسکی مخالفت مین پہاڑ بنکر سامنے آتا ہے لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھاکر پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور مخالفون کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہوجاتی ہے،

تیرہ برس کی متواتر ناکامیون کے بعد بھی ذاتِ اقدس جبین ویاس سے آشنا نہین ہوتی اور بالآخر وہ دن آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثارون کو چھوڑکر دنیاے فانی کو الوداع کہتا ہے، ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ نے کفار کی ایذا رسانیون سے تنگ آکر خدمتِ مبارک مین عرض کی کہ آپ ہمارے لیے کیون دعا نہین فرماتے" آپکا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہین اُن کو

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب وبخاری کتاب الصلوۃ مختصراً۔

آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، اُن کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا، لیکن یہ آزمائشیں بھی انکو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں؛ خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچکر رہے گا، یہان تک کہ صنعاء سے حضر موت تک ایک سوار اسطرح بیخطر چلا آئے گا کہ اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا[1]؛

مکہ مین رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیرون سے تھک گئے تو انہون نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان مین سے ہر چیز بہا در سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی، لیکن آپ نے ذلت کے ساتھ انکی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا، اس وقت آپ نے جواب مین جو فقرے فرمائے، عالم کائنات مین ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقۂ تعبیر ہے، آپ نے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ مین سورج اور بائین مین چاند رکھ دین تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤن گا" (ابن ہشام)

غزوۂ بدر مین جب تین سو بے سرو سامان مُسلم ایک ہزار باساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے، کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بپھرتے آتے تھے، اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت صلعم کے پہلو مین آجاتے تھے اور بااین ہمہ نبوت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا[2]؛

غزوۂ احد مین آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی راے دی لیکن جب آپ زرہ پہنکر تیار ہو گئے تو صحابہ نے رک جانے کا مشورہ دیا، آپ نے فرمایا "پیغمبر زرہ پہنکر اتار نہیں سکتا[3]"،

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ دل باب مالقی النبیؐ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶، [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۱ باب قول اللہ و امرہم شوریٰ بینہم،

غزوۂ حنین مین جب قبیلۂ ہوازن کے قدر انداز ون نے متصل تیرون کی بوچھار کی تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے لیکن آپ نہایت سکون واطمینان سے چند جان نثارون کے ساتھ میدان مین جمے رہے، اس وقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا،

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب[1]   مین پیغمبر صادق ہون، مین فرزند عبد المطلب ہون،

ایک بار آپ کسی غزوہ مین درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب مین تلوار کھینچکر بولا "محمد اب تمکو مجھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "خدا" اس عزم واستقلال اور جرأت صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان مین کر لی اور پاس بیٹھ گیا،[2]

شجاعت | (یہ وصف انسانیت کا اصلی جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے، عزم، استقلال، حقگوئی، راست گفتاری، پُردلی، یہ تمام باتین شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہین) آنحضرت صلعم کو سیکڑون مصائب وخطرات اور بیسیون معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہین کھائی، غزوۂ بدر کی گھمسان لڑائی مین ۳۰۰ نہتے مسلمانون کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملون سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑکر مرکز نبوت ہی کے دامن مین آکر پناہ لیتے تھے، حضرت علیؓ جن کے دست وبازو نے بڑے بڑے معرکے سر کئے، کہتے ہین کہ بدر مین جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگون نے آپ ہی کی آڑ مین آکر پناہ لی، آپ سب سے زیادہ شجاع تھے، مشرکین کی صف سے اُس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا،[3]

غزوۂ حنین مین ہوازن کے بے پناہ تیرون کی بارش ہوئی تو مسلمانون کی کثیر التعداد فوج دفعۃً میدان سے ہٹ گئی لیکن آپ مع چند جان نثارون کے بدستور میدان مین کھڑے رہے، اس وقت بار بار

[1] صحیح بخاری حنین، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ غزوۂ ذات الرقاع [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶-

آپ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے لیکن جان نثار مانع آتے تھے، اب دشمنون کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات تھی، بااینہمہ پائے اقدس مین لغزش نہین ہوئی، حضرت برار جو اس معرکہ مین شریک تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین مین تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا ہان یہ سچ ہے لیکن مین گواہی دیتا ہون کہ آنحضرت صلعم اپنی جگہ سے نہین ہٹے تھے، خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ہی کے پہلو مین آکر پناہ لیتے تھے، ہم مین سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا[1]"

حضرت انس بن مالک رض کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم سب سے زیادہ شجاع تھے، ایک دفعہ مدینہ مین شور ہوا کہ دشمن آ گئے، لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت صلعم تھے، جلدی مین آپ نے اس کا بھی انتظار نہین کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطرون کے مقامات مین گشت لگا آئے اور واپس آکر لوگون کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہین[2]،

آنحضرت صلعم نے کبھی کسی کو اپنے دستِ خاص سے قتل نہین کیا، ابی بن خلف آپکا سخت دشمن تھا، بدر مین فدیہ دیکر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسکو مین ہر روز جوار کھلایا کرتا ہون، اسی پر چڑھ کر محمد کو قتل کرون گا، احد مین اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفون کو چیرتا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا، مسلمانون نے چاہا کہ اس کو بیچ ہی مین روک لین لیکن آپ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ

---

[1] صحیح مسلم غزوۂ حنین، [2] صحیح بخاری کے متفرق ابواب مین یہ حدیث ہے مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب، و باب اذا فزعوا باللیل،

لیکر آپ اسکی طرف بڑھے، اور آہستہ سے اس کی گردن مین انی چبھودی، وہ چنگھاڑ ملا کر بھاگا، لوگون نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہین، تم اس قدر خوف زدہ کیون ہو؟ اُس نے کہا ہان سچ ہے لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے[1]،)

راست گفتاری (راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود انکی ذات سے کبھی منفک نہین ہو سکتا، اس بنا پر آنحضرت صلعم کے اخلاق کے عنوان مین اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی، لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتون کو قلبند کرنا چاہتے ہین جو دشمنون کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہین،

آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار مین جو لوگ آپ سے واقف تھے انھون نے آپ کو کاذب اور دروغگو یقین نہین کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ کے حواس درست نہین ہین یا اب عقل بجا نہین رہی ہے یا یہ کہ ان مین اب شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہے، اسی بنا پر انہون نے آپ کو مجنون کہا مسحور کہا شاعر کہا لیکن کاذب نہین کہا،

ایک روز قریش کے بڑے بڑے روسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا نضر بن حارث نے جو قریش مین سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا کہا اے قریش، تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اسکی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمدؐ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا وہ تم مین سب سے زیادہ پسندیدہ صادق القول اور امین تھا اب جب اس کے بالون مین سپیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتین پیش کین تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے کاہن ہے شاعر ہے مجنون ہے خدا کی قسم مین نے ان کی باتین سنی ہین محمدؐ مین یہ کوئی

[1] شرح شفا قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۴۴ بحوالہ بیہقی باسند صحیح و مصنف عبد الرزاق و ابن سعد و واقدی -

بات نہین تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہو[1]،

ابوجہل کہا کرتا تھا "محمد ہین تمکو جھوٹا نہین کہتا البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اُن کو صحیح نہین سمجھتا" قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے[2]،

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّہٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ	ہم جانتے ہین کہ اے پیغمبر ان کافرونکی باتین تمکو غمگین کرتی ہین،
فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنْ بِآیَاتِ اللّٰہِ	کیونکہ وہ تمکو جھٹلاتے نہین البستہ یہ ظالم اللہ کی آیتون کا
یَجْحَدُوْنَ (انعام)	انکار کرتے ہین،

جب آنحضرت صلعم کو بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھکر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہوگئے تو فرمایا "اگر مین تم سے یہ کہون کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا "ہان! کیونکہ ہمنے تمکو کبھی جھوٹ بولتے نہین[3] دیکھا"

قیصر روم نے دربار مین **ابوسفیان** سے پوچھا کہ تمہارے ہان جو مدعی پیدا ہوا ہے اس دعوی سے پہلے کبھی تمنے اس کو دروغگو بھی پایا، ابوسفیان نے کہا نہین، آخر مین قیصر نے جو تقریر کی اس مین کہا مین نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہین، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیون پر افترا باندھنے سے کب[4] باز رہتا،)

ایفائے عہد (ایفائے عہد آپ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر نے اپنے دربار مین آپ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کیے، ان مین ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی

---

[1] ابن ہشام [2] جامع ترمذی تفسیر انعام [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت [4] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

محمدؐ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہین[1]، وحشی جنھون نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے، اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس مین انکا نام بھی تھا لیکن انکو ڈر تھا کہ کہین مجھ سے انتقام نہ لیا جائے، لیکن خود دشمنون نے انکو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ، محمدؐ سفراء کو قتل نہین کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت مین حاضر ہوئے، اور اسلام لائے[2]، صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنون مین تھے، جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے، عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، آنحضرت صلعم نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے، عمیر عمامہ مبارک لیکر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تمکو بھاگنے کی ضرورت نہین تمکو امان ہے، جب خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہان یہ سچ ہے[3]؛

ابورافع ایک غلام تھے، حالت کفر مین قریش کی طرف سے سفیر بنکر مدینہ منورہ آئے، روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت اُن کے دل مین جاگزین ہوگئی، عرض کی یا رسول اللہ! اب مین کبھی کافرون کے پاس لوٹ کر نہ جاؤن گا، ارشاد ہوا مین عہد شکنی کرسکتا اور نہ قاصدون کو اپنے پاس روک سکتا، تم اسوقت واپس جاؤ، اگر وہان پہنچکر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آجانا، چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے اور پھر اسلام لائے[4]،

صلح حدیبیہ مین ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کردیا جائیگا، عین اسوقت جب معاہدہ کی یہ شرطین زیر تحریر تھین، ابوجندل پابزنجیر اہل مکہ کی قید سے

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] صحیح بخاری غزوۂ احد، [3] ابن ہشام [4] ابوداؤد باب الوفا، بالعہد،

بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلعم سے فریادی ہوئے تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے لیکن آنحضرت صلعم نے باطمینان تمام انکی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ابو جندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہین کر سکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا"[1]

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہو کہ عبد اللہ بن ابی الحمسا نے آنحضرت صلعم سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آکر حساب صاف کر دیتا ہون، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا تین دن کے بعد آئے، تو آنحضرت صلعم اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھکر فرمایا مین تین دن سے یہان تمہارے انتظار مین بیٹھا ہون[2]،

غزوۂ بدر مین کافرون کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہئے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکین بہتر ہے لیکن آپ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے، ابو حذیفہ بن الیمان اور ابو حسل دو صحابی مکہ سے آرہے تھے، راہ مین کفار نے انکو روکا کہ محمد کے پاس جا رہے ہو، انھون نے انکار کیا آخر اس شرط پر انکو رہائی ملی کہ وہ جنگ مین آپ کا ساتھ نہ دین گے، یہ دونون صاحب آنحضرت صلعم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا تم دونون واپس جاؤ، ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرین گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے[3]،

زہد و قناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہو کہ آنحضرت صلعم جب تک مکہ مین تھے پیغمبر تھے، مدینہ پہنچکر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر نگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے، صحیح بخاری باب الجہاد مین روایت ہو کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہان

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط آخری فقرے ابن ہشام مین ہین [2] ابو داؤد کتاب الادب [3] صحیح مسلم باب الوفا بالعہد جلد ۲ صفحہ ۸۹،

تین صاع جو پر گرو تھی، جن کپڑوں مین آپ نے وفات پائی ان مین اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ ہی جب تمام عرب حدود شام سے لیکر عدن تک فتح ہو چکا ہی اور مدینہ کی سرزمین مین زر و سیم کا سیلاب آچکا ہے،

اس مین شبہ نہین کہ آپ کی مہمات فرائض مین رہبانیۃ کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رهبانیۃ ابتدعوها اس بنا پر آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کیے ہین[۱] لیکن اصلی میلان طبع زخارف دنیوی سے اجتناب تھا، (فرمایا کرتے فرزند آدم کو ان چند چیزون کے سوا اور کسی چیز کا حق نہین رہنے کے لیے گھر، سترپوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی[۱]) حضرت عائشہ فرماتی ہین ولا یطوی له ثوب[۲] کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہین رکھا گیا یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہین ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا،

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمر گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے اتفاقاً آپ کسی طرف سے آ گئے پوچھا کیا شغل ہی، عبد اللہ بن عمر نے عرض کی دیوار کی مرمت کر رہا ہون، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہان[۲]؟

گھر مین اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا،

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا: هو واهله لا یجدون عشاء[۳]، — آپ اور آپ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہجاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہین ہوتا تھا،

پیہم دو دو مہینے تک گھر مین آگ نہین جلتی تھی، حضرت عائشہ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولین کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا

---

[۱] جامع ترمذی ابواب الزہد، [۲] ابن ماجہ کتاب اللباس [۳] جامع ترمذی معیشۃ النبی،

دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے[1] تھے، آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہین[2] دیکھی، میدہ جس کو عرب مین حواری اور نقی کہتے ہین کبھی نظر سے نہین گذرا، سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہین اُنسے لوگون نے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم کے زمانہ مین چھلنیان نہ تھین، بولے نہین، لوگون نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے منھ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے، جو رہجاتا تھا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے[3]،

حضرت عایشہ فرماتی ہین کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہین[4] کھائی،

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر مین محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہین کہ آپ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے، یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورۂ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونون صحیح ہین، بے شبہ آپ بقدر نفقہ آمدنی مین سے لے لیتے، باقی فقراء اور اہل حاجت کو دیدیتے تھے لیکن آپ اپنے لیے جو رکھ لیتے تھے وہ بھی اہل حاجت کے نذر ہوجاتا تھا، احادیث مین آپ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے منقول ہین، چند روایتین اس موقع پر ہم درج کرتے ہین،

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہون، آپ نے ازواج مطہرات مین سے کسی کے ہان کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیجدو، جواب آیا کہ گھر مین پانی کے سوا کچھ نہین، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا، وہان سے بھی یہی جواب آیا، مختصر یہ کہ آٹھ نو گھرون مین سے کہین پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز[5] نہ تھی،

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس مین حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق، [2] ایضاً [3] شمائل [4] ایضاً [5] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر، و صحیح بخاری صفحہ ۵۳۵،

سے کسکر باندھا ہے، سبب پوچھا تو حاضرین مین سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ[1] سے،

حضرت ابوطلحہ کہتے ہین کہ ایک دن مین نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد مین زمین پر لیٹے ہوئے ہین، اور بھوک کیوجہ سے باربار کروٹین بدلتے[2] ہین،

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرت صلعم کیخدمت مین فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھولکر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر[3] تھے۔

اکثر بھوک کیوجہ سے آواز اس قدر کمزور ہوجاتی تھی کہ صحابہ آپ کی حالت سمجھ جاتے تھے، ایک دن ابوطلحہ گھر مین آئے، اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ مین نے ابھی رسول اللہ کو دیکھا انکی آواز کمزور ہوگئی[4] ہے،

ایک دن بھوک مین ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ مین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ملے، یہ دونون صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے، آپ سب کو لیکر حضرت ابوایوب انصاری کے گھر آئے، انکا معمول تھا کہ آنحضرت صلعم کے لیے دودھ تیار رکھتے تھے، آج آپ کے آنے مین دیر ہوئی تو انھون نے بچون کو کھلادیا، آنحضرت صلعم ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان مین چلے گئے تھے، انکی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئین اور عرض کی حضور کا آنا مبارک، آپ نے پوچھا ابوایوب کہان ہین، نخلستان پاس ہی تھا، وہ آواز سنکر دوڑے آئے اور مرحبا کہکر عرض کی یہ حضور کے آنے کا وقت نہین، آپ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان مین جاکر کھجورون کا ایک خوشہ توڑ لائے، اور کہا مین گوشت طیار کرتا ہون، ایک بکری ذبح کی آدھے کا سالن آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لاکر رکھا تو آنحضرت نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا کہ فاطمہؓ

---

[1] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۱،

کو بھوا دو کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہین ہوا ہے پھر خود صحابہ کے ساتھ ملکر کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کے کھانے دیکھکر آنکھون مین آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ "خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت مین نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزین ہین"[1]

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلعم صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہی؟ عرض کرتین نہین، آپ فرماتے کہ اچھا مین نے روزہ رکھ لیا[2]،

عفو و حلم | ارباب سیر نے تصریح کی ہی اور تمام واقعات شاہد ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے انتقام نہین لیا، صحیحین مین حضرت عایشہ سے مروی ہی کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ مین انتقام نہین لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو[3]،

(جنگ اُحد کی شکست سے زیادہ رؤسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی، تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف مین جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانون پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم و عفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انہین سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا، چنانچہ ایسا ہی ہوا سنہ ۹ھ مین جب اُن کے وفد نے مدینہ کا رُخ کیا تو آپ نے صحن مسجد مین انکو مہمان اتارا اور عزت و حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے[4]

قریش نے آپ کو گالیان دین، مارنے کی دھمکی دی، راستون مین کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستین ڈالین، گلے مین پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان مین گستاخیان کین، نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل کبھی شاعر

---

[1] ترغیب و ترہیب جلد ۲ صفحہ ۷۵ (یہ واقعہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ مین بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہی)[2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۰ و کتاب الادب [4] صحیح بخاری بدا الخلق [5] ابو داؤد، ذکر طایف و مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۱۸-

کہا، لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی، غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے، ایک صاحب جنھوں نے آنحضرت صلعم کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضور فرما رہے تھے کہ "لوگو، لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے" پیچھے پیچھے ابوجہل تھا، وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کردیں، یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو" راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے" (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۶۳)

سب سے بڑھکر طیش اور غضب کا موقع **افک** کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہ آپ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنھوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح، یہ باتیں انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں، تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمامتر بانی رئیس المنافقین **عبداللہ بن ابی** تھا، اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا، تاہم آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا "مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھکو ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہے" حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اٹھکر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں آپ نام بتائیں، تو اس کا سر اڑا دوں، سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف کے حمائتی کھڑے ہو گئے قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں آپ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔ واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کردی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی۔ تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر

چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا، اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تہمت لگانے والون مین جنکو سزا دی گئی، ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے، انکی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے، تہمت کے جرم مین حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا، اس پر یہ آیت اتری،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا	تم مین سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدرت ہین انکو قسم
أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	نہین کھانا چاہیے کہ قرابت دارون مسکینون اور مجاہدون سے
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ	سلوک نہ کرین گے، تمکو عفو اور درگذر سے کام لینا چاہیے، کیا تم یہ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نور)	نہین چاہتے کہ خدا تم کو بخشدے، خدا غفور رحیم ہے،

حضرت ابوبکرؓ نے انکا روزینہ بدستور جاری کر دیا،

تہمت لگانے والون مین (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور مین تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے، حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا، لیکن یہ آنحضرت صلعم کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ (حسان) آنحضرت صلعم کی طرف سے کفار کو جواب[1] دیتے تھے،

مدینہ کے منافق یہودیون مین سے لبید بن اعصم نے آپ پر سحر کیا تاہم آپ نے کچھ تعرض نہ فرمایا (حضرت عائشہ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا مین لوگون مین شورش نہین پیدا کرانا چاہتا[2])

زید بن سعنہ جس زمانہ مین یہودی تھے لین دین کا کاروبار کرتے تھے، آنحضرت صلعم نے ان سے کچھ قرض لیا، میعاد ادا مین ابھی کچھ دن باقی تھے، تقاضے کو آئے، آنحضرت صلعم کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست

[1] صحیح بخاری قصۂ افک، [2] صحیح بخاری صفحہ ۹۰۴،

کہکر کہا عبد المطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یون ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو" حضرت عمر غصہ سے بیتاب ہوگئے، اسکی طرف مخاطب ہوکر کہا "او دشمنِ خدا تو رسول اللہ کی شان مین گستاخی کرتا ہے" آنحضرت صلعم نے مسکرا کر فرمایا، "عمر! مجکو تم سے اور کچھ امید تھی اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیے تھا کہ مین اس کا قرضہ ادا کردون" یہ فرماکر حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کرکے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو[1]

ایک دفعہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہوجاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہان شام سے کپڑے آئے حضرت عایشہ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجیے آنحضرت صلعم نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا اس گستاخ نے کہا مین سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یون ہی اڑا لین اور دام نہ دین" آنحضرت صلعم نے یہ ناگوار جملے سنکر صرف اس قدر فرمایا کہ "وہ خوب جانتا ہے کہ مین سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہون"[2]

ایک دفعہ کھیت پر تشریف لے جا رہے تھے ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ رک گئے اور اس سے مخاطب ہوکر فرمایا "صبر کرو" وہ آپ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کیساتھ) بولی "ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے" آپ چلے آئے، لوگون نے عورت سے کہا تو نے نہین پہچانا وہ رسول اللہ صلعم تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا مین حضور کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا "صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے"[3]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ مین ایک جلسہ تھا، آپ ٹھہر گئے، عبد اللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا وہ بھی جلسہ مین موجود تھا آپ کی سواری

---

[1] یہ روایت بیہقی ابن حبان۔ طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے، (شرح شفا از شہاب خفاجی) [2] جامع ترمذی کتاب البیوع [3] بخاری کتاب الجنائز،

کی گرداڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت صلعم سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ (جب آنحضرت صلعم قریب پہونچے تو اس نے کہا محمدؐ اپنا گدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا) آنحضرت صلعم نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا "تمہارے گھر آکر ہم کو نہ ستاؤ جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو" عبداللہ بن رواحۃ جو مشہور شاعر تھے انہوں نے کہا آپ ضرور تشریف لائیں، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں، آنحضرت صلعم نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، جلسہ سے اٹھکر آپ سعد بن عبادہ کے پاس آئے اور ان سے کہا تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں، سعد بن عبادہ نے عرض کی کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کر لیا[1] تھا،

غزوۂ حنین میں آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا "یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیے نہیں ہے" آپ نے سنا تو فرمایا "خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا[2]"

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی آداب مسجد سے واقف نہ تھا وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں آپ نے فرمایا "جانے دو، اور پانی کا ایک ڈول لاکر بہا دو، خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لیے نہیں بلکہ آسانی کے لیے بھیجا[3] ہے"

حضرت انس جو خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے مجکو کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا میں نے کہا نہ جاؤنگا آپ چپ رہ گئے، میں یہ کہکر باہر چلا گیا، دفعۃً آنحضرت صلعم نے پیچھے سے آکر میری گردن

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۶، [2] صحیح بخاری . غزوۂ حنین صفحہ ۶۲۱ [3] صحیح بخاری صفحہ ۳۵،

پکڑلی، مین نے مڑکر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہین، پھر پیار سے فرمایا "انیس! جس کام کے لیے کہا تھا اب تو جاؤ" مین نے عرض کی اچھا جاتا ہون، حضرت انس نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ مین نے سات برس آپ کی ملازمت کی کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیون کیا، یا یہ کیون نہین کیا[1]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہین کہ آپ کی عادت تھی کہ ہم لوگون کے ساتھ مسجد مین بیٹھ جاتے، اور باتین کرتے جب اٹھکر گھر مین جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے، ایک بدو آیا اور اس نے آپ کی چادر اس زور سے پکڑکر کھینچی کہ آپ کی گردن سرخ ہو گئی، آپ نے مڑکر اسکی طرف دیکھا بولا کہ میرے اونٹون کو غلہ سے لاددیے، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہی، آپ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو، تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا خدا کی قسم مین ہرگز بدلہ نہ دونگا، آپ نے اس کے اونٹون پر جَو اور کھجورین لدوا دین[2] اور کچھ تعرض نہ فرمایا،

(قریش (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو گالیان دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہین کہتے تھے بلکہ مذمّم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے، لیکن آپ اس کے جواب مین اپنے دوستون کو خطاب کرکے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہین تعجب نہین آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیون کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہی وہ مذمّم کو گالیان دیتے اور مذمّم پر لعنت بھیجتے ہین، اور مین محمد ہون[3]"

جس زمانہ مین آپ فتح مکہ کے لیے تیاریان کر رہے تھے، اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادون کی خبر نہو، حاطب بن بلتعہ ایک صحابی تھے، انھون نے چاہا کہ قریش کو اسکی اطلاع کردین، چنانچہ ایک خط لکھکر انہون نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا، آپکو اسکی خبر ہو گئی

---

[1] صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب [2] ابوداؤد کتاب الادب (یہی واقعہ حضرت انس سے بخاری و مسلم مین بھی مروی ہی) [3] تفسیر سیرا [4] مشکوٰۃ باب اسماء النبی

حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہون نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی، یہ وہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا لیکن آنحضرت صلعم نے اس لیے انکو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر مین تھے، عورت جو اس جرم مین شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہین فرمایا[1] حالانکہ یہ خط اگر دشمنون تک پہنچ جاتا تو مسلمانون کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا،

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابو سفیان کی طرف سے مسلمانون کی جاسوسی پر مامور تھا اور آنحضرت صلعم کی ہجو مین اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت صلعم نے اس کے قتل کا حکم دیا، لوگ اسکو پکڑ کر لے چلے جب انصار کے ایک محلہ مین پہنچا تو بولا کہ مین مسلمان ہون، ایک انصاری نے آکر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ مین مسلمان ہون، آپ نے فرمایا کہ تم مین کچھ لوگ ایسے ہین جن کے ایمان کا حال ہم انھین پر چھوڑتے ہین، ان مین سے ایک فرات بن حیانؓ ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلعم نے انکو یمامہ مین ایک زمین عنایت فرمائی جس کی آمدنی ۴۰۰۰ تھی[2]،

دشمنون سے عفو و درگذر اور حسن سلوک

(انسان کے ذخیرۂ اخلاق مین سب سے زیادہ کمیاب، اور نادر الوجود چیز دشمنون پر رحم اور ان سے عفو و درگذر ہے لیکن حامل وحی و نبوت کی ذات اقدس مین یہ جنس فراوان تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت مین آکر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بنجاتی ہے، تمام روایتین اس بات پر متفق ہین کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہین لیا،

[1] صحیح بخاری فتح مکہ [2] ابو داؤد کتاب الجہاد باب الجاسوس الذمی، یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقون سے مروی ہے، ایک مین ابو ہمام الدلال ہے اور یہی ابو داؤد کا طریق ہے۔ یہ طریق ضعیف ہے۔ دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے جو صحیح ہے امام احمد نے بھی مسند مین یہ روایت نقل کی ہے [3] اصابہ ترجمۂ فرات مذکور،

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے، اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتین اٹھائی تھین لیکن اُن سب کو یہ کہکر چھوڑ دیا،

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء ۔ تم پر کوئی ملامت نہین جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت صلعم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا مکہ مین رہتا تھا، جب مکہ مین اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر **طائف** آیا، طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لیے یہ بھی مامن نرہا، لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت صلعم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہین آتے ناچار خود رحمت عالم کے دامن مین پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ "میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھکر مجھے چچا کی یاد آتی ہے[1] "،

ہندہ، **ابوسفیان** کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے کئے، فتح کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکین اور بیخبری مین بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کرلے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، **ہندہ** اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی "یارسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ مین نہ تھا لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ مین دوسرا نہین[2] "

عکرمہ، دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے، اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلعم کے

---

[1] صحیح بخاری قتل حمزہ، [2] صحیح بخاری ذکر ہندہ۔

سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، انکی بیوی مسلمان ہو چکی تھین، وہ یمن گئین، اور عکرمہ کو تسکین دی، اور انکو مسلمان کیا، اور خدمت اقدس مین لیکر حاضر ہوئین، آنحضرت صلعم نے جب انکو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے انکی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے،

مرحبا بالراکب المهاجر[1]، اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔

صفوان بن امیہ، قریش کے روسائے کفر مین سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، انھون نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت صلعم کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے، اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائین، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ جو اپنے قبیلہ کے رئیس ہین وہ ڈر سے بھاگ گئے ہین، کہ اپنے کو سمندر مین ڈال دین، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے، مکرر عرض کی یا رسول اللہ امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمایئے جسکو دیکھکر انکو میرا اعتبار آئے، آپنے اپنا عمامہ انکو عنایت فرمایا جسکو لیکر وہ صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا مجھے وہان جانے مین اپنی جان کا ڈر ہے، عمیر نے جواب دیا "صفوان! ابھی تمہین محمد کے حلم و عفو کا حال معلوم نہین" یہ سنکر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی مین حاضر ہوے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہین کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، فرمایا "سچ ہے" صفوان نے کہا "تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو" ارشاد ہوا کہ "دو نہین تمکو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے"

اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، یہ واقعہ بہ تفصیل ابن ہشام مین مذکور ہے،

---

[1] موطاے امام مالک کتاب النکاح [2] مشکوٰۃ کتاب الادب بحوالہ ترمذی،

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جسکے ہاتھ سے آنحضرت صلعم کی صاحبزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی حضرت زینبؓ حاملہ تھین اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھین، کفار نے مزاحمت کی ہبار بن الاسود نے جان بوجھکر ان کو اونٹ سے گرادیا، جس سے انکو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا، اس کے علاوہ اور بہ بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا، اوراسی بناپر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل مین داخل تھا چاہا کہ بھاگ کر ایران چلاجائے کہ داعیِ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کی طرف جھکادیا، آنحضرت صلعم کیخدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ مین بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپ کو جو خبرین پہنچی تھین، وہ صحیح تھین، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہون، دفعۃً باب رحمت وا تھا اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی[1]

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیان اسلام کو لڑنی پڑین ان مین سے اکثر مین ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اور حضرت عباسؓ انکو لیکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، تو آپ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش مین ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر مین داخل ہو جاے گا اس کا قصور معاف ہوگا"[2] کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔؟

---

[1] ابن اسحاق واصابہ ذکر ہبار، [2] صحیح بخاری وصحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری،

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا، اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا، جس مین مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا، ثمامہ بن آثال اس قبیلہ کے روسا مین تھا، اتفاق سے وہ مسلمانون کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کر کے مدینہ لے آئے، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اسکو مسجد کے ستون مین باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپ مسجد مین تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو، اس نے کہا "اے محمد! اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو ایک خونی کو کرو گے، اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکرگذار پر احسان ہوگا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو مین دونگا" یہ جواب سنکر آپ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے روز بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو، اور آزاد کردو، ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ مین جا کر غسل کیا اور مسجد مین واپس آکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، اور عرض کی "یا رسول اللہ دنیا مین کوئی شخص میری نظر مین آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اور اب آپ سے زیادہ دنیا مین مجھے کوئی محبوب نہین کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھون مین برا نہ تھا، اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا، اور اب وہی پسندیدہ ہے"

قریش کی ستمگری وجفا کاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہین، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب مین تین برس تک ان ظالمون نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہین سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے، اور یہ بے درد ان کی آوازین سنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے، لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس کے معاوضہ مین قریش کیساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ مین غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ

مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انھون نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہؐ کی اجازت کے بغیر گیہون کا ایک دانہ نہین ملیگا" اس بندش سے مکہ مین اناج کا کال پڑگیا، آخر گھبراکر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہین گیا، حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھالو، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا[1])

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہین لیکن مورخین یورپ مدعی ہین کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہین جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا اسلیے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کرین گے جو اس زمانہ کے ہین جبکہ مخالفین کی قوتین پامال ہوچکی تھین اور آنحضرت صلعم کو پورا اقتدار حاصل ہوچکا تھا،

(ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے کہ وہ جب کافر تھے مدینہ مین آنحضرت صلعم کے پاس آکر مہمان رہے رات کو گھر کی تمام بکریون کا دودھ پی گئے لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا رات پھر تمام اہلبیت نبوی بھوکا رہا[2]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہین، شب کو ایک کافر آنحضرت صلعم کا مہمان ہوا آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی سب تمام پی گیا پھر تیسری، پھر چوتھی یہان تک کہ سات بکریان دوہی گئین اور وہ سب دودھ پیتا چلا گیا، آنحضرت صلعم نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہوگیا[3]،

---

[1] ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۶۲۷ وباب وفد بنی حنیفہ مین ہے آخری ٹکڑا ابن ہشام مین مذکور ہے [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۷، [3] جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی معاد احدہ

حضرت اسماء بیان کرتی ہین کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ مین ان کی مان جو مشرکہ تھین اعانت خواہ مدینہ حضرت اسماء کے پاس آئین، ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے آنحضرت کے پاس آکر دریافت کیا، آپ نے فرمایا "ان کے ساتھ نیکی کرو"[1] حضرت ابوہریرہ کی مان کافرہ تھین اور بیٹے کے ساتھ مدینہ مین رہتی تھین، جہالت سے آنحضرت صلعم کو گالیان دیتی تھین، ابوہریرہ نے خدمت اقدس مین عرض کی آپ نے بجاے غیظ و غضب، دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے[2]۔

آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کار و بار حضرت بلال کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت مین وہ بازار سے سود اسلف قرض لاتے اور جب کہین سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے، ایک دفعہ بازار جا رہے تھے ایک مشرک نے دیکھا ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، انھون نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگرون کے ساتھ آیا اور ان سے کہا "او حبشی"! انھون نے اس بدتہذیبی کے جواب مین "لبیک" کہا، بولا کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہین۔ تم نے اس مدت مین قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریان چرواکے چھوڑون گا" یہ عشاء پڑھکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور سارا حال بیان کرکے کہا کہ خزانہ مین کچھ نہین ہے کل وہ مشرک آکر مجکو فضیحت کریگا اس لیے مجکو اجازت ہو کہ مین کہین نکل جاؤن پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آجاؤن گا، غرض رات کو جاکر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا جوتی ڈھال سر کے نیچے رکھ لی۔ صبح اُٹھکر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرت صلعم نے یاد فرمایا ہے۔ یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے

---

[1] صحیح بخاری باب صلۃ الوالد المشرک [2] صحیح بخاری،

ہین، آنحضرت صلعم نے فرمایا مبارک ہو، یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہین، انھون نے بازار مین جاکر سب چیزین فروخت کین اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد نبوی مین آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہوگیا۔[1]

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے جو ہجرت کا ساتوان سال ہی، حضرت بلالؓ آنحضرت صلعم کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو حبشی کہکر پکارتا ہی اور کہتا ہی کہ تجھ سے بکریان چرواکے چھوڑ دون گا، حضرت بلالؓ اسکی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم یہ تمام سنتے ہین لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہین فرماتے، نہ بلال کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے، اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اسکی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیجاتی ہے، یہ حلم، یہ عفو، یہ تحمل رحمت عالم کے سوا اور کس سے ہوسکتا ہی؛

سب سے مشکل معاملہ **منافقین** کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا، جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا، آنحضرت صلعم جس زمانہ مین مدینہ مین تشریف لائے اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمان روا بنا دیا جائے، جنگ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قایم ہوگئی، یہ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیرین کرتے تھے، **قریش** اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، انکو مسلمانون کے مخفی رازون کی خبر دیتے رہتے، باین ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت مین شریک ہوتے اور لڑائیون مین ساتھ جاتے تھے، آنحضرت صلعم ان کے حالات اور ایک ایک

[1] ابوداؤد جلد دوم باب قبول ہدایا المشرکین۔

کے نام ونشان سے واقف تھے لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلون کے اسرار سے

نہین، بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہین اس لیے آپ انپر کفر کے احکام جاری نہین فرماتے تھے، یہانتک

تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا لیکن فیاض دلی اور عفو وحلم کے اقتضا سے آپ ان سے ہمیشہ حسن

اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے،

ایک دفعہ ایک غزوہ مین ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا، انصاری نے کہا "یاللانصار"

یعنی انصار کی دہائی"، مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونون مین تلوار چل جائے،

آنحضرت صلعم نے فرمایا "یہ کیا جاہلیت کی باتین ہین"، دونون رک گئے، عبد اللہ بن ابی نے سنا تو کہا "مدینہ چلکر

ذلیل مسلمانون کو نکال دون گا" ساتھیون سے کہا آسان بات یہ ہی کہ تم لوگ مہاجرین کی خبرگیری سے

ہاتھ اٹھالو یہ خود تباہ ہو جائین گے، چنانچہ قرآن مجید مین یہ واقعہ مذکور ہی،

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا، (منافقون)	یہی لوگ ہین جو کہتے ہین کہ پیغمبر کے ساتھیون پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہو جائین،
يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، (ایضا)	کہتے ہین کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلین گے تو معزز لوگ کمینون کو مدینہ سے نکال دین گے،

آنحضرت صلعم نے **عبد اللہ بن ابی** کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے صاف انکار

کیا، حضرت عمر موجود تھے بولے یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے

فرمایا لوگ چرچا کرین گے کہ محمد اپنے ساتھیونکو قتل کرتے ہین[1]،

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ منافقون

جنگ احد مین عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیون کے ساتھ واپس چلا آیا جس سے مسلمانون کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا تاہم آنحضرت صلعم نے درگذر فرمایا اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ مین کہ حضرت عباس کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا مسلمانون کی ناراضی کے باوجود آپ نے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا،[1]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ

خلق عمیم مین کافر و مسلم دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکسان برستا تھا (یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اسکی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان مین انھین کی تقلید فرماتے،[2]

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے ان سے رہا نہ گیا انھون نے پوچھا کیا "محمد صلعم پر بھی؟" اس نے کہا "ہان" انھون نے غصہ مین ایک تھپڑ اس کے مار دیا، آنحضرت صلعم کے عدل اور اخلاق پر دشمنون کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت مین حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا آپ نے ان صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی،[3]

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اسکی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی، اس نے کہا کہ آپ جو فرماتے ہین اس کو بجا لاؤ، چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا،[4]

---

[1] بخاری [illegible] یہ واقعہ متعدد روایتون اور متعدد طریقون سے منقول ہے [2] صحیح بخاری [3] صحیح بخاری [4] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

ایک دفعہ سرراہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہوگئے[1]،

ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت مین آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت) کہا حضرت عایشہؓ نے غصہ مین آکر ان کو بھی سخت جواب دیا لیکن آپ نے روکا اور فرمایا "عایشہ بدزبانی نہ کرو، نرمی کرو! اللہ تعالیٰ ہربات مین نرمی پسند کرتا ہے[2]"

یہودیون کے ساتھ داد وستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضون اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیون اور مسلمانون مین اگر معاملات مین اختلاف پیش آتا تو مسلمانون کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالین دوسرے عنوانات مین مذکور ہین۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمدؐ! دیکھو ایک مسلمان نے مجکو تھپڑ مارا ہے، آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا،

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے انکی مہمانداری کی، مسجد نبوی مین انکو جگہ دی، بلکہ انکو اپنے طریق پر مسجد مین نماز پڑھنے کی بھی اجازت دیدی، اور جب عام مسلمانون نے اُن کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا[3]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے نکاح و معاشرت کی اجازت دی، اور ان کے لیے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ مین جاری فرمائے)

غریبون کے ساتھ محبت وشفقت (مسلمانون مین امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی لیکن آنحضرت صلعم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکسان تھا، بلکہ غریبون کے ساتھ آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلون کو صدمہ نہین پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز [2] صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ [3] زاد المعاد

آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہِ احدیت سے اس پر بازپرس ہوئی مکہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ بن ام مکتوم جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے اُدھر آنکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھکر آپ سے باتیں کرنے لگے، رؤسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور مغرور تھے ان کو یہ برابری ناگوار گذری۔ آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر انھیں سے باتیں کرتے رہے کہ شاید یہ اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کریں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری[1]

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰی وَهُوَ يَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (عبس)

پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا (اے پیغمبر!) تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہو جاتا، یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اسکو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے اسکی طرف تو متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک صاف نہ بنے لیکن جو تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت نامہ ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔

1 یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے، آنحضرت صلعم ان کو لیکر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو رؤسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھکر استہزاءً کہتے تھے،

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے

---

[1] ترمذی تفسیر سورہ مذکور،

لیکن آپ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے،

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے آپ نے ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا "تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ انھیں غریبوں کی بدولت آتی ہے[۱]"

اسامہ بن زید سے فرمایا "میں نے درِ جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب و مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں[۲]"

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اسی اثنا میں آپ تشریف لائے اور انھیں کے ساتھ ملکر بیٹھ گئے، یہ دیکھکر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا "فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے، عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ یہ سنکر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی انھیں میں ہوتا[۳]"

ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا، آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ "اسکی نسبت تمہاری کیا راے ہے؟" اس نے جواب دیا کہ یہ امرا کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کیجائے" یہ سنکر آپ خاموش ہوگئے، کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب،

۱؎ مشکوۃ باب فضل الفقرا بروایت صحیح مسلم، ۲؎ حوالہ مذکور بروایت بخاری و مسلم ۳؎ حوالۂ مذکور بروایت دارمی۔

اسی راہ سے گذرے، آپ نے پھر اس سے استفسار فرمایا کہ "انکی نسبت کیا کہتے ہو؟" عرض کی "یارسول اللہ یہ فقرائے مہاجرین مین سے ہے، اور اس لایق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کردیا جائے، اور سفارش کرے تو رد کردی جائے، اور اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے" ارشاد ہوا کہ "تمام روئے زمین بن اگر اس امیر جیسے آدمی ہون تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے"۔[1]

آنحضرت صلعم اکثر دعا مین فرمایا کرتے تھے "خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا، اور مسکینون ہی کے ساتھ میرا حشر کر" حضرت عایشہ نے دریافت کیا یارسول اللہ صلعم یہ کیون؟ فرمایا "اس لیے کہ یہ دولتمندون سے پہلے جنت مین جاینگے" پھر فرمایا "اے عایشہ کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیون نہو، اے عایشہ غریبون سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تمکو اپنے سے نزدیک کریگا"۔[2]

ایک دفعہ چند غریب مسلمانون نے آکر خدمت اقدس مین عرض کی کہ یارسول اللہ! امراء ہم سے درجہ اخروی مین بھی بڑھتے جاتے ہین، نماز، روزہ جس طرح ہم کرتے ہین وہ بھی کرتے ہین لیکن صدقات و خیرات سے جو نیکیان انکو ملتی ہین ان سے ہم محروم ہین۔ آپ نے فرمایا کیا "مین تم کو وہ بات نہ بتاؤن جس سے تم اگلون کے برابر ہوجاؤ، اور پچھلون سے بڑھ جاؤ، اور پھر کوئی تمھاری برابری نہ کرسکے" عرض کی ہان یارسول اللہ! بتایے" ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ دفعہ سبحان اللہ، اور الحمد للہ۔ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ہمارے دولتمند بھائیون نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کردیا، فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یعنی

[1] حوالہ مذکور بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم، [2] مشکوۃ باب فضل الفقراء بروایت ترمذی و بیہقی و ابن ماجہ،

یہ خدا کا دین ہے جس کو چاہے دے[1]،

مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ

توخذ من امرائهم و ترد على فقرائهم ہر قبیلے کے یا ہر شہر کے امراء سے لیکر وہین کے غربا مین تقسیم کردیجائے،

صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہین بھیجتے تھے[2]،

مساوات کے بیان مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جنکا شمار فقرائے مہاجرین مین ہے ڈانٹا تھا، آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ تم نے ان لوگون کو آزردہ تو نہین کیا، یہ سنکر حضرت ابوبکر ان لوگون کے پاس واپس آئے اور معافی مانگی، اور ان لوگون نے معاف کیا،

عوالی مین ایک عورت رہتی تھی وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مرجائے گی آپ نے لوگون سے کہا کہ وہ مرجائے تو مین جنازہ کی نماز خود پڑھاؤن تو اس کے بعد دفن کیجائے، اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہوکر لایا گیا تو آپ آرام فرما چکے تھے، صحابہ اس وقت آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے، اور رات ہی کو دفن کردیا، صبح کو آپ نے دریافت فرمایا تو لوگون نے واقعہ عرض کیا، آپ یہ سنکر کھڑے ہوگئے اور صحابہ کو ساتھ لیکر دوبارہ اسکی قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی[3]۔

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہین کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر دار حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ [2] ابوداؤد۔ زکوٰۃ [3] یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ مین بھی ہے لیکن یہان سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی اللیل سے لیا گیا ہے ۔

کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالین بدن سے بندھی ہوئی، تلوارین گلون مین پڑی ہوئی، انکی یہ حالت دیکھکر آپ بیحد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب مین آپ اندر گئے باہر آئے، پھر حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانون کو ان کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا[1]،)

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر

(جانی دشمنون اور قاتلانہ حملہ آورون سے عفو و درگذر کا واقعہ پیغمبرون کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہان ملسکتا ہے جس شب کو آپ نے ہجرت فرمائی ہے، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کردیا جائے گا اس لیے دشمنون کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا[2] اگرچہ اسوقت ان دشمنون سے انتقام لینے کی آپ مین ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان مین سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی، اور انکی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان مین سے کوئی شخص اس جرم مین کبھی مقتول نہین ہوا،

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلعم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام مین دیے جائین گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ مین نیزہ لیے ہوئے آپ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھکر اپنی نیت بد سے توبہ کی، اور خواہش کی کہ مجکو سند امان لکھدی جائے، چنانچہ سند امان لکھکر ان کو دیگر[3] اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام مین داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان مین نہین آیا،

[1] صحیح مسلم صدقات [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ، [3] سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال استیعاب و اصابہ وغیرہ مین دیکھو،

عمیر بن وہب آنحضرت صلعم کا سخت دشمن تھا، مقتولین بدر کے انتقام کے لیے جب سارا قریش بیتاب تھا تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ چپکے سے جاکر نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کا کام تمام کردے، عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا، لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھکر لوگوں نے پہچان لیا، حضرت عمر نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتین کین اور اصلی راز ظاہر کردیا، یہ سنکر سناٹے میں آگیا، لیکن آپ نے اس سے کوئی تعرض نہین فرمایا، یہ دیکھکر وہ اسلام لایا، اور مکہ مین جاکر اسلام کی دعوت پھیلائی، یہ واقعہ ۳ھ کا ہے[1]

ایک دفعہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، راہ مین ایک میدان آیا۔ دھوپ تیز تھی، لوگون نے درختون کے نیچے بستر لگادیے، آنحضرت صلعم نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا، اور تلوار درخت کی شاخ سے لٹکادی، کفار موقع کے منتظر رہتے تھے، لوگون کو غافل دیکھکر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بیخبری مین تلوار اتار لی، دفعۃً آپ بیدار ہوئے تو دیکھا ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ مین ہے، آپ کو بیدار دیکھکر بولا "کیون محمدؐ! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "اللہ" یہ پراثر آواز سنکر اسنے تلوار نیام مین کرلی، اتنے مین صحابہ آگئے، آپ نے ان سے واقعہ دھرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہین فرمایا۔[2]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ اس کو گرفتار کرکے آنحضرت صلعم کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھکر ڈر گیا، آپ نے اس کو مخاطب کرکے فرمایا "ڈرو نہین، اگر تم مجکو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہین کرسکتے تھے"[3]

---

[1] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۸، [3] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱۔

فتح مکہ کے زمانہ مین ایک دفعہ اسی آدمیون کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر آیا اور چھپکر آنحضرت صلعم کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہوگئے، لیکن آنحضرت صلعم نے انکو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہین کیا، (قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے[1] -

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم (فتح) اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے)

خیبر مین ایک یہودیہ نے آنحضرت صلعم کو کھانے مین زہر دیا، آپ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا آپ نے یہودیون کو بلاکر دریافت کیا تو انہون نے اقرار کیا، لیکن آپ نے کسی سے کچھ تعرض نہین فرمایا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت صلعم کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا[2]،

دشمنون کے حق مین دعاے خیر | (دشمنون کے حق مین بد دعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبرون کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیان دیتے ہین، وہ ان کے حق مین دعاے خیر کرتے ہین، اور جو ان کے تشنۂ خون ہوتے ہین، وہ انکو پیار کرتے ہین۔ ہجرت سے قبل مکہ مین مسلمانون پر اور خود آنحضرت صلعم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے دہرانے کے لیے بھی سنگدلی درکار ہے اسی زمانہ مین خباب بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! دشمنون کے حق مین بد دعا فرمائے یہ سنکر چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا[3]۔ ایک دفعہ چند صاحبون نے ملکر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ "مین دنیا کے لیے لعنت نہین بلکہ رحمت بناکر بھیجا گیا ہون[4]"

وہ قریش جنھون نے تین برس تک آپ کو محصور رکھا اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ

---

[1] جامع ترمذی تفسیر فتح [2] صحیح بخاری، وفاۃ النبی صلعم [3] صحیح بخاری مبعث النبی صلعم [4] مشکوۃ اخلاق النبی بحوالہ صحیح مسلم

کے پہنچنے کے روادار نہ تھے، اُن کی شرارتون کی پاداش مین دعائے نبوی کی استجابت نے ابرِ رحمت کا سایہ ان کے سر سے اُٹھالیا، اور مکہ مین اس قدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ "محمد! تمھاری قوم ہلاک ہورہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو" آپ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات[1] دی۔

جنگ احد مین دشمنون نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلوارین چلائین، دندان مبارک کو شہید کیا، جبینِ اقدس کو خون آلودہ کیا، لیکن ان حملون کا وار آپ نے جس سپر پر روکا، وہ صرف یہ دعا تھی،

اللھم اھدِ قومی فانھم لا یعلمون، خدایا! ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہین۔

وہ **طائف** جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طایف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ مین لینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ طائف جس نے پاے مبارک کو لہولہان کیا تھا، اُنکی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہو کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو"۔ اس بارہ برس کے بعد یہی طایف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے، جان نثارون کی لاشون پر لاشین گر رہی ہین، صحابہ عرض کرتے ہین کہ "یا رسول اللہ! ان کے حق مین بددعا کیجیے"، آپ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہین، لوگ سمجھتے ہین کہ حضور ان کے حق مین بددعا فرمائین گے، لیکن زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہین "خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا"، وہ تیر جو میدانِ جنگ مین نشانہ پر نہین لگے تھے، وہ مدینہ کے صحن مسجد مین زبان مبارک سے نکلکر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آکر خاص مسجد نبوی مین ٹھہرے، جہان وہ مہمان ٹھہرائے گئے[2]

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان جلد دوم [2] صحیح بخاری۔

تھے، مسلمان ہوئے[1]،

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا، طفیل بن عمرو دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے، وہ قدیم الاسلام تھے، مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کرکے گزارش کی کہ ان کے حق میں بددعا فرمایئے لوگون نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا لیکن رحمت عالم نے جن الفاظ میں یہ دعا فرمائی وہ یہ[2] تھے،

اللھم اھد دوسا وائت بھم۔ خداوندا! دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھین، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، وہ ابا کرتی تھین، ایک دن انھون نے اسلام کی دعوت دی تو انکی ماں نے آنحضرت صلعم کی شان مین گستاخی کی، حضرت ابوہریرہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے، اور اسی حالت مین آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا، آپ نے دعا کی "الہی! ابوہریرہ کی مان کو ہدایت نصیب کر" وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہین اور مان نہارہی ہین غسل سے فارغ ہوکر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا[3]۔

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا، اور کوئی موقع اسنے آنحضرت صلعم اور مسلمانون کے خلاف خفیہ سازشون اور علانیہ استخفات واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کفار قریش کے ساتھ اسکی خفیہ خط وکتابت تھی، غزوۂ احد مین عین موقع پر اپنے ہمراہیون کے ساتھ مسلمانون کی فوج سے الگ ہوگیا۔ واقعۂ افک مین حضرت عائشہ پر الزام لگانے والون مین وہ سب سے آگے تھا، لیکن باایہمہ اسکی

---

[1] ابن سعد غزوۂ طایف [2] صحیح مسلم مناقب دوس [3] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہ۔

فرد جرم کو رحمت عالم کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا۔ وہ مرا تو آپ نے اسکی مغفرت کی نماز پڑھی، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "یارسول اللہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا اور یہ کہا، آپ یہ سنکر متبسم ہوئے اور فرمایا "ہٹو اے عمر" جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "اگر مجھے اختیار دیا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ مین نماز پڑھون تو اسکی بخشش ہوسکتی ہے تو مین اس سے بھی زیادہ پڑھتا"[1]

بچون پر شفقت | بچون پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ مین جو بچے ملتے ان مین سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے[2] (راستہ مین بچے ملجاتے تو ان کو خود سلام کرتے[3])

ایک دن خالد بن سعید خدمت اقدس مین آئے، ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن مین تھا آپ نے فرمایا سنتہ سنتہ، حبشی زبان مین حسنہ کو سنتہ کہتے ہین چونکہ انکی پیدایش حبش مین ہوئی تھی اس لیے آپ نے اس مناسبت سے حبشی لفظ مین حسنہ کے بجاے سنتہ کہا، آنحضرت صلعم کے پشت پر جو مہر نبوت تھی ابھری ہوئی تھی، بچون کی عادت ہوتی ہے غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہین وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگین، خالد نے ڈانٹا آنحضرت صلعم نے روکا کہ کھیلنے دو[4]۔

ایک دفعہ آپ کے پاس کہین سے کپڑے آئے جن مین ایک سیاہ چادر بھی تھی جس مین دونون طرف آنچل تھے آپ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دون، لوگ چپ رہے آپ نے فرمایا "ام خالد کو لاؤ[5]" وہ آئین تو آپ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا "پہننا اور پرانی کرنا" چادر مین جو بوٹے تھے آپ ان کو دکھا دکھا کے فرماتے تھے "ام خالد دیکھنا یہ سنا ہے یہ سنا ہے[6]" اوپر گذر چکا ہے کہ ام خالد حبش مین پیدا ہوئی تھین اور کئی سال

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز [2] ابوداؤد کتاب الادب، [3] بخاری جلد دوم صفحہ ۹۲۶ [4] اصابہ مین ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھین کہ لوگ ان کو گود مین اٹھا کر لائے، (اصابہ ترجمہ ام خالد) [5] بخاری کتاب اللباس [6] سنا حبشی مین حسن کو کہتے ہین۔

تک وہین رہی تھین اس لیے ان سے حبشی زبان مین خطاب کیا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن مین انصار کے نخلستان مین چلا جاتا اور ڈھیلون سے مار کر کھجورین گراتا۔ لوگ مجکو خدمت اقدس مین سے گئے آپ نے پوچھا کہ ڈھیلے کیون مارتے ہو، مین نے کہا کھجورین کھانے کے لیے، ارشاد فرمایا کہ کھجورین جو زمین پر ٹپکتی ہین انکو اٹھا کر کھالیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[1]،

مان بچے کی محبت کے واقعات سے آپ پر سخت اثر ہوتا تھا ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، دو چھوٹی چھوٹی لڑکیان بھی ساتھ تھین، اسوقت حضرت عائشہ کے پاس کچھ نہ تھا ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی وہی اٹھا کر دیدی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونون مین برابر تقسیم کردیا، آنحضرت صلعم باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد ہوا کہ جس کو خدا اولاد کے محبت مین ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے، وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا[2]"

حضرت انسؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ مین نماز شروع کرتا ہون اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر مین ختم کرون گا دفعۃً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کردیتا ہون کہ اس کی مان کو تکلیف ہوتی ہوگی[3]۔

(یہ محبت اور شفقت مسلمان بچون تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچون پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ مین چند بچے جھپٹ مین آکر مارے گئے، آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ وہ مشرکین کے بچے تھے، آپ نے فرمایا مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہین،

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد [2] بخاری صفحہ ۸۸۰ [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ۔

خبردار! بچون کو قتل نہ کرو، خبردار! بچون کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے[1]،،

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس مین پیش کرتا تو حاضرین مین جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے[2]۔ بچون کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ اسی طرح بچون کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اس نے کہا "تم لوگ بچون کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہین مگر آج تک مین نے کسی کو پیار نہین کیا"، آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو مین کیا کرون[3]"۔

جابر بن سمرہ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ مین نے آنحضرت صلعم کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے، مین بھی ساتھ ہو لیا، کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے آپ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی[4] پیار کیا۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ مین آپ کا داخلہ ہو رہا تھا، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیان خوشی سے دروازون سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھین، جب آپ کا ادھر گذر ہوا فرمایا "اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو"، سب نے کہا ہان یا رسول اللہ! فرمایا "مین بھی تمھین پیار کرتا ہون[5]"،،

حضرت عائشہ کمسنی مین بیاہ کر آئی تھین محلہ کی لڑکیون کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھین، آپ جب گھر مین تشریف لاتے تو لڑکیان آپ کا لحاظ کر کے ادھر اُدھر چھپ جاتین، آپ اُنھین تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے[6]،

غلامون پر شفقت (آنحضرت صلعم غلامون پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "یہ تمہارے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۳۵۔ [2] معجم صغیر طبرانی باب المیم معجم محمد، [3] صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب۔ [4] صحیح مسلم باب طیب رائحۃ النبی صلعم [5] سیرت جلد اول ہجرت، [6] ابوداؤد کتاب الادب باب اللعب،

بھائی ہین جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ" آنحضرت صلعم کی ملکیت مین جو غلام آتے ان کو آپ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہین ہو سکتے تھے، مان، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہ غلام تھے آنحضرت صلعم نے ان کو آزاد کر دیا، ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانۂ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے، اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا، زید کے بیٹے اسامہ سے آپ اسقدر محبت کرتے تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو مین اسکو زیور پہناتا، خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے،

غلامون کو لفظ "غلام" کا سنکر اپنی نظر مین اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی، آنحضرت صلعم کو انکی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، فرمایا کوئی "میرا غلام" "میری لونڈی" نہ کہے "میرا بچہ" "میری بچی" کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہین، خداوند خدا ہے، "آقا" کہین۔ آنحضرت صلعم کو غلامون پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت مین سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ "غلامون کے معاملہ مین خدا سے ڈرا کرنا"

حضرت ابوذر بہت قدیم الاسلام صحابی تھے، اور آنحضرت صلعم ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انھون نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت صلعم سے جاکر شکایت کی، آپ نے ابوذر کو زجر فرمایا کہ "تم مین اب تک جاہلیت باقی ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہین، خدا نے تمکو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہون تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو، جو خود کھاؤ وہ انکو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ انکو پہناؤ، انکو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکین، اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی انکی اعانت کرو"[1]

ایک دفعہ ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی، ابو مسعود! تم کو جس قدر

---

[1] بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیۃ و ابو داؤد کتاب الادب،

اس غلام پر اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے" ابو مسعود نے مڑکر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے، عرض کی یا رسول اللہ میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتشِ دوزخ تم کو چھو لیتی"۔

ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا عرض کی "یا رسول اللہ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟" آپ خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی، آپ نے فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کیا کرو"۔

آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے، اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی، ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا، آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو، لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے" آپ نے فرمایا "اچھا اس وقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ، جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے"[1]

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے، جن کے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، بُرا بھلا کہتے تھے لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے، انھوں نے آکر آنحضرت صلعم سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپ نے فرمایا "تمہاری سزا اگر اُن کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر، ورنہ سزا کی جو مقدار زاید ہوگی اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دیگا" یہ سنکر وہ بیقرار ہوگئے اور گریہ وزاری شروع کی، آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ، یہ سنکر انھوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ بہتر یہ ہے کہ میں انکو اپنے سے جدا کردوں آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں"[2]

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک میں مذکور ہیں [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۸۰۔

غلامون کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبراً ان مین تفریق کر دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونون مین علیحدگی کرنی چاہی غلام نے خدمت نبوی مین آکر شکایت کی آپ نے منبر پر خطبہ دیا کہ "لوگ کیون غلامون کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہین، نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے[1]"۔

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافرون کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے اور آپ انھین آزاد فرما دیتے[2] تھے، مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس مین سے غلامون کو بھی حصہ[3] دیتے تھے، جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہین ہوتا تھا اسلیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس مین سے سب سے پہلے آپ انھین کو عنایت فرماتے تھے،)

مستورات کے ساتھ برتاؤ دنیا مین یہ صنف ضعیف (عورتین) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے اس لیے کسی نامور شخص کے حالات مین یہ پہلو کبھی پیش نظر نہین رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتون کی حق رسی کی، اور عزت و منزلت کے دربار مین انکو مردون کے برابر جگہ دی، اس لیے شارع اسلام کے واقعات زندگی مین ہمکو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری مین آنحضرت صلعم کے ایلاء (ازواج مطہرات سے چند روزہ علحدگی) کی جو روایت مذکور ہے اس مین حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مکہ مین ہم لوگ عورتون کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے، مدینہ مین نسبتہً عورتون کی قدر تھی، لیکن نہ اس قدر جسکی وہ مستحق تھین" آنحضرت صلعم نے جسطرح اپنے ارشاد و احکام سے اُنکے

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد۔ ومسند ابن حنبل جلد اول ص ۲۴۸۔ [3] ابوداؤد باب قسمۃ الفئی۔

حقوق قایم کیے آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایان کر دیا ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہین یہان ہم عام واقعات لکھتے ہین۔

آنحضرت صلعم کے دربار مین چونکہ ہر وقت مردون کا ہجوم رہتا تھا، عورتون کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہین ملتا تھا مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردون سے ہم عہدہ برآ نہین ہو سکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے، آنحضرت صلعم نے انکی درخواست قبول فرمائی[1] اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگون نے آغازِ اسلام مین حبش کو ہجرت کی تھی، ان مین اسماء بنت عمیس بھی تھین، خیبر کی فتح کے زمانہ مین مہاجرینِ حبش مدینہ مین آئے تو وہ بھی آئین، ایک دن وہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئین، اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمر بھی موجود تھے انکو دیکھکر پوچھا یہ کون ہین، حضرت حفصہؓ نے نام بتایا حضرت عمر نے کہا ہان وہ حبش والی وہ سمندر والی، اسماء بنت عمیس نے کہا ہان وہی، حضرت عمرؓ نے کہا ہمنے تم لوگون سے پہلے ہجرت کی اور اس لیے رسول اللہ صلعم پر ہمارا زیادہ حق ہے، اسماء کو سخت غصہ آیا، بولین ہرگز نہین تم لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکون کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال ہو کہ گھر سے دور بیگانے حبشیون مین رہتے تھے لوگ ہمکو ستاتے تھے، اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا،

یہ باتین ہو رہی تھین کہ رسول اللہ صلعم آگئے، اسماء نے کہا یا رسول اللہ عمر نے یہ یہ کہا، آپ نے فرمایا تمنے کیا جواب دیا انھون نے ماجرا سنایا، آپ نے فرمایا عمر کا حق مجھپر تمسے زیادہ نہین ہے، عمر اور ان کے

[1] صحیح بخاری کتاب العلم ہل یجعل للنساء یوما علی حدة۔

ساتھیون نے صرف ایک ہجرت کی" اور تم لوگون نے دو ہجرتین کین"۔

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق جوق اسمار کے پاس آتے، اور آنحضرت صلعم کے الفاظ اُن سے بار بار دہرواکر سنتے۔ حضرت اسمار کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا مین کوئی چیز آنحضرت صلعم کے اُن الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی[۱]۔

حضرت انس بن مالک رض جو خادم خاص تھے ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا، (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ کی بھی خالہ تھین) معمول تھا جب آپ قُبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتین اور آپ نوش فرماتے، آپ سو جاتے تو بالون مین سے جوئین نکالتین[۲]۔

حضرت انس کی والدہ ام سلیم سے آپ کو نہایت محبت تھی آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے وہ بچھونا بچھا دیتین، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اُٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی مین جمع کر لیتین، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن مین جو خوشبو ملائی جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملا جائے[۳]۔

ایک دفعہ حضرت انس رض کی دادی ملیکہ نے آپ کی دعوت کی کھانا خود تیار کیا تھا آنحضرت صلعم نے کھانا نوش فرماکر فرمایا آؤ مین تمکو نماز پڑھا دُون گھر مین صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی حضرت انس رض نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا، آنحضرت صلعم نے امامت کی، حضرت انس اور انکی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے[۴]۔

حضرت ابوبکر کی صاحبزادی (اسمار) جو حضرت عائشہ کی علاتی بہن تھین حضرت زبیر سے بیاہی

---

[۱] صحیح بخاری غزوۂ خیبر [۲] بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۳۹۱ [۳] بخاری کتاب الاستیذان
[۴] بخاری باب الصلوٰۃ علی الحصیر

تھین مدینہ مین آئین تو اس وقت حضرت زبیر کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا حضرت اسماء خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھانس لاتین اور کھانا پکاتین، حضرت زبیر کو جو زمین آنحضرت صلعم نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی وہان سے کھجور کی گٹھلیان سر پر لاد کر لاتین، ایک دن وہ گٹھلیان لیے ہوئے آرہی تھین کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا آپ اسوقت اونٹ پر سوار تھے اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لین حضرت اسماء شرمائین، آنحضرت صلعم نے یہ دیکھکر کہ وہ حجاب کرتی ہین کچھ نہین فرمایا اوران کو چھوڑکر آگے بڑھ گئے حضرت اسما کا بیان ہو کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا، مجکو اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ گویا مین غلامی سے آزاد ہوگئی [۱]

(ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیان بیٹھی ہوئی آنحضرت صلعم سے بڑھ بڑھ کر باتین کر رہی تھین کہ حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھکر چل دین آنحضرت صلعم ہنس پڑے حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپ کو خندان رکھے کیون ہنسے، فرمایا مجھے ان عورتون پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ مین چھپ گئین حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا "اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت صلعم سے نہین ڈرتین سب نے کہا "تم رسول اللہ صلعم کی نسبت سخت مزاج ہو" [۲]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر مین آپ منھ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا، چھوکریان گا بجا رہی تھین، حضرت ابوبکر آئے تو ان کو ڈانٹا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "ان کو گانے دو یہ ان کی عید کا دن ہے" [۳]

عورتین عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھین اور صحابہ

[۱] بخاری صفحہ ۷۸۶، کتاب النکاح [۲] صحیح بخاری مناقب عمر بن خطاب۔ [۳] مسلم کتاب العیدین۔

کو انکی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہین ظاہر فرماتے تھے،)

چونکہ عورتین عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہین ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے،

انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے ایک دفعہ سفر مین ازواج مطہرات ساتھ تھین، انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے، اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ نے فرمایا انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتین) ٹوٹنے نہ پائین۔[1]

حیوانات پر رحم | حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے، ان بے زبانون پر جو ظلم مدت سے عرب مین چلے آتے تھے موقوف کرا دیے۔ اونٹ کے گلے مین قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا، زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا، جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ "دم ان کا مورچھل اور ایال ان کا لحاف ہے" جانورونکو دیر تک ساز مین باندھکر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی، اور فرمایا کہ "جانورون کی پیٹھون کو اپنی نشستگاہ اور کرسی نہ بناؤ"، اسیطرح جانورون کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بیرحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھکر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے اس سنگدلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی،)

ایک دفعہ ایک گدھا راہ مین نظر پڑا جسکا چہرہ داغا گیا تھا۔ فرمایا کہ جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے، علامت یا بعض دیگر ضرورتون کی وجہ سے اونٹون اور بکریون کو داغنا پڑتا تھا ایسی حالت مین آپ ان اعضا کو داغتے جو زیادہ نازک نہین ہوتے، حضرت انس ؓ کہتے ہین کہ مین ایک دفعہ بکریون کے

[1] صحیح مسلم باب اللباس والزینۃ۔

ریوڑ مین گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلعم بکریون کے کان داغ رہے ہین[1]۔

(ایک بار آپ کسی سفر مین جا رہے تھے، لوگون نے مقام پر منزل کیا، وہان ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا، ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا، چڑیا بیقرار ہو کر پر مار رہی تھی، آنحضرت صلعم نے دریافت کیا کہ "اس کا انڈا چھینکر کس نے اس کو اذیت پہنچائی" ان صاحب نے کہا "یا رسول اللہ مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے" آپ نے فرمایا "وہین رکھ دو[2]"

ایک صحابی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے ان کے ہاتھ مین چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے، آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی، جاکر دیکھا تو یہ بچے تھے مین نے انکو نکال لیا، پرندہ نے یعنی ان بچون کی مان نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر منڈلانے لگی، آپ نے فرمایا جاؤ اور بچون کو وہین پھر رکھ آؤ[3]"

ایک بار راستہ مین ایک اونٹ نظر سے گذرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدت گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے، فرمایا کہ "ان بے زبانون کے متعلق خدا سے ڈرو" ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ مین آپ تشریف لے گئے، ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا، آپ کو دیکھکر بلبلایا۔ آپ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا، پھر لوگون سے اس کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے، ان سے آپ نے فرمایا کہ "اس جانور کے معاملہ مین تم خدا سے نہین ڈرتے[4]"

رحمت و محبت عام | (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر آئی تھی، حضرت مسیح نے

[1] یہ حدیثین ترمذی و ابوداؤد وغیرہ مین مذکور ہین۔ [2] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم۔ [3] مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ الخلق۔ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد شہ ابوداؤد باب مذکور۔

کہا تھا کہ میں اس کا شاہزادہ ہوں" لیکن شہزادہ اس کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں لیکن اس کے شاہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۔ محمد ہم نے تجکو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

تم آنحضرت صلعم کے حلم و عفو مسامحت و درگذر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہوگا کہ اس خزانہ رحمت میں دوست دشمن، کافر مسلم، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی،

ایک صاحب نے آپ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہو کر فرمایا کہ میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں[1] رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے دنیا کو پیغام[2] دیا۔

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا ۔ ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا،

احب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما[3] لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم ہوگے

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لا يؤمن احد كم حتى يحب للناس ما يحب لنفسه وحتى يحب المرء لا يحبه الا لله عزوجل، (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۷۲) تم میں سے کوئی اسوقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہو اور جب تک وہ دوسرے کو بغیر غرض صرف خدا کے لیے پیار کرے۔

[1] زرقانی صفحہ ۲۸۹ جلد ۳ [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ صفحہ ۸۹۶ [3] جامع ترمذی ابواب الزہد لبند غریب،

ایک شخص نے مسجد نبوی مین آکر دعا کی "خدایا! مجکو اور محمد کو مغفرت عطا کر" آپ نے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تمنے تنگ کر دیا"[1]۔ ایک اور روایت مین ہو کہ ایک اعرابی مسجد نبوی مین[2] آیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی نماز پڑھکر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا "خداوندا! مجھپر اور محمد پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت مین کسی اور کو شریک نہ کر" آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ! (یعنی آپ نے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا۔)

رقیق القلبی آنحضرت صلعم نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے، مالک بن حویرث ایک وفد کے رکن بنکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تھے، ان کو بیس دن تک مجلس نبوی مین شرکت کا موقع ملا تھا وہ فرماتے تھے

کان (رسول اللہ صلعم) رحیما رقیقا" ، آنحضرت صلعم رحیم المزاج اور رقیق القلب[3] تھے۔)

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انھون نے آنحضرت صلعم کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے مجبوراً آپ تشریف لے گئے، حضرت سعدؓ بن عبادہ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے بچہ کو لوگ ہاتھ مین لیکر سامنے لائے، وہ دم توڑ رہا تھا، بے اختیار آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے حضرت سعد کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا، فرمایا "خدا انہی بندون پر رحم کرتا ہی جو اورون پر رحم کرتے ہین"[4]۔

غزوۂ احد کے بعد جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو گھر گھر شہیدون کا ماتم برپا تھا مستورات اپنے اپنے شہیدون پر نوحہ کر رہی تھین، یہ دیکھکر آپ کا دل بھر آیا اور فرمایا "حمزہؓ (عم رسول اللہ صلعم) کا کوئی نوحہ خوان نہین"[5]۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب، [2] ابوداؤد کتاب الادب۔ شاید یہ دونون واقعے ایک ہون۔ [3] بخاری صفحہ ۸۸۸ باب رحمۃ الناس [4] صحیح بخاری صفحہ ۸۴۴ باب المرضیٰ [5] سیرۃ جلد اوّل، احد۔

ایک بار ایک صحابی جاہلیت کا اپنے ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب مین لڑکیون کے مار ڈالنے کا کہین کہین دستور تھا، مین نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین مین گاڑ دیا، وہ "ابا ابا" کہکر پکار رہی تھی، اور مین اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس بیدردی کو سنکر آنحضرت صلعم کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، آپ نے فرمایا کہ "اس قصہ کو پھر دھراؤ"، ان صحابی نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ بے اختیار روئے یہان تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہوگئے۔[1]

حضرت عباسؓ بدر مین گرفتار ہوکر آئے تو لوگون نے ان کے ہاتھ پانون بہت جکڑ کر باندھ دیے تھے، اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک مین بار بار پہنچ رہی تھی، لیکن اس خیال سے انکے ہاتھ نہین کھولتے تھے کہ لوگ کہین گے کہ یہ اپنے عزیزون کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے، تاہم نیند نہین آتی تھی آپ بے چین ہوہوکر کروٹین بدل رہے تھے، لوگون نے بیقراری کا سبب سمجھکر انہین ڈھیلی کردین، حضرت عباسؓ کی کرب اذیت بیچینی رفع ہوئی تو آپ نے استراحت فرمایا۔

مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے، جو اسلام سے پہلے بہت ناز ونعمت مین پلے تھے ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس انکو پہناتے تھے، خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئے، یہ دیکھکر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کردیا ہے، والدین کی محبت دفعتہً عداوت سے بدلگئی ایک دفعہ وہ آنحضرت صلعم کیخدمت مبارک مین اس حال مین آئے کہ وہ جسم جو حریر وقاقم مین ملبوس رہتا تھا اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا، یہ پراثر منظر دیکھکر آپ آبدیدہ ہوگئے۔[2]

بیمارون کی عیادت مین دوست دشمن، مومن کافر کسی کی تخصیص نہ تھی (سنن نسائی	عیادت وتعزیت وغمخواری وغیرہ

[1] مسند دارمی صفحہ اول ۔ [2] ترغیب وترہیب جلد دوم صفحہ ۲۴۴ بحوالہ ترمذی ومسند ابویعلی۔

باب التکبیر علی الجنازۃ مین ہی کان النبی صلعم احسن شیئ عیادۃ المریض، آنحضرت صلعم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے، بخاری وابوداؤد وغیرہ) مین روایت ہی کہ ایک یہودی غلام مرض الموت مین بیمار ہوا تو آپ عیادت کو تشریف[1] لے گئے۔

عبداللہ بن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی، آواز دی وہ خبر نہوئے، فرمایا افسوس ابوالربیع! تمپر ہمارا زور اب نہین چلتا، یہ سنکر عورتین بے اختیار چیخ اٹھین اور رونے لگین، لوگون نے روکا آپ نے ارشاد فرمایا اس وقت رونے دو، مرنے کے بعد البتہ رونا نہین چاہیے، عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا مجکو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے آپنے فرمایا اُن کو نیت کا ثواب مل چکا[2]۔

حضرت جابر بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے[3]، ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر پیدل ان کی عیادت کو گئے، ان پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا جابر[4] ہوش مین آ گئے، اور عرض کی یا رسول اللہ اپنا ترکہ کس کو دون، اس پر یہ آیت اتری، یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ،

ایک صاحب بیمار ہوئے آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے، جب انھون نے انتقال کیا تو لوگون نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ کو تکلیف ہوگی خبر نہ کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپنے شکایت کی، اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی[5]۔

عبداللہ بن عمرو نے غزوۂ احد مین شہادت پائی تھی، اور کافرون نے اُن کے ہاتھ پاؤن

---

[1] صحیح بخاری باب عیادۃ المشرک، [2] ابوداؤد باب الجنائز [3] ایضاً [4] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۷ تفسیر آیت مذکور۔
[5] بخاری کتاب الجنائز۔

کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت صلعم کے سامنے لاکر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی، انکے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت مین چاہا کہ کپڑا اٹھاکر دیکھین حاضرین نے روکا انھون نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا لوگون نے پھر روک دیا، آنحضرت صلعم نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبد اللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھین آنحضرت صلعم نے فرمایا رونے کی بات نہین فرشتے ان کو اپنے پرون کے سایہ مین لے گئے[1]۔

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہوئے آپ عیادت کو تشریف لے گئے ان کو دیکھکر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو نکل آئے آپ کو روتا دیکھکر سب رو پڑے[2]،

ایک حبشی مسجد مین جھاڑو دیا کرتا[3] تھا مر گیا تو لوگون نے آپ کو خبر نہ کی، ایک دن آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا لوگون نے کہا وہ انتقال کر گیا، ارشاد ہوا تم نے مجکو خبر نہ کی، لوگون نے اسکی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ نے لوگون سے اسکی قبر دریافت کی اور جاکر جنازہ کی نماز پڑھی[4]۔

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے، بخاری مین روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو یا اسکے ساتھ جاؤ، ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے[5]،

اگرچہ آپ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے، حضرت جعفرؓ (حضرت علی کے بھائی تھے) سے آپکو

---

[1] بخاری جنائز صفحہ ۱۶۶، [2] بخاری جنائز صفحہ ۱۷۴، [3] (بخاری باب الصلوۃ علی القبر مین ابو ہریرہ کی روایت ہے، راوی نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت۔ لیکن دوسری روایتون مین اس کا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے۔ ام محجن اسکا نام تھا) [4] بخاری صفحہ ۱۷۸ کتاب الجنائز [5] بخاری صفحہ ۱۷۵ جلد اول کتاب الجنائز۔

نہایت محبت تھی جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم مین بیٹھے اسی حالت مین کسی نے آکر کہا کہ جعفر کی عورتین رو رہی ہین۔ آپ نے فرمایا کہ جاکر منع کردو، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا لیکن وہ باز نہین آتین، آپ نے دوبارہ منع کرا بھیجا پھر بھی وہ باز نہ آئین، سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ نہ مانین تو فرمایا کہ جاکر اُنکے منھ مین خاک ڈال دو[1]

لطف طبع | کبھی کبھی ظرافت کی باتین فرماتے ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا او، دو کان والے[2] اس مین یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت صلعم کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے، حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمیر تھا، وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا اتفاق سے وہ مرگیا ابو عمیر کو بہت رنج ہوا، آپ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا ابا عُمیر ما فعل النغیر[3] یعنی ابو عمیر! تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک شخص نے خدمت اقدس مین عرض کی کہ مجکو کوئی سواری عنایت ہو، ارشاد ہوا کہ مین تم کو اونٹنی کا بچہ دونگا" انھون نے کہا یا رسول اللہ مین اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کرون گا" آپ نے فرمایا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو[4]

ایک بڑھیا خدمت اقدس مین آئی کہ حضور میرے لیے دعا فرمائین کہ مجکو بہشت نصیب ہو آپ نے فرمایا بڑھیان بہشت مین نہ جائین گی، اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ بڑھیان جنت مین جائین گی لیکن جوان ہوکر جائین گی[5]

ایک بدوی صحابی تھے جنکا نام زاہر تھا وہ دہات کی چیزین آپ کی خدمت مین ہدیہ بھیجا کرتے

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری [4] [5] شمائل ترمذی۔

تھے ایک دفعہ وہ شہر مین آئے اگانون سے جو چیزین لائے تھے ان کو بازار مین فروخت کر رہے تھے
اتفاقاً آپ اُدھر سے گزرے، زاہر کے پیچھے جاکر ان کو گود مین دبا لیا انھون نے کہا کون ہے چھوڑ دو مڑ کر
دیکھا تو سرورِ عالم تھے اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت صلعم کے سینہ سے لپٹا دی، آپ نے فرمایا کوئی اس غلام
کو خریدتا ہے! وہ بولے کہ یا رسول اللہ مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدیگا نقصان اُٹھائیگا آپ نے فرمایا لیکن
خدا کے نزدیک تمھارے دام زیادہ ہین[1]۔

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم مین گرانی ہے، فرمایا شہد پلاؤ، وہ دوبارہ
آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے آپ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے
پھر وہی جواب ملا چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے، (قرآن مجید مین ہے کہ شہد مین شفا ہے) لیکن
تمھارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاکر پھر شہد پلاؤ، اب کی پلایا تو شفا ہو گئی[2] معدہ مین مادہ فاسد کثرت
سے موجود تھا جب پورا تنقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر حضرت فاطمہ کے
پاس جاتے، اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ
ہی ہوتین، ایک دفعہ کسی غزوہ مین گئے اس اثنا مین حضرت فاطمہ نے دونون صاحبزادون (حسنین علیہما السلام)
کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازہ پر پردے لٹکائے آنحضرت صلعم واپس تشریف لائے تو خلاف
معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہین گئے، وہ سمجھ گئین فوراً پردون کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادون کے ہاتھ سے
کنگن اُتار لیے صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس مین حاضر ہوئے آپ نے کنگن لے کر بازار مین

[1] شمائل ترمذی [2] بخاری صفحہ ۸۴۸ باب الدواء بالعسل

بھیجدیے کہ ان سکے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لادو۔

حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت مین تشریف لاتین تو آپ کھڑے ہو جاتے، انکی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے،

ابو قتادہؓ کا بیان ہی کہ ہم لوگ مسجد نبوی مین حاضر تھے کہ دفعۃً رسول اللہ صلعم امامہ (آنحضرت صلعم کی نواسی تھین) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے، اور اسی حالت مین نماز پڑھائی، جب رکوع مین جاتے تو ان کو اُتار دیتے پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا کی[1]۔

حضرت انسؓ کہتے ہین کہ مین نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہین دیکھا جس قدر آپ کرتے تھے، آپکے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی مین پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے، ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر مین دھوان ہوتا رہتا تھا، گھر مین جاتے بچہ کو انّاکے ہاتھ سے لے لیتے اور منھ چومتے پھر مدینہ کو واپس آتے[2]،

ایک دفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمتِ اقدس مین آئے، آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کا منھ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہین مین نے کبھی کسیکو بوسہ نہین دیا، ارشاد فرمایا کہ جو اورون پر رحم نہین کرتا اس پر بھی رحم نہین کیا جاتا (یعنی خدا اس پر رحم نہین کرتا)

حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہین، حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچون کو لانا، وہ صاحبزادون کو لاتین، آپ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے،

[1] نسائی صفحہ ۱۲۰ باب ادخال الصبیان فی المساجد، صحیح بخاری مین بھی یہ حدیث مذکور ہی [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱۔

ایک دفعہ مسجد مین خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسنین علیہما السلام سُرخ کرتے پہنے ہوئے آئے کمسنی کیوجہ سے ہر قدم پہ لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپ ضبط نہ کر سکے منبر سے اتر کر گود مین اُٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ، فرمایا کرتے تھے حسین میرا ہے اور مین حسین کا ہون، خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے،

ایک دفعہ امام حسن یا امام حسین دوش مبارک پر سوار تھے کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے آپنے فرمایا اور سوار بھی کیسا ہے،[1]

ایک دفعہ امام حسن یا امام حسین (راوی کو یہ تعین یاد نہین رہا) آپکے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے آپنے فرمایا اوپر چڑھ آؤ انھون نے آپ کے سینہ پر قدم رکھ دیے، آپ نے منھ چوم کر فرمایا اے خدا! مین اس سے محبت رکھتا ہون تو بھی رکھ،[2]

ایک دفعہ آپ کہین دعوت مین جا رہے تھے امام حسین علیہ السلام راہ مین کھیل رہے تھے آپنے آگے بڑھ کر ہات پھیلا دیے، وہ ہنستے ہوئے پاس آآ کر نکل جاتے تھے بالآخر آپ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہات ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھکر سینہ سے لپٹا لیا پھر فرمایا کہ حسین میرا ہے اور مین اسکا ہون۔[3]

اکثر امام حسن علیہ السلام کو گود مین لیتے اور ان کے منھ مین منھ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا مین اس کو چاہتا ہون اور اس کو بھی چاہتا ہون جو اس کو چاہے۔

آپ کے داماد (حضرت زینب کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو

[1] یہ تمام روایتین شمائل ترمذی مین مذکور ہین اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اسکو ضعیف الحافظ کہا ہے [2] ادب المفرد بخاری صفحہ ۵۱ [3] ادب المفرد بخاری صفحہ ۷۳۔

توگھر کہلا بھیجا حضرت زینب نے اپنے گلے کا ہار بھیجدیا یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینب کے جہیز مین حضرت خدیجہ نے ان کو دیا تھا، آنحضرت صلعم نے ہار دیکھا تو بیتاب ہوگئے اور آنکھون سے آنسو نکل آئے پھر صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب کو بھیجدو ن سب نے بسر وچشم منظور کیا۔

حضرت زینب کی کمسن صاحبزادی کا نام امامہ تھا ان سے آپ کو بہت محبت تھی آپ نماز پڑھنے مین بھی انکو ساتھ رکھتے جب آپ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتین۔ رکوع کے وقت آپ ان کو کاندھے سے اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتین روایتون کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم خود ان کو کاندھون پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہون گی اور منع نہ فرماتے ہونگے،

(آپ کی ایک نواسی حالت نزع مین تھین صاحبزادی نے بلا بھیجا آپ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت مین آغوش مبارک مین رکھدی گئی آپ نے اسکی حالت دیکھی تو آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ آپ یہ کیا کر رہے ہین، آپ نے فرمایا یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندون کے دلون مین ڈال دیا ہے[1]۔

حضرت ابراہیم کی وفات مین بھی آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا آنکھین آنسو بہا رہی ہین دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن منھ سے ہم وہی باتین کہین گے جس کو خدا پسند کرتا ہے[2] لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل واولاد تک کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً بچون سے آپ کو انس تھا)

---

[1] بخاری کتاب المرضی صفحہ ۸۴۴، [2] بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۴

ازواج مطہرات

حضرت خدیجہؓ

سلسلۂ نسب یہ ہی، خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰؓ بن قصی قصی پر پہنچکر ان کا خاندان رسول اللہ صلعم کے خاندان سے ملجاتا ہی، آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھین انکی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھین، انکے والد اپنے قبیلہ مین ممتاز تھے، مکہ مین آکر سکونت اختیار کی اور بنو عبد الدار کے حلیف [1] بنے، عامر بن لوی کے خاندان مین فاطمہ بنت زائدہ سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہ پیدا ہوئین، انکی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی، ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند [2] تھا، اور دوسرے کا حارث، ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح مین آئین، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اسکا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھین، ہند نے اوّل اسلام قبول کیا آنحضرت صلعم کا مفصل حلیہ انھی کی روایت سے منقول ہی، نہایت فصیح و بلیغ تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل مین شریک تھے اور شہید [3] ہوئے

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ صلعم کے عقد نکاح مین آئین جس کے مفصل حالات گذر چکے، آنحضرت صلعم سے چھ اولادین ہوئین، دو صاحبزادے کہ دونون بچپن مین انتقال کر گئے، اور چار صاحبزادیان، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ ان سب کے حالات آگے آئین گے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ذکر خدیجہ، کتاب النسا، [2] طبقات ابن سعد [3] اصابہ ذکر ہند۔

حضرت خدیجہ کی ایک بہن ہالہ تھین وہ اسلام لائین اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تک زندہ رہین،

حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم کو بے انتہا محبت تھی، وہ جب عقد نکاح مین آئین تو انکی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت صلعم پچیس سال کے تھے نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہین۔ انکی زندگی تک آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہین کی حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر مین کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتون کے پاس گوشت بھجواتے تھے حضرت عائشہ کہتی ہین کہ گو مین نے خدیجہ کو نہین دیکھا لیکن مجکو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہین آتا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے ایک دفعہ مین نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ "خدا نے مجکو ان کی محبت دی ہے"[1]

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آئین اور استیذان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی انکی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی آپ کے کانون مین آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئین اور آپ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہونگی" حضرت عائشہ بھی موجود تھین انکو نہایت رشک ہوا بولین کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہین جو مرچکین اور خدا نے ان سے اچھی بیویان دین"، صحیح بخاری مین یہ روایت یہین تک ہے لیکن استیعاب مین ہے کہ جواب مین آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "ہرگز نہین جب لوگون نے میری تکذیب کی تو انھون نے تصدیق کی جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائین جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انھون نے میری مدد کی۔

---

[1] صحیح مسلم فضائل خدیجہ۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلعم کے عقد نکاح میں آئیں، وہ ابتداے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکیں تھیں اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے انکی شادی پہلے سکران بن عمرو سے ہوئی تھی حضرت سودہ انھیں کے ساتھ اسلام لائیں اور انھی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبد الرحمن تھا، انھوں نے جنگ جلولا میں شہادت حاصل کی -

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت صلعم نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھکر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا ہاں، گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ کے متعلق تھا، آپ کے ایما سے وہ حضرت سودہ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا، اَنعِم صَبَاحًا پھر نکاح کا پیغام سنایا، انھوں نے کہا ہاں محمدؐ شریف کفو ہیں لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو غرض سب مراتب طے ہوگئے تو آنحضرتؐ خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا چار سو درہم مہر قرار پایا نکاح کے بعد عبد اللہ بن زمعہ (... سودہ کے بھائی) جو اسوقت کافر تھے آئے، اور انکو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہوگیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت شعاری پر ... آتا ...

... سنہ ... میں ان کا نکاح ہوا ... اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہ کے وفات کے ... اختلاف ہے -

حضرت عایشہ اور سودہ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ مین ہوا اس لیے مورخین مین اختلاف ہی کہ کس کو تقدم حاصل ہی؟ ابن اسحاق کی روایت ہی کہ سودہ کو تقدم ہے، عبد اللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہی کہ وہ حضرت عایشہ کے بعد نکاح مین آئین۔

شکل وشباہت حضرت سودہ بلند وبالا اور فربہ اندام تھین اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہین سکتی تھین حجۃ الوداع مین جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انھون نے آنحضرت صلعم سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ اُن کو بھیڑ بھاڑ مین چلنے سے تکلیف ہوگی،

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھین حضرت عمر کو یہ ناگوار ہوتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلعم کی خدمت مین پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے' لیکن ابھی ان کی استدعا قبول نہین ہوئی تھی کہ حضرت سودہ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلین چونکہ ان کا قد نمایان تھا، حضرت عمر نے کہا سودہ تمکو ہمنے پہچان لیا، اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی[1]،

اخلاق وعادات آنحضرت صلعم کے اخلاق وعادات مین سخاوت وفیاضی ایک نمایان وصف تھا'

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶، آیت حجاب کے شان نزول مین سخت اختلاف ہی ایک روایت تو یہی ہی، دوسری روایت یہ ہی کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ کے یہان نیک وبد ہر قسم کے لوگ آتے ہین کاش آپ ان کو پردے کا حکم دیتے، ابن جریر نے اپنی تفسیر مین مجاہد سے روایت کی ہی کہ آنحضرت صلعم صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے حضرت عایشہ بھی شریک طعام تھین ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عایشہ کے ہاتھ سے چھو گیا رسول اللہ صلعم کو ناگوار گذرا اس پر آیت حجاب اتری عام طور پر مشہور ہی کہ حضرت زینب کے دعوت ولیمہ مین آیت حجاب نازل ہوئی چنانچہ صحاح مین یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہی، حافظ ابن حجر نے ان روایتون مین یہ تطبیق دی ہی کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن مین آخری سبب حضرت زینب کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہی کیونکہ خود آیت مین واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہین (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۱۹)۔

اس بنا پر صحابہ مین جس کو آپ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصف خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا، ازواج مطہرات کو آپ کے اخلاق وعادات و فیض صحبت سے متمتع ہونیکا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لیے یہ وصف ان مین عموماً نظر آتا ہی حضرت سودہ اس وصف مین باستثناے حضرت عایشہ سب سے ممتاز تھین، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت مین ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس مین کیا ہے؟ بولا درہم، بولین کھجور کی طرح تھیلی مین درہم بھیجے جاتے ہین، یہ کہکر اسی وقت سبکو تقسیم کر دیا۔

اطاعت اور فرمان برداری بھی ان کا خاص وصف ہی اور اس وصف مین وہ تمام ازواج مطہراتؓ سے ممتاز ہین۔

روایت حدیث ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثین مروی ہین جن مین سے بخاری مین صرف ایک ہی، صحابہ مین حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہی،

وفات حضرت سودہ کے سنہ وفات مین اختلاف ہی واقدی کے نزدیک انھون نے امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت ۵۴ھ مین وفات پائی، حافظ ابن حجر ان کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہین، امام بخاری نے تاریخ مین بسند صحیح روایت کی ہی کہ حضرت عمرؓ کی خلافت مین انتقال کیا، ذہبی نے تاریخ کبیر مین اس پر اضافہ کیا ہی کہ حضرت عمر کی خلافت کے آخری زمانہ مین وفات کی، حضرت عمر نے ۲۳ھ مین وفات پائی ہے اس بنا پر ان کا زمانۂ وفات ۲۲ھ ہوگا، خمیس مین ہی کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہی[۱]

حضرت عائشہؓ[۲]

عائشہ نام تھا، اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہین ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ

[۱] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲ مین تفصیل مذکور ہی، طبقات ابن سعد مین صرف پہلی روایت نقل کی ہی [۲] حضرت عائشہ کے حالات اور حضرت ان کے علمی اجتہادات کے لیے الگ مستقل تصنیف درکار ہی، یہان صرف ضروری سوانح زندگی لکھدیے گئے ہین۔

کنیت کرتی تھین، مان کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی، بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئین،

سنہ ۱۰ نبوی مین آنحضرت صلعم کے ساتھ نکاح ہوا اسوقت شش سالہ تھین آنحضرت صلعم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاجزادے سے منسوب تھین حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلعم سے نکاح کی تحریک کی، آپ نے رضامندی ظاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا اُنھون نے حضرت ابوبکر سے مذکور کیا، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کرچکا ہون اور مین نے کبھی وعدہ خلافی نہین کی لیکن مطعم نے خود اس بناپر انکار کردیا کہ اگر حضرت عائشہ ان کے گھر مین گئین تو گھر مین اسلام کا قدم آجائیگا، بہرحال حضرت ابوبکر نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم سے عقد کردیا، چارسو درہم مہر قرار پایا لیکن مسلم بن حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچسو درہم ہوتا تھا،

نکاح کے بعد مکہ مین آنحضرت صلعم کا قیام ۳ سال تک رہا ۱۳ مین آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر ساتھ تھے اہل و عیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے جب مدینہ مین اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر نے عبداللہ بن ارقیط کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ کو لے آئین آنحضرت صلعم نے بھی زید بن حارثہ ابورافع کو حضرت فاطمہ ام کلثوم اور حضرت سودہ وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا، مدینہ مین آکر حضرت عائشہ سخت بخار مین مبتلا ہوئین، شدت مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے، صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا اسوقت حضرت عائشہ کی عمر ۹ سال کی تھی سہیلیون کے ساتھ جھولا جھول رہی تھین کہ ام رومان نے حضرت عائشہ کو آواز دی انکو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، مان کے پاس آئین، انہون نے منھ دھویا، بال درست کئے گھر مین لے گئین، انصار کی عورتین انتظار مین تھین یہ گھر مین داخل ہوئین تو سب نے مبارک باد دی، چاشت کے وقت آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی، شوال مین نکاح ہوا تھا اور شوال ہی مین

یہ رسم بھی ادا کی گئی، زمانۂ قدیم مین اس مہینہ مین طاعون آیا تھا اس بناپر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لیئے مکروہ خیال کرتے تھے، اس خیال کے مٹانے کے لیے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔

وفات حضرت عایشہ نے آنحضرت صلعم کے ساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی نو سال کی عمر مین وہ آپ کے پاس آئین، اور جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی آنحضرتؐ کے بعد حضرت عایشہ قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہین ۵۸ھ مین وفات پائی اسوقت انکی عمر ۶۶ سال کی تھی وصیت کے مطابق جنۃ البقیع مین رات کے وقت دفن ہوئین قاسم بن محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن عبد اللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے قبر مین اُتارا اس وقت حضرت ابو ہریرہ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے اس لیے انھون نے نماز جنازہ پڑھائی،

آنحضرت صلعم کو حضرت عایشہ سے بہت محبت تھی اسی نسبت سے آپ نے مرض الموت مین تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ کے حجرے مین بسر کیے، اس محبت کا اظہار جن طریقون سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث و سیر مین نہایت کثرت سے واقعات درج ہین۔

علمی زندگی حضرت عائشہ کی علمی زندگی بھی نمایان حیثیت رکھتی ہے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان کے زمانہ مین فتویٰ دیتی تھین اکابر صحابہ پر انھون نے دقیق اعتراضات کیے ہین جنکو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ مین جمع کر دیا ہے ان سے ۲۲۱۰ حدیثین مروی ہین جن مین ۱۷۴ حدیثون پر شیخین نے اتفاق کیا ہے بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثین روایت کی ہین ۶۸ حدیثون مین امام مسلم منفرد ہین بعض لوگون کا قول ہے کہ احکام شرعیہ مین سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے اور زندگی مین بڑے بڑے صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اس کو حضرت عایشہ ہی حل کرتی تھین انکے

شاگردون کا بیان ہے کہ ہم نے اُن سے زیادہ خوش تقریر نہین دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور ادب وانساب مین ان کو کمال تھا، شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے، حاکم نے مستدرک مین اور ابن سعد نے طبقات مین تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ مین بھی جستہ جستہ ان کے فضل وکمال کے دلائل وشواہد ملتے ہین۔)

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھین، مان کا نام زینب بنت مظعون تھا، بعثت سے پانچ برس پہلے مین اس سال جب قریش خانۂ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئین انکی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی اور انہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، خنیس نے غزوۂ بدر مین زخم کھائے اور واپس آکر انھین زخمون کی وجہ سے شہادت[1] پائی، خنیس نے اپنی یادگار مین حضرت حفصہ کے بطن سے کوئی اولاد نہین چھوڑی[2]، حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہوجانے کے بعد حضرت عمر کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، سو، اتفاق سے اسی زمانہ مین حضرت رقیہ کا انتقال ہوچکا تھا، اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی انھون نے کہا مین اس معاملہ مین غور کرون گا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۷۰ عام طور پر یہی مشہور ہے لیکن اصابہ مین ہے کہ غزوہ احد مین شہید ہوئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ حضرت عمر نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے انکے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہ کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمان شریک غزوہ بدر نہ ہوسکے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیس نے غزوۂ بدر کے بعد وفات پائی دوسری روایت مین ہے کہ حضرت عثمان مغموم بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ حفصہ سے نکاح کرتے ہو اسکی عدت گزر گئی۔ اگر خنیس نے احد مین شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۳ھ ہوتا حالانکہ ان کا نکاح ۳ھ مین ہوا (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵۲)

[2] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۷۰۔

ذکر کیا انھون نے خاموشی اختیار کی حضرت عمر کو انکی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالتؐ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش کی نکاح ہوگیا تو حضرت ابوبکر حضرت عمر سے ملے اور کہا کہ جب تمنے مجھ سے حفصہ کے نکاح کی درخواست کی اور مین خاموش رہا تو تم کو ناگوار گذرا لیکن مین نے اسی بنا پر کچھ جواب نہین دیا کہ رسول اللہ نے انکا ذکر کیا تھا اور مین آپ کا راز فاش کرنا نہین چاہتا تھا اگر رسول اللہؐ نے ان سے نکاح نہ کرلیا ہوتا تو مین اس کے لیے آمادہ تھا،[1]

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھین، اس لیے مزاج مین ذرا تیزی تھی صحیح بخاری مین واقعۂ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمر کا بیان ہو کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت مین عورتون کو کوئی چیز نہین سمجھتے تھے مین ایک دن کسی معاملہ مین غور کر رہا تھا اتفاق سے میری بی بی نے مجکو مشورہ دیا مین نے کہا تم کو ان معاملات مین کیا دخل ہو؛ بولین کہ تم میری بات پسند نہین کرتے، حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ کو برابر کا جواب دیتی ہو، مین اٹھا اور حفصہ کے پاس آیا، مین نے کہا بیٹی! تم رسول اللہ کو جواب دیتی ہو، یہانتک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہین، بولین ہان ہم ایسا کرتے ہین مین نے کہا خبردار! مین تمہین عذاب الٰہی سے ڈراتا ہون، تم اس کے گھمنڈ مین نہ آجانا جس کے حسن نے رسول اللہ کو فریفتہ کرلیا ہی[2] (یعنی عائشہ)

ترمذی مین ہو کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رو رہی تھین آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انھون نے کہا مجکو حضرت حفصہ نے کہا ہو کہ تم یہودی کی بیٹی ہو" آپ نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح مین ہو حفصہ تم پر کس بات مین فخر کرسکتی ہی[3]"

ایک بار حضرت عائشہ اور حفصہ نے حضرت صفیہ سے کہا کہ ہم رسول اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۶۰، [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۰، [3] ترمذی صفحہ ۶۴۷ کتاب المناقب۔

معزز ہین، ہم آپ کی بیوی بھی ہین اور چچا زاد بہن بھی" حضرت صفیہ کو ناگوار گذرا انھون نے آنحضرت صلعم سے اسکی شکایت کی آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیون نہین کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہوسکتی ہو میرے شوہر محمدؐ میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہین"

حضرت عایشہ اور حضرت حفصہ حضرت ابوبکر اور عمر کی بیٹی تھین، جو تقرب نبوی مین دوش بدوش تھے اس بنا پر حضرت عایشہ اور حضرت حفصہ دیگر ازواج کے مقابلہ مین باہم ایک تھین لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونون آنحضرت صلعم کے ساتھ سفر مین تھین، رسول اللہ راتون کو حضرت عایشہ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتین کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور مین تمہارے اونٹ پر سوار ہون تاکہ مختلف مناظر دیکھنے مین آئین حضرت عایشہ راضی ہوگئین آنحضرت صلعم حضرت عایشہ کے اونٹ کے پاس آئے جسپر حفصہ سوار تھین جب منزل پر پہونچے اور حضرت عائشہ نے آپ کو نہین پایا تو اپنے پانون کو اذخر (ایک گھاس ہے جس مین سانپ بچھو رہتے ہین) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگین "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے[1]"

وفات حضرت حفصہ نے ۴۵ھ مین جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا وفات پائی، وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بن عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمر نے انکو کی تھی [illegible] وقف کی اور کچھ مال صدقہ مین دیا۔ مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی اور

[1] اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات سے جن اس قسم کی روایتین مروی ہین، حضرت حفصہ و عایشہ [illegible] ضرور ہین اس لیے اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ [illegible]

بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا، یہان سے قبر تک حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبداللہ، عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکون نے قبر مین اُتارا۔[1]

زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا، چونکہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھین، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئین، آنحضرت صلعم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح مین تھین، عبداللہ بن جحش نے جنگ اُحد ۳ھ مین شہادت پائی اور آنحضرت صلعم نے اُسی سال ان سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد آنحضرت صلعم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھین کہ ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت صلعم کی زندگی مین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھین جنھون نے وفات پائی آنحضرت صلعم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین وفات کے وقت انکی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ

ہند نام، ام سلمہ کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور ماں کا عاتکہ تھا، پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح مین آئین (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہین اور) جو ان کے چچازاد اور رسول اللہ صلعم کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائین اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت

---

[1] حضرت حفصہ کے بھی سنہ وفات مین اختلاف ہی ایک روایت ہی کہ انھون نے جمادی الاول ۴۱ھ مین وفات پائی اسوقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو انکی عمر ۶۳ سال کی ہوگی ایک روایت ہی کہ انھون نے حضرت عثمان کی خلافت مین ۲۷ھ مین انتقال کیا یہ روایت اس بنا پر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمان کی خلافت مین ۲۷ھ مین فتح ہوا لیکن یہ صحیح غلطی ہے افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہی اس دوسری فتح کا فخر معاویہ بن خدیج کو حاصل ہی اور یہ فتح ۵۰ھ مین ہوئی وہب بن مالک نے حفصہ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہی۔

کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی مین پیدا ہوئے حبشہ سے مکہ مین آئین اور یہان سے مدینہ کو ہجرت کی ہجرت مین ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہین جو ہجرت کرکے مدینہ مین آئین۔

ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بڑے شہسوار تھے مشہور غزوات **بدر و احد** مین شریک ہوئے، غزوہ احد مین چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے اور جمادی الثانی ۴ھ مین وفات پائی ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت صلعم نے ۹ تکبیرین کہین، لوگون نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ آپ کو سہو تو نہین ہوا، فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے،

ابو سلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھین وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انھون نے چند عذر پیش کئے۔

۱ مین سخت غیور عورت ہون۔

۲ صاحب عیال ہون،

۳ میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرت صلعم نے ان سب زحمتون کو گوارا کیا،

وفات | اہل سیر متفق اللفظ ہین کہ ازواج مطہرات مین سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی لیکن ان کے سنہ وفات مین نہایت اختلاف ہے، واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہے ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے اور تقریب مین اسی کو صحیح کہا ہے۔ **امام بخاری** نے تاریخ کبیر مین لکھا ہے کہ ۵۸ھ مین وفات پائی بعض روایتون مین ہے کہ ۶۱ھ مین جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آئی اسوقت ان کا انتقال ہوا ہے، ابن عبد اللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے،

اِس اختلافِ روایت کی حالت مین سنہ وفات کی تعیین مشکل ہی تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعۂ حرّہ تک زندہ تھین۔ مسلم مین ہی کہ حارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عبد اللہ بن صفوان ام سلمہ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور اُس لشکر کا حال پوچھا جو زمین مین دھنس جائے گا یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرّہ پیش آیا تھا، واقعہ حرّہ ۶۳ھ مین پیش آیا ہے، اس لیے اس سے پہلے انکی وفات کی تمام روایتین صحیح نہین۔

ابن عبد البر نے لکھا ہی کہ حضرت ام سلمہ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی، لیکن اس روایت کی صحت مین کلام ہی سعید بن زید نے باختلاف روایت ۵۱ھ یا ۵۲ھ یا ۵۸ھ مین انتقال کیا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت ہی کہ اس وقت ام سلمہ زندہ تھین، واقدی نے لکھا ہی کہ ابوہریرہ نے انکا جنازہ پڑھایا۔ اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابوہریرہ خلاف وصیت کیونکر جنازہ پڑھ سکتے تھے، بہرحال ازواج مطہرات مین سب کے بعد حضرت ام سلمہ نے وفات پائی، اور وفات کے وقت انکی عمر ۸۴ سال کی تھی۔

فضل وکمال | ازواج مطہرات مین حضرت عائشہ کے بعد فضل وکمال مین انھین کا درجہ ہی ابن سعد نے طبقات مین انکی تصریح کی ہی، روایت حدیث اور نقل احکام مین حضرت عائشہ کے سوا اور تمام بی بیون پر ان کو فضیلت حاصل ہے، صلح حدیبیہ مین جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی مین تامل تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور یہ انکی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری مین بہ تفصیل مذکور ہے۔

حضرت زینبؓ

ازواج مطہرات مین جو بیبیان حضرت عایشہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھین اُن مین حضرت زینبؓ بھی تھین، خود حضرت عایشہ کہتی ہین کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھین، اور انکو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلعم کی پھوپی زاد بہن تھین جمال مین بھی ممتاز تھین آنحضرت صلعم کو بھی اُنسے نہایت محبت تھی، زہد و تورع مین یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اُس اتہام مین خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھین تو آنحضرت صلعم نے ان سے حضرت عایشہ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہون نے صاف لفظون مین کہدیا۔

مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا — مجکو حضرت عایشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہین،

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق و راستی کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت مین نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھین جب آنحضرت صلعم نے انکو عقد مین لانا چاہا تو انہون نے کہا کہ مین بغیر استخارہ کے کوئی رائے قایم نہین کرتی،

ایک دفعہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینبؓ اس معاملہ مین کچھ بول اٹھین، حضرت عمر نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگذر کرو یہ اواہ ہین (یعنی خاشع و متضرع ہین)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھین خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھین، اور اس کو خدا کی راہ مین لٹا دیتی تھین ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہون نے اُس پر ایک کپڑا ڈالدیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا میرے خاندانی رشتہ دارون اور یتیمون کو تقسیم کردو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے انہون نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی (۸۵) درہم نکلے، جب تمام

مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد مین عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اُٹھاؤن، یہ دعا مقبول ہوئی اور اُسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

وفات آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا،

أَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا — تم مین مجھ سے جلد وہ ملیگی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات اُس کو حقیقت سمجھین چنانچہ باہم اپنے ہاتون کو ناپا کرتی تھین حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشینگوئی کا مصداق ثابت ہوئین۔ ازواج مطہرات مین سب سے پہلے انتقال کیا کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دین تو ان مین سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر مین داخل ہوگا انہون نے کہا وہ شخص جو اُن کے گھر مین داخل ہوا کرتا تھا، چنانچہ اسامہ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر مین اُتارا۔

۲۰ھ مین انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی **واقدی** نے لکھا ہو کہ آنحضرت صلعم سے جس وقت نکاح ہوا اُس وقت ۳۵ سال کی تھین۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھین جو قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار تھا، مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی جو غزوۂ مریسیع مین قتل ہوا، اس لڑائی مین کثرت سے لونڈی غلام مسلمانون کے ہاتھ آئے ان ہی لونڈیون مین حضرت جویریہ بھی تھین، جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن

قیس بن شماس انصاری کے حصہ مین آئین۔

اسلام مین اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہین اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح مین کتابت کہتے ہین اسی اصول کے موافق حضرت جویریہ مکاتبہ بنگئین انکو شرط کے موافق ۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی، وہ رسول اللہ کے پاس آئین اور کہا یا رسول اللہ مین مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہون جو اپنی قوم کا سردار ہی مجھپر جو مصیبتین آئی ہین وہ آپ سے مخفی نہین، مین ثابت بن قیس کے حصے مین آئی اور نو اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا یہ رقم میرے امکان مین نہ تھی لیکن مین نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کرلیا اور اب آپ سے اسکا سوال کرنے کے لیے آئی ہون، آپ نے فرمایا تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہین، انھون نے کہا وہ کیا چیز ہی؟ آپ نے فرمایا مین یہ رقم ادا کر دیتا ہون اور تم سے نکاح کرلیتا ہون، وہ راضی ہوگئین آپ نے ثابت بن قیس کو بلایا وہ بھی راضی ہو گئے آپ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کرلیا یہ چرچا پھیلا تو لوگون نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلامون کو اس بنا پر آزاد کردیا کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگون سے رشتہ مصاہرت قائم کرلیا، آزاد شدہ غلامون کی تعداد ایک روایت مین سات سو بتائی گئی ہی حضرت عائشہ کہتی ہین کہ جویریہ کی برکت سے سیکڑون گھرانے آزاد کردیے گئے، بعض روایتون مین ہی کہ آنحضرت صلعم سے خود حضرت جویریہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیون کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہ نے ۵۰ھ مین وفات پائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین اسوقت انکا سن ۶۵ برس کا تھا۔

حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام ام حبیبہ کنیت تھی آنحضرت صلعم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئین اور عبید اللہ بن جحش سے

عقد ہوگیا آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تو دونون مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی حبیبہ جنکی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہین حبشہ ہی مین پیدا ہوئین۔ حبشہ مین جاکر عبیداللہ بن جحش نے عیسائیت قبول کرلی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہین۔ اختلاف مذہب کی بنا پر عبیداللہ بن جحش نے اُن سے علحدگی اختیار کی اور اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ

ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو چنانچہ آنحضرت صلعم نے عمرو بن امیۃ الضمری کو نجاشی کی خدمت مین بغرض نکاح بھیجا جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت صلعم نے مجکو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انھون نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا، اور اس مژدہ کے صلہ مین ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیان دین جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہان کے مسلمانون کو جمع کرکے خود نکاح پڑھایا[1] اور آنحضرت صلعم کی طرف سے سے چار سو دینار مہر ادا کیا[2]۔

تمام لوگون کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگون نے بعد نکاح اٹھنا چاہا لیکن نجاشی نے کہا، "دعوت ولیمہ تمام پیغمبرون کی سنت ہے، ابھی بیٹھنا چاہیے،" چنانچہ کھانا آیا لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہ کو ملی تو انھون نے پچاس دینار ابرہہ کو دیے لیکن اس نے

---

[1] سال نکاح مین اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ ۶ھ مین نکاح ہوا لیکن بعض روایتون مین ۷ھ بھی بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے عمرو بن الضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو۔ اور ۷ھ مین نکاح پڑھایا گیا ہو، اس مین بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہان ہوا۔ اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ مین نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا۔

[2] صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے بعض روایتون مین نو سو دینار ہے، بعضون کے نزدیک چار ہزار دینار ہے۔ ابوداؤد مین دینار کے بجائے چار ہزار درہم ہے زہری کی روایت مین چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے اس لیے اگر چاندی ہوگی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہین۔

اس رقم کو ان کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے یہ کہکر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجکو منع کر دیا ہی، دوسرے روز ان کی خدمت مین عود- زعفران عنبر وغیرہ لے کر آئی جنکو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ کی خدمت مین لائین، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے تو نجاشی نے ان کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین روانہ کیا۔

ام حبیبہ نے سنہ ۴۴ھ مین وفات[1] پائی اور مدینہ مین دفن ہوئین۔

حضرت میمونہ

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور مان کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح مین تھین مسعود نے طلاق دیدی تو ابورہم بن عبد العزی نے نکاح کر لیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ کے نکاح مین آئین نکاح کے متعلق مختلف روایتین ہین ایک روایت ہے کہ انھون نے اپنے آپکو ہبہ کیا۔

دوسری روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ سے اپنے غلام ابورافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انھون نے ایجاب و قبول کیا لیکن صحیح روایت یہ ہی کہ حضرت عباس رض نے اس نکاح کی تحریک کی اور انھین نے نکاح پڑھایا۔

وفات یہ عجیب حسن اتفاق ہی کہ مقام سرف مین انکا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی مین انہون نے انتقال بھی کیا، حضرت عبد اللہ بن عباس نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر مین اتارا- صحاح مین ہی کہ جب انکا

---

[1] بعضون نے سال وفات سنہ ۴۲ھ لکھا ہے ابن ابی خیثمہ کے نزدیک انکا سال وفات سنہ ۵۹ھ ہی بعض لوگون نے سنہ ۵۰ھ اور بعضون نے سنہ ۵۵ھ بیان کیا ہی ایک روایت مین یہ بھی ہی کہ دمشق مین مدفون ہوئین۔

جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا یہ رسول اللہ صلعم کی بی بی ہین جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، بہ ادب آہستہ سے چلو۔

سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انھون نے ۵۱ھ مین وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ

صفیہ اصل نام نہ تھا، **زرقانی** نے لکھا ہے کہ عرب مین مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوجاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگ خیبر مین اسی طریقہ کے موافق آنحضرت صلعم کے نکاح مین آئین تھین، اس لیے **صفیہ** کے نام سے مشہور ہوگئین، ورنہ اصلی نام زینب تھا، باپ کا نام حیی بن اخطب اور مان کا نام ضرہ تھا، حضرت صفیہ کو باپ اور مان دونون کے جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنو النضیر کا سردار، اور مان قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی، حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح مین آئین کنانہ جنگ خیبر مین مقتول ہوا، حضرت صفیہ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئین جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلعم سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت صلعم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انھون نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت مین آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسۂ بنو نضیر و **قریظہ** کو دحیہ کو دیدیا وہ تو صرف آپ کے قابل ہے، آپ نے حکم دیا کہ **دحیہ** اس عورت کے ساتھ حاضر ہون، وہ **صفیہ** کو لیکر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام **صہبا** مین رسم عروسی ادا کی، اور جو کچھ سامان لوگون کے پاس تھا، اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہان سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا

اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات مین داخل ہوگئین،

حضرت صفیہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے، ایکبار آپ سفر مین تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھین حضرت صفیہ کا اونٹ سو اتفاق سے بیمار ہوگیا، حضرت زینب رض کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دیدو۔ انہون نے کہا کیا مین اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دون؟ اس پر آنحضرت صلعم ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے،

ایک بار آپ حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہین آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، انہون نے کہا کہ عایشہ اور زینب کہتی ہین کہ ہم تمام ازواج مین افضل ہین ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہین، آپ نے فرمایا تم نے یہ کیون نہ کہدیا کہ ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہین اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہوسکتی ہو؟

حضرت صفیہ نے ۵۰ھ مین وفات پائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین۔

اولاد

آنحضرت صلعم کی اولاد کی تعداد مین سخت اختلاف ہی، متفق علیہ روایت یہ ہی کہ آپکے چھ اولادین تھین، قاسم، ابراہیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ، ان تمام لڑکیون نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئین لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادون کا نام اور لیا ہے، طاہر، طیب۔ اس بنا پر اولاد ذکور کی تعداد لڑکیون کے برابر ہو جاتی ہے۔

اِس بارہ مین تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہی کہ آنحضرت صلعم کے بارہ اولادین تھین جنمین آٹھ لڑکے اور چار لڑکیان تھین، لڑکیون کی تعداد مین کسی قسم کا اختلاف نہین البتہ صاحبزادون کی تعداد مین سخت اختلاف ہی مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے جن مین قاسم اور ابراہیم پر تمام راویون کا اتفاق ہی حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ سے اور بقیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد مین سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ بارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہون گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے، ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

(آنحضرت صلعم کی اولاد مین جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسیطرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا) عام روایت[1] یہ ہی کہ قبل بعثت وفات پائی۔ آنحضرت صلعم کی کنیت **ابوالقاسم** انھین کے انتساب سے ہی، آپ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہ بھی جب آپکا محبت سے نام لیتے ابوالقاسم ہی کہتے، ایکدن آپ بازار سے گذرتے

[1] زرقانی صفحہ ۲۲۱۔

تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا ابالقاسم کہکر آواز دی آپ نے مڑکر دیکھا تو اس نے کہا یا رسول اللہ مین اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہون - رفع اشتباہ کے لیے پھر آپ نے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے۔

حضرت زینبؓ

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیون مین سب سے بڑی تھین، زبیر بن بکار کا قول ہو کہ حضرت قاسم کے بعد پیدا ہوئین لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت صلعم کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینبؓ ہی ہین بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلعم کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئین۔

آنحضرت صلعم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ مین رہ گئے تھے حضرت زینبؓ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع لقیط سے ہوئی، غزوۂ بدر مین ابوالعاص گرفتار ہو گئے جب یہ رہا کیے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینب کو بھیج دین گے، ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طوی مین پہونچے، تو کفار قریش کے چند آدمیون نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب کو نیزے سے زمین پر گرا دیا، وہ حاملہ تھین حمل ساقط ہو گیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ "اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیرون کا نشانہ ہو گا" لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا "تیر روک لو ہمکو کچھ گفتگو کرنی ہے" انہون نے تیر ترکش مین ڈال دیے، ابوسفیان نے کہا "محمدؐ کے ہاتھ سے جو مصیبتین پہنچی ہین تمکو معلوم ہین، اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال کر لے گئے تو لوگ کہین گے کہ ہماری کمزوری ہی ہمکو زینب کے روکنے کی ضرورت نہین جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اسوقت چھپے چوری لے جانا، کنانہ

نے یہ راستے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لیکر روانہ ہوئے، زید بن حارثہ کو آنحضرت صلعم نے پہلے سے بھیجدیا تھا وہ بطنِ یا جج مین تھے، کنانہ نے زینب کو ان کے حوالے کیا وہ انکو لیکر روانہ ہوگئے حضرت زینب مدینہ مین آئین اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک مین چھوڑا، ابو العاص دوبارہ ایک سریہ مین گرفتار ہوئے، اس وقت بھی حضرت زینب نے انکو پناہ دی، مکہ جاکر انھون نے لوگون کی امانتین حوالے کین، اور اسلام لائے اسلام لانیکے بعد ہجرت کرکے مدینہ مین آئے حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک مین چھوڑا تھا اس لیے دونون مین باہم تفریق ہوگئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب دوبارہ انکے نکاح مین آئین، ترمذی وغیرہ مین حضرت ابن عباس سے روایت ہی کہ کوئی جدید نکاح نہین ہوا لیکن دوسری روایت مین جدید نکاح کی تصریح ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہی لیکن فقہا نے دوسری روایت پر عمل کیا ہی، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی تاویل کی ہی کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ مین کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس نے اسکو نکاح اوّل سے تعبیر کیا، ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابو العاص نے حضرت زینب کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت صلعم نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاح جدید کے بعد حضرت زینب بہت کم زندہ رہین، سنہ ۶ یا سنہ مین (باختلاف روایت) ابو العاص اسلام لائے تھے، اور اس لیے سنہ مین حضرت زینب نے انتقال کیا۔

بلہ اصابہ مین ہی کہ ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول سنہ ۶ مین روانہ ہوئے، آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص مین قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کیے گئے، اور مال واسباب لوٹ مین آیا انھین مین ابو العاص تھے، ابو العاص آئے، تو حضرت زینب نے انکو پناہ دی اور انکی سفارش سے آنحضرتؐ نے ان کا مال بھی واپس کرادیا۔

ام ایمن، حضرت سودہ بنت زمعہ، اور ام سلمہ نے غسل دیا۔ اور آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی ابوالعاص اور آنحضرت صلعم نے قبر مین اتارا۔

حضرت زینب نے دو اولاد چھوڑی امامہ اور علی۔ علی کی نسبت ایک روایت ہی کہ بچپن مین وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہی کہ سن رشد کو پہونچے ابن عساکر نے لکھا ہی کہ یرموک کے معرکہ مین شہادت پائی

امامہ سے آنحضرت صلعم کو نہایت محبت تھی آپ ان کو اوقات نماز مین بھی جدا نہین کرتے تھے صحاح مین ہے کہ آپ ان کو کاندھے پر لیکر نماز پڑھتے تھے جب رکوع مین جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ آنحضرت صلعم کی خدمت مین ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزین ہدیہ مین بھیجین جن مین ایک زرین ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ مین کھیل رہی تھین، آپ نے فرمایا مین اسکو اپنی محبوب ترین اہل کو دونگا، ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عایشہ کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے مین ڈال دیا، ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو امامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو انہون نے حضرت علی سے انکا نکاح کر دیا حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کر لین مغیرہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا لیکن بعض روایتون مین ہی کہ امامہ کے کوئی اولاد نہین ہوئی، امامہ نے مغیرہ کے ہان وفات پائی

حضرت رقیہؓ

جرجانی نے لکھا ہی کہ آنحضرت صلعم کی لڑکیون مین سب سے چھوٹی تھین لیکن مشہور روایت یہ ہی کہ حضرت زینب کے بعد سنہ ۳۳ قبل نبوت مین پیدا ہوئین پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی، ابن سعد نے لکھا ہی کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔

آنحضرت صلعم کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابو لہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا، ابولہب نے بیٹون کو جمع کرکے کہا "اگر تم محمد کی بیٹیون سے علحدگی اختیار نہین کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے" دونون فرزندون نے باپ کے حکم کی تعمیل کی، آنحضرت صلعم نے حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے کردی۔

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے ساتھ انکا نکاح زمانۂ جاہلیت مین ہوا لیکن خود ایک روایت حضرت عثمان سے مروی ہے جس مین زمانۂ اسلام کی تصریح ہے، نکاح کے بعد حضرت عثمان نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ بھی ساتھ گئین، مدت تک آنحضرت صلعم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ "مین نے ان دونون کو دیکھا ہے" آنحضرت صلعم نے دعا دی، اور فرمایا کہ ابراہیم اور لوط کے بعد عثمان پہلے شخص ہین جنھون نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہے،

حبش مین حضرت رقیہ کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف ۲ سال زندہ رہا،

حضرت عثمان حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہان سے مدینہ کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہ مدینہ مین آکر بیمار ہوئین یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا حضرت عثمان ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہو سکے عین اسی دن جس روز زید بن حارثہ نے مدینہ آکر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی، غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرت صلعم ان کے جنازہ مین شریک نہ ہوسکے۔

حضرت ام کلثوم رض

کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہین، ۳ھ مین جو غزوۂ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہ کا انتقال

ربیع الاوّل مین حضرت عثمان نے حضرت ام کلثوم کے ساتھ نکاح کرلیا، بخاری مین ہی کہ جب حضرت
بیوہ ہوئین تو حضرت عمر نے حضرت عثمان کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان نے تامل کیا،
دوسری روایتون مین ہی کہ جب آنحضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمر سے کہا "مین تمکو
سے بہتر شخص کا پتا دیتا ہون، اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈھتا ہون، تم اپنی لڑکی کی
مجھ سے کردو اور مین اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کردیتا ہون" بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد
ام کلثوم ۶ برس تک حضرت عثمان کے ساتھ رہین شعبان ۹ھ مین انتقال کیا آنحضرتؐ نے نماز
پڑھائی اور حضرت علی حضرت فضل بن عباس حضرت اسامہ بن زید نے قبر مین اتارا۔

حضرت فاطمۃ الزہراء

فاطمہ نام، زہرا لقب تھا، انکی ولادت مین اختلاف ہی ایک روایت ہی کہ ۱ بعثت مین پیدا ہوئین،
اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی آنحضرت صلعم کی بعثت
سال کی عمر مین ہوئی تھی اسی بنا پر بعضون نے دونون روایتون مین یہ تطبیق دی ہی کہ ۱ بعثت کے
مین حضرت فاطمہ پیدا ہوئی ہون گی اور چونکہ دونون کی مدت مین بہت فاصلہ ہی اس لیے یہ اختلاف
ہوگیا ہوگا ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی پیدا
بعض روایتون مین ہی کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئین۔

حضرت فاطمہ (اگر انکا سال ولادت ۱ بعثت صحیح تسلیم کرلیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے
مہینے کی ہوئین تو ۲ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت علی کے ساتھ نکاح کردیا اس وقت حضرت علی
۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا، حضرت فاطمہ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور ان کے

لہ حضرت علی کے متعلق ایک روایت ہے کہ ۸ برس کی عمر میں اسلام لائے [illegible] دس سال کی عمر [illegible] اس روایت کی رو سے ان کا سن ۲۴ سال ۵ مہینہ کا تھا۔

بعد حضرت عمر نے کی تھی لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہین دیا، جب حضرت علی نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہی؟ بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہین، آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے، زرہ کو فروخت کر ڈالو، حضرت عثمان نے ۴۸۰ درہم پر خریدی، اور حضرت علی نے قیمت لا کر آنحضرت صلعم کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائین، عقد ہوا اور آنحضرت صلعم نے جہیز مین ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ مین لکھا ہی کہ آپ نے ایک چادر دو چکیان، اور ایک مشک بھی دی، اور یہ عجب اتفاق ہی کہ یہی دو چیزین عمر بھر انکی رفیق رہین۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے کہا کہ ایک مکان لیلین چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا، اور حضرت علی نے حضرت فاطمہ کیساتھ اس مین قیام کیا،

آنحضرت صلعم ہمیشہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے تعلقات مین خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے چنانچہ جب حضرت علی اور حضرت فاطمہ مین کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت صلعم دونون مین صلح کرا دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر مین تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے لوگون نے پوچھا آپ گھر مین گئے تھے تو اور حالت تھی، اب آپ اس قدر خوش کیون ہین، فرمایا مین نے ان دو شخصون مین مصالحت کرائی ہی جو مجکو محبوب ترین۔

ایک مرتبہ حضرت علی نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلعم کے پاس شکایت لیکر چلین پیچھے پیچھے حضرت علی بھی آئے حضرت فاطمہ نے شکایت کی آپ نے فرمایا "بیٹی تمکو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے" حضرت علی پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہون نے حضرت فاطمہ سے کہا اب مین تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کرون گا،،

(ایک دفعہ حضرت علی نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا۔ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپ نے مسجد مین خطبہ دیا اس مین اپنی ناراضی ظاہر کی، فرمایا میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی" چنانچہ حضرت علی اس ارادہ سے باز آگئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نکیا[1]۔)

حضرت فاطمہ کے پانچ اولادین ہوئین حسن حسین محسن ام کلثوم زینب، محسن نے بچپن ہی مین انتقال کیا، حضرت زینب امام حسن، امام حسین علیہما السلام اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام مین مشہور ہین۔

حضرت فاطمہؓ نے رمضان سنہ ۱۱ھ مین آنحضرت صلعم کے انتقال کے ۶ ماہ بعد وفات پائی، اس وقت انکا سن ۲۹ سال کا تھا، سن کی تعیین مین سخت اختلاف ہے۔ بعضون نے ۲۴ سال، بعضون نے ۲۵ سال، اور بعضون نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اگر سنہ ۱ھ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہین ہو سکتا تھا، البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کیجائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل نبوت مین پیدا ہوئین تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؓ

آنحضرت صلعم کی سب سے آخری اولاد ہین ذوالحجہ سنہ ۸ ہجری بمقام عالیہ جہان حضرت ماریہ قبطیہ رہتی تھین پیدا ہوئے، اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے، ابو رافع کی بی بی سلمےٰ نے جو آنحضرت

[1] صحیح بخاری ذکر اصہار النبی صلعم ۔۔ اس مین بھی اختلاف ہے بعضون نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد صرف تین دن زندہ رہین بعضون نے چار مہینے بتایا ہے بعضون کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا کسی نے ایک مہینہ کسی نے ۳ مہینے بعد اور بعضون نے ۳ مہینے ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح مین حضرت عائشہ کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے۔

یا آپ کی پھوپی صفیہ کی لونڈی تھین، دایہ گری کی خدمت انجام دی، ابورافع نے جب آنحضرت صلعم کو انکی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ نے اس کے صلہ مین ایک غلام عطا فرمایا، ساتوین دن عقیقہ ہوا آپ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی، اور حضرت ابراہیم کے نام پر نام رکھا، دودہ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی لیکن آپ نے انکو ام بردہ خولہ بنت منذر بن زید الانصاری کے حوالہ کیا اور اُس کے معاوضہ مین کھجور کے چند درخت دیے، بخاری مین حضرت انس سے روایت ہی کہ آپ نے یہ خدمت ام سیف کے متعلق کی، قاضی عیاض نے لکھا ہی کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہین، یہ تاویل کچھ مستبعد نہین، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہین۔

ام سیف حوالی مدینہ مین رہتی تھین آنحضرت صلعم فرط محبت سے وہان جاتے حضرت ابراہیم کو گود مین لیتے اور چومتے ام سیف کے شوہر لوہار تھے اس لیے گھر دھوئین سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت صلعم باوجود نظافت طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیم نے ام سیف ہی کے یہان انتقال کیا آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے نزع کی حالت تھی گود مین اٹھا لیا آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ آپ کی یہ حالت ہے آپ نے فرمایا یہ رحمت ہی،

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند مین گہن لگجاتا ہے، اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم نے وفات پائی سورج مین گہن لگ گیا تھا عام طور پر مشہور ہوگیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا چاند اور سورج خدا کی نشانیان ہین کسی کی موت سے ان مین گہن نہین لگتا،،

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا آنحضرت صلعم نے خود نماز جنازہ پڑھائی، عثمان بن مظعون
کی قبر کے متصل دفن ہوئے، قبر مین فضل بن عباس اور اسامہ نے اتارا، آنحضرت صلعم قبر کے کنارے
کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قایم کی گئی۔

ابوداؤد، بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی، ذیحجہ ۸ھ مین پیدا
ہوئے تھے، اس روایت کی بنا پر ۹ھ مین انتقال ہوا، واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ
مین وفات کی، اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے، بعض روایتون مین ہے کہ سولہ مہینے آٹھ دن
کی عمر پائی، بعض لوگون نے مدتِ حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے لیکن صحاح مین حضرت
عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے،

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہرات کی تعداد ۹ تک پہنچی تھی ان مین عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتین تھین باہم رشک اور منافست بھی تھی، آنحضرت صلعم چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے ان کی خورش و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہین ہوسکتا تھا اس لیے انکو شکایت کا موقع ملتا تھا ان تمام حالات کے ساتھ بھی آپ کی جبین خلق پر کبھی شکن نہین پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہ کے ساتھ آپ کو بے انتہا محبت تھی جب وہ عقد نکاح مین آئین تو آنحضرت صلعم کا ریعان شباب اور ان کا بڑھاپا تھا، تاہم آپ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہین کی، وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو آپ جوش محبت سے بیتاب ہوجاتے تھے (تفصیل اوپر گذر چکی ہے)

حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات مین سب سے محبوب تر تھین لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانون مین پائے جاتے ہین حسن صورت مین حضرت صفیہ ان سے بڑھ کر تھین اور دوشیزہ بھی تھین دیگر ظاہری محاسن مین بھی دیگر ازواج اُن سے کم نہ تھین لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت۔ ذہانت۔ قوت اجتہاد۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو اُن کی ترجیح کا اصلی سبب تھے،

ایک دفعہ چند ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ زہرا کو سفیر بنا کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا، جناب سیدہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئین دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئین،

اور عرض کی کہ "ازواج مطہرات نے مجکو وکیل بناکر بھیجا ہے کہ آپ ابوبکر کی بیٹی کو ہم پر کیون ترجیح دیتے ہین" آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا جان پدر! کیا تم اس کو نہین چاہتین جسکو مین چاہتا ہون" جناب سیدہ کے لیے اتنا کافی تھا، واپس جاکر ازواج مطہرات سے کہا مین اس معاملہ مین دخل نہ دون گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب انتخاب کی گئین کیونکہ ازواج مین سے حضرت زینب کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ کی ہمسری کا دعویٰ تھا اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزون تھین، انھون نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ اس رتبہ کی مستحق نہین ہین حضرت عائشہ چپ سن رہی تھین، اور رسول اللہ صلعم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھین حضرت زینب جب تقریر کرچکین تو مرضی پاکر کھڑی ہوئین اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب لاجواب ہوکر رہ گئین، آنحضرت صلعم نے فرمایا کیون نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے[۱] "

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے مال، نسب، حسن، دینداری سوتم دیندار عورت تلاش کرو[۲] آنحضرت صلعم کو ہر کام مین سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا، اس لیے ازواج مین بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھین جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہوسکتی تھی، ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا وہ خلوت وجلوت کی شریک صحبت تھین اس لیے مذہبی احکام ومسائل کے علم واطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع

---

[۱] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابون مین ہے، الفاظ روایت سے بظاہر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ دونون فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسرشان کی تھی جیسا کہ عام طور پر سوکنین باہم خانگی جھگڑون مین کرتی ہین لیکن یہ کم نظری ہے حضرت عائشہ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلین بیان کی ہون گی جسکا جواب سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہوسکتا ہوگا۔ [۲] کتاب النکاح بخاری شریف

مل سکتا تھا، لیکن ساتھ ہی اسکی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکات شریعت کی تہ تک پہنچنے کی بھی قابلیت ہو جس مین یہ قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اُسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھین اس لیے قرب صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکین کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل مین وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھین اور انصاف بالائے طاعت است کہ اکثر مسئلون مین ان کی فہم و دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہی چنانچہ اُسکی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات مین گذر چکی ہے معمول تھا کہ ہر روز آپ تمام ازواج مطہرات کے گھر دن مین (جو پاس پاس تھے) تشریف لیجاتے ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آجاتا جنکی باری ہوتی تو شب کو وہین قیام فرماتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہی۔ زرقانی مین حضرت ام سلمہ کے حال مین لکھا ہی کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہ سے ہوتی تھی بعض روایتون مین ہی کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھین اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہوجاتی تھین، اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج مین کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا، لیکن دل صاف تھے اور باہم ملکر لطف صحبت اُٹھاتی تھین آنحضرت صلعم کے شرف صحبت نے جس طرح ان آئینون کو جلا دی تھی اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہوسکتا ہی جس مین جناب عائشہ کو منافقین نے متہم کیا تھا اس سے بڑھکر حریفون کے لیے انتقام کا کیا موقع ملسکتا تھا لیکن باوجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے مین آلودہ ہوگئے تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف رہا، حضرت عائشہ کی بڑی حریف حضرت زینب تھین، لیکن جب رسول اللہ صلعم نے ان سے استفسار فرمایا تو انہون نے کانون پر ہاتھ رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہی، حضرت عائشہ جب واقعہ افک کا ذکر کرتی تھین تو ہمیشہ حضرت زینب کی پاک باطنی کی شکر گزاری ظاہر کرتی تھین، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتون مین تفصیلاً

مذکور ہے۔

آنحضرت صلعم جس طرح ازواج مطہرات کی خاطرداری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

ایک دفعہ ازواج مطہرات سفر میں تھین، ساربان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے آپ نے فرمایا دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہین[1]۔

حضرت صفیہ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھین ایک دن انہون نے کھانا پکاکر آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا، آپ اس وقت حضرت عائشہ کے گھر مین تشریف رکھتے تھے حضرت عائشہ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا آنحضرت صلعم نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور انکو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ آنحضرت صلعم سے برہم ہوکر بلند آواز سے باتین کررہی تھین، اتفاقاً حضرت ابوبکر آگئے، حضرت عائشہ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ سے چلا کر بولتی ہے، آنحضرت صلعم بیچ مین آگئے، اور حضرت عائشہ کے آڑے آگئے، حضرت ابوبکر غصہ مین بھرے ہوئے باہر چلے گئے آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے کہا کیون ہین نے کس طرح تمکو بچالیا، چند روز کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے مجکو بھی صلح مین شریک کیجیے جیسا کہ اس موقع پر مین نے جنگ مین شرکت کی تھی، آپ نے فرمایا ہان اور ہان[2]۔

[1] بخاری مین یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل مین ہے لیکن ازواج کے نام نہین، نسائی مین نام کی تصریح ہے لیکن روایت مین کسی قدر اختلاف ہے [2] ابوداؤد کتاب الادب باب ما جاء فی المزاح -

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ "تم مجھ سے جب ناراض ہوتی ہو تو مین سمجھ جاتا ہون" بولین کیونکر؟ ارشاد ہوا جب تو خوش رہتی ہو (اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہی) تو یون قسم کھاتی ہے "محمدؐ کے خدا کی قسم" اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے "ابراہیم کے خدا کی قسم" حضرت عائشہ نے کہا "ہان یا رسول اللہ مین صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہون"[۱]

حضرت عائشہ شادی کے وقت بہت کم سن تھین اور لڑکیون کے ساتھ کھیلا کرتی تھین آنحضرت صلعم اتفاقاً آجاتے تو لڑکیان بھاگ جاتین، آپ اُن کو بلا کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجدیا کرتے[۲]،

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہین جس کو حراب کہتے ہین، اور جس طرح ہمارے ملک مین پٹہ ہلاتے ہین حبشی اس سے کھیلتے ہین، ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آنحضرت صلعم آگے کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ دوش مبارک پر رخسارے رکھکر تماشا دیکھنے لگین اور دیر تک دیکھتی رہین یہان تک آپ نے فرمایا کیون ابھی تک تم سیر نہین ہوئین، بولین نہین، آپ چپ ہو رہے یہان تک کہ خود تھک کر ہٹ گئین۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ گڑیون سے کھیل رہی تھین آنحضرت صلعم باہر سے تشریف لائے، گڑیون مین ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ کیا ہے، بولین کہ حضرت سلیمان کے گھوڑون کے پر بھی تھے، آپ نے تبسم فرمایا[۳]، عوام مین مشہور ہی کہ پہلے گھوڑون کے پر ہوتے تھے حضرت سلیمان نے اس بنا پر کہ گھوڑون کی سیر مین ان کی نماز قضا ہو گئی تھی پر کٹوا دیئے اُس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان اب بھی باقی ہی حضرت عائشہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

۱؎ صحیح مسلم ۲؎ ایضاً ۳؎ ابو داؤد کتاب الادب۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں، حضرت عائشہ اُس وقت تک دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں، جب سِن زیادہ ہوا اور پر اندام ہوگئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی اب کی وہ پیچھے رہ گئیں آپ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے[1]،

ازواج مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی

(انسان بذات خود فاقہ کشی کر سکتا ہے سخت سے سخت تکلیفیں اُٹھا سکتا ہے زخارف دنیوی کو کلیۃً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا یا مخصوص عزیزترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے، دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت صلعم کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے آپ کے ۹ بیبیاں تھیں جن میں بعض ناز ونعمت میں پلی تھیں اور اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ان کا قدرتی میلان غذاہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا تھا، متعدد صغیر السن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کر سکتی تھی آنحضرت صلعم کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزہ اولاد اور ازواج مطہرات کے ساتھ سخت محبت تھی آپ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا، اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی لیکن بایں ہمہ آنحضرت صلعم نے اپنی ذات کی طرح انکو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی اس بنا پر آپ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بنگئی،

حضرت فاطمہ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن انھوں نے آپ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ

---

[1] ابوداؤد۔

نہین اُٹھایا ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھین کہ ہاتھون مین چھالے پڑ پڑ گئے تھے بار بار مشک مین پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر مین جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہوجاتے تھے، چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئین سے سیاہ ہوجاتے تھے[1] لیکن با این ہمہ جب انھون نے آنحضرت صلعم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کردیا کہ یہ فقرا و یتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت **فاطمہ**رض کے پاس آئے دیکھا کہ انھون نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہین تو پانون کھلجاتے ہین اور پانون چھپاتی ہین تو سر برہنہ رہ جاتا ہے[2]،

صرف یہی نہین کہ خود عام طریقۂ اظہار محبت کے خلاف ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہین دیتے تھے بلکہ اِس قسم کی جو چیزین ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھین انکو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا، کیون فاطمہ کیا لوگون سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے، چنانچہ حضرت فاطمہ نے اس کو فوراً بیچکر اسکی قیمت سے ایک غلام خرید لیا[3]،

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے حضرت فاطمہ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازون پر پردہ لگایا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہ کے یہان آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھکر واپس گئے، حضرت فاطمہ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کردیا اور بچون کے ہات سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ کی خدمت مین روتے

---

[1] ابوداؤد۔ [2] ایضاً [3] نسائی کتاب الزینت

Jinab Zafar Ahsan Mahmoodi
B. Com. Final

اعلان

سیرۃ النبی کے دو گذشتہ حصوں کے پہلے اڈیشن جو بڑی تقطیع پر چھپے تھے، وہ ختم ہو گئے ہیں، دوبارہ ۲۰×۲۶ کی کتابی تقطیع پر چھاپے گئے ہیں، اور موجود ہیں، یہ دو قسم کے کاغذ پر چھپے ہیں، ولایتی اور دیسی، انکی قیمتیں حسب ذیل ہیں

سیرۃ النبیؐ	ولایتی کاغذ	دیسی کاغذ
حصۂ اوّل	سے؍	للعہ؍
حصۂ دوم	صہ؍	سے؍

مسعود علی ندوی،
دار المصنفین - اعظم گڑھ۔